# موسمِ گل

## تائیوان کے افسانے

ترجمہ: شفقت تنویر مرزا

مشعل

MashalBooks.org

# موسمِ گل

تائیوان کی خواتین افسانہ نگاروں کی کہانیاں

تالیف: این سی کارور اور سنگ شینگ وان چانگ

ترجمہ: شفقت تنویر مرزا

مشعل

آر بی ۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثماں بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

# موسمِ گل

تائیوان کی خواتین افسانہ نگاروں کی کہانیاں

تالیف: این سی کارور اور سنگ شینگ وان چانگ

ترجمہ: شفقت تنویر مرزا

کاپی رائٹ اردو©2001 مشعل

کاپی رائٹ انگریزی©1990 این۔سی۔کارور اور سنگ شینگ وان چانگ

ناشر: مشعل

آر بی 5 سیکنڈ فلور

'عوامی کمپلیکس' عثماں بلاک 'نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور۔54600 'پاکستان

فون وفیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

# فہرست


تعارف: 05

## بزرگ نسل (بازگشت)

1- بے شرم آیا — ایلفین چانگ — 10

2- موم بتی — لِن ہوئی ژِن — 26

3- بالوں کا انبار — چئی چُن — 35

4- جرالوب کا جوڑا — پان جن مُو — 41

## درمیانی نسل (نئے عزم نئے مسائل)

5- موضع لیومیں — یولی ہُوا — 56

6- گندا انڈہ — چن جوہسی — 83

7- گلدان — اویانگ رَو — 105

8- موسم گل — لی انگ — 117

9- میرے جیسی عورت — ہسی ہسی — 126

## نوجوان نسل

10- اک جرم کی سزا — ژواں چی ایوں گ — 140


MashalBooks.org

| | | | |
|---|---|---|---|
| 11- | دو مختصر ترین کہانیاں | آئی یا | 157 |
| 12- | طالبہ ڈوب گئی | ہسیو سا | 160 |
| 13- | کوہ مسرت کا سفر نامہ | چیانگ ہسیو ژن | 179 |


MashalBooks.org

# تعارف

تاؤان کی خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں کے اردو ترجمے کا یہ مجموعہ انگریزی میں 1990ء میں نیویارک (امریکہ) میں چھاپا گیا- یہ کارخیر این سی کارور اور سونگ شینگ ژوون چانگ نے کیا یعنی خواتین افسانہ نگاروں اور ان کی تحریروں کا انتخاب اور ترجمہ اور اس مجموعے کا نام ''ارش کے بعد بانس بہار'' Bamboo Shoots After the Rain رکھا گیا-

یہ کہانیاں ہم عصر افسانہ نگاروں کی ہیں، یعنی اس مجموعے میں شامل سب سے بزرگ خاتون چی چُن 1918ء میں چین (عوامی جمہوریہ چین جسے میں لینڈ Main Land کہا جاتا ہے) میں پیدا ہوئی، چینی ادب کی تعلیم اور تدریس کا کام کیا- کہانیاں ناول لکھنے امریکہ چلی گئی اور مجموعے میں شامل اس کی کہانی ''بالوں کا انبار'' یادِ رفتگاں کے حوالے سے ایک توجہ ہے جس کے آخر میں نئے فیشن والی سوتیلی ماں بھی اس قدر مظلوم دکھائی دیتی ہے کہ سوتیلی بے وطن بیٹی بھی اس کے حالِ تباہ پر رو دیتی ہے- کتاب میں اس کی تین ہم عصر کہانی لکھنے والیوں کو ''پرانی نسل'' والے حصے میں شامل کیا گیا ہے- ان کا تعلق تائیوان سے نہیں میں لینڈ یا شنگھائی سے ہے- انہوں نے چین میں کمیوں سٹ انقلاب کے بعد ترک وطن کیا یا کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد تائیوان آ گئیں- ''جرابوں کا جوڑا'' لکھنے والی پان- جین مُو (پ 1919ء) نچوریا میں پیدا ہوئی- بیجنگ میں پڑھی، بہت دیر چین کے دور اُفتادہ علاقوں میں پڑھاتی رہی پھر تائیوان آ گئی- اس حصے میں سب سے پرانی کہانی ''بے شرم'' 1944ء میں لکھی گئی اور لکھنے والی شنگھائی کی رہنے والی تھی- وہیں ہانگ کانگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی، پڑھایا- دوسری جنگ عظیم میں برطانوی قابضین کے رویے دیکھے اور کہانی بھی اسی موضوع پر ہے کہ کس طور ایک (چینی روایتی اخلاق کے مطابق) اخلاق باختہ انگریز اور اونچے اور درمیانے طبقے کی چینی عورتیں جنسی عیش میں مصرف ہیں

جبکہ اس گھر کی آیا یا نوکرانی چین کی روایات کی پاسداری کرتی ہے اور اس انداز میں کرتی ہے کہ اپنا پرایا داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے- یہ افسانہ نگار بھی آخر کار امریکہ چلی گئی- بزرگ نسل کی ان افسانہ نگار خواتین نے اپنے عہد کے گزرتے مناظر اور بدلتے وقت کے بارے میں لکھا لیکن زیادہ تر قصہ بازگشت والا ہے- اس عہد کی بازگشت جب زر خرید لونڈیاں ہوتی تھیں اور خاندانی بیویوں کے ساتھ ساتھ داشتائیں بھی رکھی جاتی تھیں اور ان داشتاؤں کو گھر کے اندر ہی ''سوتن'' کی صورت میں رکھا جاتا تھا یعنی خاندانی بیوی اسے قبول کرنے پر مجبور ہوتی تھی- تاہم اس داشتہ کا سماجی درجہ گھر کے اندر بھی کم ہی ہوتا تھا- ''موم بتی'' اور ''بالوں کا انبار'' کہانیوں میں یہ عہد سانس لیتا نظر آتا ہے- بزرگ نسل کے ہاں عورت کا اپنی حیثیت کا شعور اور اس پر زور دینے کا عمل یا خیال کہیں نظر نہیں آتا-

کتاب کے دوسرے حصے میں ان خواتین کے افسانے شامل کیے گئے ہیں جنہوں نے زیادہ تر پچاس اور ساٹھ کی درمیانی دہائی میں لکھنا شروع کیا- ان کی جو کہانیاں یہاں شامل کی گئی ہیں وہ سن ساٹھ اور ستر کے درمیان لکھی گئیں اور ان میں مغربی ادب، تہذیب اور طرز احساس کی گہری پرچھائیں نظر آتی ہیں- ان پانچ افسانہ نگاروں میں سے تین امریکہ میں ہیں، ان میں ''گندا انڈہ'' لکھنے والی چن جوہسی تائیوان کی رہنے والی اور غریب طبقے سے تعلق رکھتی ہے- انگریزی پڑھی، افسانے لکھے، مقبول ہوئی پھر امریکہ چلی گئی- وہاں سے خاوند کے ہمراہ میں لینڈ میں کمیوں سٹ انقلاب کی خاطر کام کرنے کے لیے چلی گئی، لیکن اپنے تجربات کی بنا پر چین سے 1973ء میں واپس امریکہ چلی گئی- کہانی اس نے 1976ء میں لکھی جو شخصیت پرستی کے اس زماں ے کے رجحانات کے بارے میں ہے- جزیرہ تائیوان کی اصل باشندہ یہ خاتون نہ پھر تائیوان آئی نہ چین، امریکہ میں ڈیرہ جمالیا مگر اس کی کہانیاں اور ناول بڑے مقبول ہیں-

اس حصے میں شامل خواتین افسانہ نگاروں میں متذکرہ بالا خاتون کو چھوڑ کر باقی سب کا تعلق میں لینڈ سے براہ راست تھا یا ان کے والدین میں لینڈ سے آئے تھے- خاص پس منظر کی وجہ سے ان مہاجروں کا سماجی، سیاسی اور فنی رویہ بھی مختلف رہا لیکن عہد جدید کی فکری، ذہنی اور تہذیبی کشمکش سے واقف یہ خواتین اپنی پیشرو افسانہ نگاروں کے مقابلے میں زندگی کے بحر کی زیادہ گہری تہوں میں اتر جاتی ہیں اور جو موضوعات ان سے پہلے ممنوعہ تصور کئے جاتے تھے ان پر بھی قلم اٹھاتی ہیں- کہانی موسم گل جو اس مجموعے کا نام بھی ہے بڑی واضح مثال ہے- جس میں عنفوان شباب میں سکول کی لڑکی تھوڑے سے وقت کے لئے گھر اور سکول کی اختلاقیات سے آزاد ہو کر ذہنی طور پر ان وارداتوں سے خود کو گزارتی ہے جو وارد ہی نہیں ہوئیں- یہ کہانی لکھنے والی لی انگ بھی امریکی یوں یورسٹی میں بڑھی، وہی مقیم ہے اور وہ اوپر والے طبقے کے جنسی مشاغل اور عورتوں کی

MashalBooks.org

غلاماں ہ حیثیت پر کھل کر لکھتی ہے اور تائیوان کی حکومت اس کی بے باک تحریروں سے نہ صرف خائف رہتی ہے بلکہ اس کی تحریروں پر پابندی بھی لگتی رہی ہے- اس کا معروف ناول The Brtcher's Wife پر پابندی بھی لگی، تاہم اس کی مقبولیت معمہ ہے- لی انگ کو باغی خواتین میں شامل کیا جاتا ہے، مگر وہ تائیوان میں رہتی نہیں- اس ناول کا اردو ترجمہ مشعل نے شائع کیا ہے-

اسی نوعیت کی کہانی ''گلدان'' ہے- او یانگ جو 1939ء میں ہیروشیما میں پیدا ہوئی لیکن تائیوان کے پرانے خاندان سے تعلق یعنی اصلاً تائیوانی ہے، امریکہ میں پڑھی بھی اور قیام بھی کیا- ''گلدان'' پرانی اور نئی تہذیب کی کشاکش کی علامت بھی ہے اور نئے ابھرتے طبقے اور پرانے اوپر والے طبقے کے درمیان کشمکش کا مظہر بھی- اس کہانی کی کئی تہیں ہیں- مرد اور عورت کے درمیان بالادستی کی جدوجہد بھی اس کہانی میں نظر آتی ہے- خواتین کی مردوں کے ساتھ برابری کے حق کی تحریک کے اثرات درمیانی نسل کی افسانہ نگاروں کی تحریروں میں نمایاں ہیں اور گلدان میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے، جہاں عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ بااعتماد، مہذب، باذوق اور بے داغ کردار کی مالک نظر آتی ہے-

''میرے جیسی عورت'' ہانگ کانگ کی افسانہ نگار کی ہسی ہسی نے 1982ء میں لکھی- اسے تائیوان کی خواتین افسانہ نگاروں میں شامل کیا گیا، حالانکہ اس کا شروع سے آخر تک ہانگ کانگ سے تعلق ہے- تائیوان سے کوئی رشتہ نہیں لیکن اس کے ناول افسانے تائیوان میں بہت مقبول ہیں- اس کی کہانی ''میرے جیسی عورت'' ایک انتہائی غیر معمولی صورتحال، کردار اور پیشے کی کہانی ہے..... یہ گورکنوں سے بھی زیادہ مشکل پیشہ ہے جو ایک عورت نے اختیار کر رکھا ہے، جس نے جیتے جی جوانی میں ہی مُردوں کی دنیا میں پہنچا دیا ہے مگر وہ ہم عمر مردوں کے مقابلے میں زیادہ دلیر اور جرات والی ہے-

درمیانی نسل کی افسانہ نگاروں میں پولی ہُوا کی کہانی ''موضوع لیو میں'' سب سے طویل ہے مگر اس میں ایک گھرانے میں خواتین کی باہمی اور خواتین اور مردوں کی کشمکش کشیدگی کی ایسی فضا بنائے رکھتی ہے جو قاری کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے- بنیادی طور پر یہ ان بہوؤں کی کہانی ہے جو سسر اور ساس کی خدمت کے فرائض ادا کرنے کے لیے تو نہیں لائی جاتیں مگر ان کا مقدر ساس سسر اور نند کے درمیان رہنا اور ان کے ناگوار حاکمانہ رویوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے صرف سال میں ایک مہینے کے لیئے آنے والے خاوند کی خوشنودی اور مسرت کی خاطر- کہانی دوسری جنگ عظیم کے پس منظر میں ہے جب گاؤں کا ایک لفنگا قابض جاپانی فوجیوں کا منظور نظر بن کر ان کی طرف سے ایک طرح کی حکومت شروع کر دیتا ہے اور گاؤں کے اخلاق باختہ چودھریوں کی طرح

MashalBooks.org

خصلتیں بھی لوٹنا شروع کر دیتا ہے- یہ اس عہد کی کہانی ہے جب عورت روایتی، سماجی اور معاشی دباؤ سے نکلنے کے لیئے ذہنی طور پر تیار ہوں لے لگتی ہے اور پھر خاوند کی طرف سے بے اعتمادی کے اظہار پر تن تنہا بغاوت کر کے گھر سے کنارہ کر لیتی ہے لیکن اس کے رویے سے اتنا ضرور ہوتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے بارے میں اپنی ماں کی تخلیق کردہ بدگماں ی سے نکل کر بیوی کی مجبوری اور پاک دامنی پر نہ صرف ایماں لے آ تا ہے بلکہ خود ماں کی سخت گیری کے باوجود بیوی کی تلاش میں نکل جاتا ہے-

تائیوان سے متعلق افسانہ نگار خواتین کی نئی نسل میں ایسی خواتین کے افسانے شامل کیے گئے ہیں جو 1945ء اور 1954ء کے درمیان پیدا ہوئیں- ان کے والدین کا تعلق میں لینڈ چین سے تھا اور وہ زیادہ تر کمیوں سٹ انقلاب کے بعد ترک وطن کر کے تائیوان آ گئے- ژوان چیوانگ کی کہانی ''اک جرم کی سزا'' دوسری جنگ عظیم کے بعد چین میں سیاسی تبدیلیوں سے شروع ہوتی ہے- سارے کردار میں لینڈ سے پسپائی کے بعد نئی صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں- میں لینڈ کے سماجی رسم ورواج سے تائیوان کے رسم ورواج میں کوئی زیادہ فرق نہیں مگر تائیوان میں آنے والی چین کی مختلف بولیاں (لہجے) بولنے والی آبادی کی اکثریت نے تائیوانی بولی یا زبان کو دبا دیا- تائیوان پر تقریباً ساٹھ برس تک جاپان کا قبضہ رہا- تب جاپانی سرکاری زبان کی حیثیت کی حامل تھی جب نسلی تبدیلی آئی تو یہاں کی سرکاری زبان میں پٹر بن چینی (میں لینڈ کی چینی) قرار پائی- تائیوانی بولی کی حیثیت ثانوی رہی- چنانچہ سات کی دہائی میں مقامی اور غیر مقامی تائیوانیوں میں اختلاف زیادہ سنجیدہ شکل اختیار کر گئے اور یہاں سے مقامیت کی ایک نئی تحریک بھی شروع ہوئی-

''اک جرم کی سزا'' ان چینیوں کے خاندانی رشتوں میں پڑنے والے رخنوں اور تبدیلیوں کے بارے میں ہے جن کا ایک سبب میں لینڈ سے تعلقات کا منقطع ہوں اہے- مگر دوسرا سبب تائیوان کے معاشرہ پر پڑنے والے مغربی ترقی وتہذیب کے اثرات ہیں- The Brtcher's Wife اور موسم گل کی خالق لی انگ نے چین کے اوپر والے طبقوں میں جنسی بے امنی اور لذت پرستی کے دوران پردہ کرداروں اور تناظر سے نقاب اٹھایا تھا- اسی مرتبع میں نئی نسل والیوں نے یہی بہتر مشاہدہ کے ساتھ افسانے لکھے- کہانی ''اک جرم کی سزا'' میں عورت کی طرف سے جنسی جارحیت بھی ہے اور پھر تاسف آمیز پشیماں ی بھی کہ اس طرح گھر اجڑ گیا- بچے وہ نہ بن سکے جو ایسے طبقے کے آئیڈیل کے مطابق ہوں اور خود یہ گھر بھی نو دولتی طبقے کے ذوق وشوق کے بھڑ کیلے تہذیبی مظاہر کا شکار ہو گیا-

نئی نسل اپنے سے پہلے والی نسل کے بارے میں زیادہ حقیقت پسند ہوتی گئی- درمیانی نسل نے علامت نگاری اور بعض اوقات آزاد تلازمہ خیال کو شائد ضرورت سے زیادہ استعمال کیا تھا،

Mashalbooks.org

اس کا ردعمل یہ ہوا کہ نئی نسل میں بیانیہ انداز مقبول ہوا- اس طرح نئی نسل اور بزرگ نسل میں ایک یہ قدر مشترک ہے مگر بیانیہ اسلوب میں درمیانی نسل کے سماجی، معاشی، نفسیاتی مسائل کی الجھنیں اور ان کے پس منظر کا گورکھ دھندا بھی موجود ہے- ہسیو سا کی کہانی ''طالبہ ڈوب گئی'' بظاہر ایک بیانیہ کہانی ہے، جسے ایک صحافی بیان کر رہا ہے مگر صحافی جو رپورٹ تیار کر رہا ہے وہ ماں باپ کی شفقت اور معاشرے کی دلجوئی سے محروم نسبتاً معصوم مجرم کے خلاف ایک ای ف آئی ار نہیں، یہ پورے معاشرے کے خلاف ایف آئی آر کی حیثیت رکھتی ہ ے- معاشی نظام میں طبقاتی تضادات، بالائی طبقوں کی اولاد کے بارے میں لاتعلقی، نئی طرز کے سکولوں میں مغربی انداز میں بچوں سے نمٹنے کے ڈھنگ، نچلے ط بقے کے محروم نوجوانوں کی نفسیات، مجرم بنانے اور جرائم کی دنیا سے کنارہ کشی کی خواہش، عدالتی نظام میں داستان محرومی کے کرداروں سے انصاف کے نام پر بے انصافی یہ سارے معاملات اس ایف آئی آر کا حصہ ہیں-

اس مجموعہ کی آخری کہانی ''کوہِ مسرت کا سفر نامہ'' چیانگ ہسیوژن نے لکھی اور جو امریکہ میں مقیم ہے، اس میں ریٹائرڈ اور بوڑھے لوگوں میں حالات وواقعات کی بنا پر جو تبدیلی آ رہی ہے اس کی جھلک دکھائی گئی ہے- روایت تو یہ تھی کہ بوڑھے والدین برسر روزگار بچوں کی بنیادی ذمہ داری ہوتے تھے، یہ رواج مشترکہ خاندانی نظام کا ایک امیر حصہ تھا مگر نئے معاشی حالات اور بھاگ دوڑ میں اب یہ طریق بدل رہا ہے- معاملہ کچھ وہی ہوتا جا رہا ہے جو مغرب میں عرصہ دراز سے صورت پذیر ہے- چیانگ ہسیوژن نے بوڑھی خاتون اور بوڑھے صاحب کو پیازلی کی سیر کے دوران ایک دوسرے کے قریب کیا- صاحب کے بیٹے اور بہو کے ہر چند ہمدردانہ رویے نے پریشانی کی کوئی صورت پیدا نہیں کی مگر بڑے صاحب زمانی فاصلوں کی بنا پر مطابقت پیدا نہیں کر سکتے - دوسری طرف بزرگ خاتون اپنی بیٹی اور داماد کے گھر میں رہتی ہے اور محسوس کرتی ہے کہ اس کی بیٹی کی خواہش یہی ہے کہ بڑے صاحب سے جو تعلق سیر کے دوران پیدا ہوا ہے وہ پختہ تر ہو جائے اور یہ بوڑھا جوڑا اپنا گھر آباد کر لے- بڑے صاحب کی بہو بھی اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے- چنانچہ دونوں بوڑھے ''کوہ مسرت'' میں خانقاہ نما گپھا میں اگربتیاں جلا لیتے ہیں-

تائیوان سے متعلق افسانہ نگار خواتین کی ساری کہانیوں کا انجام آہ پر ہوا ہے- صرف آخری کہانی ''کوہِ مسرت کا سفر نامہ'' کا انجام طربیہ کہلائے گا- مجموعی طور پر یہ اتحاد چند مغربی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے لیکن اردو میں اس کا ترجمہ داستان گوئی کے موجود طرزِ احساس کو نئی جہت دینے میں ایک کردار ادا کر سکتا ہے-

MashalBooks.org

# بے شرم آیا

(ایلین چانگ 1921ء)

## شن فا:

اہ نی بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر دس منزلیں چڑھ گئی- اس بلند عمارت کی پچھلی سمت سے شہر وحشت کا منظر پیش کرتا- چھتیں، پچھلے صحن، کھڑکیاں اور گلیاں سب زنگ آلود سرخ اور سرمئی رنگ کے ڈھیر- آسماں ویران اور دھوپ سے خالی جیسے آسماں نے بھی اس شہر سے منہ موڑ لیا- کسی کو علم نہ تھا کہ اس شہر کی کیفیت کیا ہے- چاند میلہ بھی ہو چکا تھا مگر ابھی تک گرمی بہت تھی- نیچے سے اوپر کی طرف طرح طرح کی آوازیں اٹھ رہی تھیں- کاروں اور بسوں کی، قالین دھونے اور کوٹنے کی، سکول کی گھنٹیوں کی، بڑھئی کے آرے کی، موٹروں کے شور کی، مگر سب آوازیں ایک دوسرے میں پیوست، انہیں الگ الگ شناخت کرنا مشکل تھا- سب بے معنی، آسماں ان پر کوئی توجہ نہیں دیتا، کسی ایک پر بھی نہیں، گویا ہوا کی لہریں ہیں- کان کے پاس سے گزر جائیں گی-

ہمسائی نوکرانی پچھلے برآمدے میں بچوں کے ساتھ بیٹھی نرم چاول کھا رہی تھی- منہ کو چونچ کی طرح بنا کر چاولوں کی لئی سرک رہی تھی اور جو چھینٹیں اڑنے لگتیں، ان سے اُس کے پیلے گال پر بال سے اگنے لگتے-

MashalBooks.org

''سلام، بی بی بہن-'' اس نے آہ نی کو سلام کیا اور اس کے بچوں نے بھی زور سے کہا: ''خالہ سلام-'' آہ نی اور اس کے بیٹے نے بھی جوابی سلام کیا- کسی کو بڑی بہن، کسی کو خالہ اور کسی کو بڑا بھائی کہہ کر-

''آج دیر ہوگئی ہے؟'' اہ نی نے کہا-

''بدبخت ٹراموں میں اس قدر ہجوم تھا کہ میں اپنے سٹاپ پر اتر ہی نہ سکی- ولایتی لوگوں کے لئے تو یہ سیڑھی ہوگی-''

''یہ موسم کچھ زیادہ ہی گرم، پاگل کرنے والا نہیں؟'' ہمسائی نے کہا-

''سچی پاگل کرنے والا موسم ہے..... اور ابھی دن کتنے ہیں-'' اہ نی نے کہا-

اور پھر تیزی سے اندر چلی گئی- گزشتہ رات صاحب نے گھر پر کھانا نہیں کھایا تھا اور اہ نی کو دو گھنٹے پہلے ہی گھر جانے دیا تھا- اہ نی نے اندازہ لگایا کہ آج صاحب کا مزاج خراب ہوگا- اس نے بھورے رنگ کے بڑے جگ کا ڈھکنا اٹھایا اس پر پیلے اژدھے کا نشان بنا ہوا تھا، اس نے کیتلی میں پانی ڈالا اور اسے گلنگ سیخ پر رکھ دیا- جنگ کی وجہ سے پانی کا بھی راشن تھا- اس نے دیوار میں لگے چھوٹے سے شیشے میں اپنے آپ کو دیکھا- اس کے بال کچھ زیادہ ہی بکھرے ہوئے نہیں تھے؟ اس نے پچھلی طرف بالوں کی دو چوٹیاں بنا رکھی تھیں- سامنے ماتھے پر بھی کس کے کنگھی کرتی تھی، اس طرح دو دن تک اسے کنگھی کرنے کی حاجت نہ رہتی- سفید بلاؤز اور کالے پاجامے میں وہ صاف ستھری اچھی لگتی- اس نے اپرن باندھا- قد چھوٹا تھا اس لیے شیلف میں سے کافی کا ڈبہ نکالنے کے لیئے اسے سٹول پر پاؤں رکھنا پڑا-

''شن فا! تم کدھر بھاگ رہے ہو؟ ابھی کھیلنا بند کیا تھا اور پھر تمہارا دھیان کھیل کی طرف ہو گیا ہے، بدبخت! ناشتہ کرو اور سکول جاؤ-'' اہ نی جب چیخ رہی تھی تو لگتا تھا کہ پتلے خوبصورت منہ والی یہ عورت بچے کی اصلی نہیں سوتیلی ماں ہے-

شن فا، سٹول باہر لے آیا- اس پر اپنی ہیئت ٹکائی، بسکٹوں والا بڑا ٹن، بازوؤں میں اٹھا کر لایا، اس کے اوپر بیٹھ گیا- اس کے گول چہرے پر بڑا سکون تھا اور آنکھوں میں چمک، یوں وہ ناشتے کا انتظار کرنے لگا-

اہ نی نے فرنچ بریڈ کے سلائس لیئے- ''یہ لو، ساری خود ہی کھا لو یا کچھ دوسروں کے لئے بچا دینا- میں نے ایسا بچہ نہیں دیکھا جو بڑوں سے بھی زیادہ کھا جاتا ہے-''

اس نے کھڑکی میں پڑے نیلے گلاس میں سے ٹوتھ برش نکالا، تھرموس میں سے گرم پانی لے کر گلاس بھرا اور بچے کو دے دیا- ''تمہیں تو ہر شئے پیش کرنی پڑتی ہے- بھلا اس خدمت کا تم مجھے کتنا ماہانہ معاوضہ دیتے ہو؟ اللہ جانے میں پچھلے جنم میں تمہاری کس قدر دین دار تھی؟ چلو اب کھاؤ،

MashalBooks.org

ختم کرواور دفع ہو جاؤ۔''

شن فا نے لقمہ چباتے چباتے بستہ اٹھایا اور پھر اچانک اسے اپنے کپڑوں سے بے زاری ہونے لگی۔ یہ مدہم پڑتے نیلے رنگ کے کپڑے اس نے ساری گرمیوں میں پہنے تھے۔

''ماما، کل میں اپنی سویٹر پہنوں گا۔''

''اس موسم میں سویٹر؟ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟''

شن فا چلا گیا تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ سکول کی فیس میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا اور اسی حساب سے دوسرے خرچے بھی بڑھ گئے تھے۔ رنگدار کاغذوں کی قیمت تو آسماں کو چھونے لگی تھی۔ اس نے اپنا سر گھما کر چھوٹے سے قومی پرچم کو دیکھا جو اس نے کھڑکی میں بانس کی چھڑی پر لٹکا رکھا تھا۔

کافی میں ابال آیا ہی تھا کہ ٹیلی وجن کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو۔'' اس نے انگریزی لہجے میں ذرا لہرا کر کہا۔

''جی، بیگم صاحب، بس ایک منٹ۔'' اس نے پہلے یہ آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ ایک اور نئی آواز۔ اہ نی نے جا کر دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

''صاحب جی، ٹیلی فون۔''

صاحب پہلے ہی کپڑے بدل چکا تھا اور آہ نی سے ناراض لگتا تھا۔ وہ لمبا اور خوبصورت تھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی مونچھیں تھیں۔ فون سننے سے پہلے اس نے گلا صاف کیا۔

''ہیلو!'' اور پھر اس کی آواز ڈوب سی گئی۔

''ہیلواو۔'' اس نے آواز پر قابو پا لیا۔

اہ نی، ناشتے کی ٹرے لے آئی۔ پیلے بالوں والی خاتون نے گزشتہ رات دعوت دی تھی اور غالباً وہ رات صاحب کے ساتھ ہی واپس بھی آئی تھی کیوں کہ کچن میں دو گلاس پڑے تھے، ایک پر لپ سٹک کا نشان تھا۔ ان عورتوں کی ایک یہ بات خاص تھی کہ وہ کبھی رات اس گھر میں ٹھہری نہیں تھیں۔ اس عورت کے جانے کے بعد صاحب نے کچا انڈا کھایا تھا۔ اہ نی نے انڈے کا خول کوڑے میں پڑا دیکھا تھا، جس میں پن سے سوراخ کیا گیا تھا اور یوں انڈا پینے کے بعد سالم خول پھینک دیا گیا تھا۔ اسے صاحب کے جنگلی ہونے پر بڑا افسوس ہوا اور اس نے تاسف میں سر ہلایا۔

ناشتے کے بعد اس نے وہ ٹیلی فون نمبر دیکھے جو ملازمہ نے لکھ رکھے تھے، جہاں سے کالیں صاحب کے لئے آئی تھیں۔ اس نے ان نمبروں پر ٹیلی فون کیا تو پتہ چلا کہ نمبر غلط لکھے گئے تھے۔ اس نے کچن میں جھانک کر، اہ نی پر انگلی اٹھاتے ہوئے کہا:

''شرم کرو عورت، تم نے کبھی صحیح نمبر نہیں لکھا۔''

MashalBooks.org

اہ نی کے ہاتھ اپرن میں لپٹے تھے، اس کا رنگ سرخ ہو گیا اور خفیف سی ہو کر مسکرانے لگی۔

صاحب کی نظر اس روٹی پر گئی جو شن فا بچا گیا تھا۔ اہ نی جانتی تھی کہ صاحب کو شک ہو گیا ہے، لیکن یہ روٹی تو وہ راشن ٹکٹ پر خرید کر لائی تھی اور یہ راشن ٹکٹ تو ہمسائے میں رہنے والی بیگم نے اسے دیا تھا۔ اہ نی کے گال شرم سے ایسے سرخ ہو گئے جیسے کسی نے تھپڑ مارے ہوں۔ محلّہ سوچاؤ کی نوکرانیاں بڑی حساس مشہور تھیں۔

صاحب کچھ بولا نہیں۔ جب تک وہ اس کی ملازمہ رہے گی، اسے خوش بھی رکھے گا۔ بی بی آج دو کے لئے ڈنر تیار کرنا ہے، ایک پاؤنڈ بڑا گوشت خرید لانا۔

''جی صاحب۔''

اس کا پھیلا ہوا باز و دروازے کی چوکھٹ پر تھا اور دوسرا ہاتھ کمر پر۔ اس نے کچھ سوچا۔ جب اس کی آنکھوں میں جنسی خواہش نہیں ہوتی تھی وہ پھیل جاتیں اور ان میں سفیدی نمایاں ہوتی۔ انہی آنکھوں سے اس نے شن ما کی چھوڑی روٹی کو دیکھا۔ اہ نی ایک بار گھبرائی، کہنے لگا اور کچھ اور بھی بنالینا کارن۔ اہ نی نے سر ہلا کر کہا:

''کارن۔'' اور اس نے سوچا ہمیشہ کی طرح ایک ساسئیو۔ لیکن خوش قسمتی سے عورتیں اس طرح میں ونہیں بناتیں۔

''کچھ میٹھا بھی؟''

''پین کیک بنالینا، میدہ نہیں ڈالنا۔''

''دو انڈوں سے کام بن جائے گا۔''

اہ نی نے میٹھے انڈوں کے اس پکوان کے بارے میں کبھی سنا بھی نہیں تھا، مگر اس نے بڑی فرماں برداری سے کہا:

''جی صاحب۔''

جب وہ ناشتہ لے کر گئی تھی تو اس نے دیکھا کہ زرد بالوں والی عورت کی تصویر ہٹا دی گئی ہے۔ غالباً آج ایک نئی عورت آ رہی تھی۔ جب کبھی مس لی کی طرح اکثر آنے جانے والی عورتیں آتیں تو وہ تصویریں ہٹانے کا تردد نہیں کیا کرتا۔ میں مس لی ہر بار اہ نی کو بڑا ٹپ دے کر جاتی۔ اہ نی کا اندازہ تھا کہ کسی بڑے امیر آدمی کی داشتہ ہے، مگر یہ بات وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ مس لی زیادہ خوبصورت نہیں تھی، مگر بے تکلف زیادہ تھی۔ ویسے ساری داشتائیں بھی تو خوبصورت نہیں ہوتیں۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی:

''ہیلو؟..... جی میم صاحب، بس ایک منٹ۔''

مس لی نے اس خیال سے اس سے انگریزی میں بات کی کہ اہ نی اسے پہچان نہ سکے گی۔

MashalBooks.org

صاحب مس لی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا-

''مسٹر شچت..... باتھ روم میں، ساری، آپ پھر ٹیلی فون.....''

''تھینک یو-''

''نہیں کیا ضرورت ہے، خدا حافظ میم صاحب-''

مسٹر شچت نے کام پر جانے سے پہلے کچن میں جھانک کر کہا:

''بوا گڈ بائی-''

''گڈ بائی صاحب-'' بوا نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُسے چھوڑنے کے لیئے تیزی سے بڑھی-

پھر وہ باتھ روم میں چلی گئی، حوائجِ ضروری، پھر دانت صاف کیئے- مسٹر شچت نے اپنی چادریں، تو لیئے، انڈرویئر سب ٹب میں اس لیئے ڈبو دیئے تھے کہ وہ ان سب کو آج ہی دھو ڈالے- اسے مارکیٹ بھی جانا تھا اور نلکے میں روزانہ صرف دو گھنٹے کے لیئے پانی آتا تھا- اگر ٹب میں کپڑے بڑے رہے تو پھر وہ اسے صاحب کے نہانے کے لیئے بھرے گی کیسے؟''

مس لی نے پھر ٹیلی فون کیا-

''مسٹر شچت.....دفتر چلی گئی-''

''ان کے دفتر کا ٹیلی فون نمبر کیا ہے؟'' مس لی نے چینی زبان میں پوچھا-

''می لی ہو-'' اہ نی نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور خود بھی خفت کے باعث سرخ ہوگئی-

''مجھے ان کے دفتر کا نمبر معلوم نہیں..... وہ کل دفتر نہیں گئے تھے- ہاں کھانا گھر پر ہی کھایا تھا.....خودی.....آج کا مجھے پتہ نہیں.....نہیں انہوں نے کچھ کہا نہیں.....''

اگلا ٹیلی فون زرد بالوں والی عورت کا تھا- وہ کسی کے ہاتھ چھریاں اور کانٹے بھیج رہی تھی، جو وہ کل کی پارٹی کے لیئے یہاں سے لے گئی تھی-

''مسٹر شچت تو دفتر چلی گئی- جی بیگم صاحب، بوا بول رہی ہوں، میں ٹھیک ہوں- شکریہ آپ کا-''

اہ نی نے زرد عورت سے گفتگو کے دوران اداکاری کی- شرمیلی ہنسی، غیر ملکی زبان میں چہچہاتے ہوئے، جیسے بڑی خوش ہو، مگر اصلاً سب کچھ ایسے ہی غیر حقیقی جیسے اشتہاروں کی دنیا میں ہوتا ہے-

''بوا کب بھیجو.....''

''میں اب تو مارکیٹ چلی، نو بجے کے بعد آؤں گی.....بیگم صاحب، بڑا شکریہ-''

''کیا ضرورت ہے.....گڈ بائی-''

MashalBooks.org

جب اہ نی مارکیٹ سے واپس آئی تو زرد بالوں والی عورت کی ملازمہ ننگ مئی پچھلے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹا رہی تھی- ننگ مئی اہ نی کی سہیلی تھی اور اسی کی سفارش پر زرد بالوں والی خاتون کے ہاں ملازم ہوئی تھی-

''باجی ہے باجی-'' ننگ مئی قدبت کی خوبصورت عورت تھی، کپڑے بھی ایسے پہن رکھے تھے کہ کالج کی لڑکی نظر آتی تھی-

''گزشتہ رات وہ کب گئے تھے؟'' اہ نے اخباری کاغذوں میں لپٹی ڈشیں پکڑتے ہوئے پوچھا-

''تقریباً دو تین بجے-'' ننگ مئی نے سخت ناراض میں تقریباً غراتے ہوئے کہا- اس کی آنکھوں میں نیند اور تھکن کے باعث گہرے سرخ ڈورے تھے-

''تو خاتون اس کے بعد یہاں آئی-''

''ہیں؟ واقعی؟'' ننگ مئی نے بازو سینے پر باندھ لیئے اور اہ نی سے پوچھا، جو ڈشیں ایک طرف رکھ رہی تھی-

''دراصل ہماری بیگم اور تمہارے صاحب کا جوڑا تو آسماں میں بنا تھا- یہ ایسا کھلے ہاتھ والا اور وہ اس قدر حصیض- پارٹی کے لئے کرسیاں ہمسائیوں سے ماں گ لیں اور کھانا کم پڑا تو چاول ادھار ماں گ لیئے-''

یہاں والے سے تو وہ بہت اچھی ہے- یہاں تو دعوتیں ہوتی ہی نہیں- جب کبھی کسی کو بلایا جاتا ہے رتو وہ بھی صرف ایک فرد کو، ایک اکیلی عورت کو اور میں تمہیں بتاؤں بھلا کھانے کے لیے کیا ہوتا ہے- بڑے گوشت کا سوپ، اور سوپ نکلا گوشت بھنا ہوا- پھر کچھ کارن- جب پہلی بار مہماں آتا ہے تو اسے تھوڑی سی مٹھائی بھی کھانے کے بعد پیش کر دی جاتی ہے- دوسری بار آئے تو یہ میٹھا پیش نہیں کیا جاتا اس کی ایک دوست مس لی ہے، اسے صاحب کا کھانا پسند نہیں آتا، اس لئے وہ ریستوران سے کھانا یہاں منگواتی ہے- سچ تو یہ ہے کہ مس لی ہر اعتبار سے ہمارے صاحب پر بڑی مہربان ہے- مگر صاحب نے اب نئی سہیلی بنالی ہے، مجھے لگتا ہے کہ یہ کوئی بہتر ثابت نہیں ہوگی- یہ دوسری والی تو صاحب کا نام بھی صحیح طرح نہیں پکار سکتی-

''چینی ہے؟'' ننگ مئی نے پوچھا-

اہ نی نے اثبات میں سر ہلایا- بس ہر طرف چینی ہی چینی ہیں- ''آؤ ادھر کمرے میں تمہیں تحفہ دکھاؤ، جو مس لی نے صاحب کی سالگرہ پر دیا تھا- چاندی کا پیالہ اور چاندی کی چاپ سٹکس..... صاحب کو چینی چیزیں بہت پسند ہیں، خاص طور پر جو اس کے لیئے بنوائی جائیں- ادھر گلاسوں کو دیکھو، کتنے لمبے اور کیسے کاغذی سے-''

ننگ مئی فوراً کھنکھنائی: ''قیمت سینکڑوں میں ہوگی۔''

''اس سے بھی زیادہ۔''

دیواروں پر پیکنگ اوپرا کے ماسک ٹنگے ہوئے تھے اور فرم میں عورت کی ننگی تصویر جڑی تھی جو دراصل وہسکی کے اشتہار کا حصہ تھی۔ ہیلنگ کے کمبل، لالٹین سے بنائی گئی ویسٹ باسکٹ اور پھر باتھ روم کے شیلف پر پڑے آٹھ گہرے سنہری رنگ کے کنگھے..... مختلف قسم کے دندانوں کے ساتھ..... کھلے اور ننگ۔ صاحب کے بال گرنے شروع ہو گئے تھے، جب بھی کنگھی کرتا بال گرتے جیسے آنکھوں کی پتلیوں کے بال۔

''ابھی پانی ہے، ٹب میں بھرے کپڑے دھولوں۔ تم ذرا بیٹھو بہن۔''

جب وہ ٹب پر جھک کر کپڑوں کو اتھل پتھل کر رہی تھی تو سانس چڑھنا شروع ہو گئی، اس وقت بھی اس کے ذہن پر مس لی چھائی ہوئی تھی اور اب اس کے اپنے پسینے کی بُو اس کی ناک میں آ رہی تھی۔ تازہ کیئے تربوز کی بو جیسی۔ ''میرے خیال میں کوئی اس سے محبت نہیں کرتا۔ محبت ہو نہیں سکتی وہ اکیلا دس عورتوں کے مقابلے میں زیادہ چالاک اور مکار ہے۔ میں اپنی خرید کر لائی تو اس نے سمجھا کہ یہ روٹی اس کی ہے۔ کانی آنکھ سے اس روٹی کو دیکھتا رہا، جیسے میں نے چوری کی ہے۔ حالانکہ یہ روٹی ان جیسی تھی ہی نہیں۔ پچھلے ہفتے کچھ چاول بچ گئے تھے۔ آج تک سنبھال کر رکھے ہیں۔ جب تک وہ خود پھینکنے کے لیئے نہیں کہے گا، میں نہیں پھینکوں گی، وہ کہتا ہے کہ شنگھائی میں تو ملازم بھی غیر ملکیوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، انہیں لوٹتے ہیں اور اگر یہ شنگھائی میں نہ ہوتا تو جرمن کی جنگ میں کب کا مر گیا ہوتا۔ گزشتہ ہوتے بھی اس نے ایسے ہی کیا تھا، بہت سے کپڑے بھگو دیئے تھے اور میرے دھونے تک قمیض کا رنگ اتر گیا تھا۔ تب نے کہا کچھ نہیں تھا، مگر اب یہ زیادہ جھگڑالو ہوتا جا رہا ہے۔ یہ جو آج عورت آ رہی ہے..... آخر اس سے بے زار نہیں ہو جائے گا؟ چند ماہ میں اس کا دماغ گرمی سے الٹنے لگے گا۔ خدا جانے وہ کون سی دوائی لگاتا ہے کہ بستر کی چادریں گندی ہو جاتی ہیں۔''

ننگ مئی نے بڑی دیر سے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اہ نی نے مڑ کر دیکھا تو وہ دروازے پر جھکی اپنے ناخن کاٹ رہی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی۔ اہ نی کو یاد ہے کہ ننگ مئی اور اس کے منگیتر کے خاندان والے چاہتے تھے کہ دونوں کی شادی ہو جائے اور اس کی ماں اس مقصد کے لیئے یہاں بھی آئی تھی۔ لیکن یہی راضی نہیں ہوئی تھی۔

''تمہاری ماں یہیں ہے؟'' اہ نی نے پوچھ لیا۔

''باجی۔'' ننگ مئی نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں سخت پریشان ہوں۔'' وہ بس رونے ہی والی تھی۔ اس کی نم آلود سرخ آنکھیں

سرخ ہوں ٹوں جیسی لگ رہی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں جانا ہی پڑے گا، ورنہ لوگ کہیں گے، ایک جوان جہاں لڑکی تن تنہا شنگھائی میں کیسے رہ رہی ہے، یقیناً خراب ہوگئی ہوگی۔''

''ماں بھی یہی کہتی ہے۔ جاؤں گی میں ضرور مگر جلدی ہی واپس آ جاؤں گی، اب دیہی زندگی برداشت نہیں ہوتی۔ ماں ان دنوں بڑے جوش میں ہے، یہاں مختلف چیزیں خریدتی رہی اور کہتی رہی کہ یہاں تو قیمتوں کو آگ لگی ہوئی ہے۔ میں نے ماں سے کہا، جن چیزوں مثلاً کمبلوں اور کڑھیائی والے تکیوں کی قیمتوں کے بارے میں تم گلہ کر رہی ہو، ان کی تو مجھے اس شہر شنگھائی میں ضرورت ہی نہیں، کشیدے والے کپڑے میں یہاں کہاں پہنوں گی۔ مجھے جہیز کی چیزوں کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں، صرف یہ کہ جیولری میں مجھے کم از کم سونے کی انگوٹھی ملنی چاہیے، میں اتنی تو حقدار ہوں، تم دیکھنا اگر انہوں نے مجھے صرف سونے کے پانی چڑھی انگوٹھی دی تو میں اسے کیسے زمیں پر نہیں پھینکتی۔ تم دیکھنا میں یہ بھی کر دکھاؤں گی۔''

''دیکھو، اگر تم یہ رویہ نہ اپناؤ تو زیادہ اچھی رہوگی۔'' اہ نی نے کہا۔

''یہ کوئی پرانے دن تو ہیں نہیں، جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ ان دنوں تم انہیں سونا لانے پر مجبور کرو گی تو وہ کہاں سے سونا لائیں گے؟''

ننگ مئی نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اب تو یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ان کے گھر کے فرش کچے تھے، انہوں نے شادی والے کمرے میں لکڑی کے پھٹے ڈال دیئے ہیں اور میری جان نکلی جا رہی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ میرا منگیتر جواباز ہے۔ باقی تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟''

اہ نی نے کپڑے نچوڑے اور سامنے والے برآمدے میں لے گئی۔ شن فا سکول سے واپس آ گیا تھا مگر اس نے گھنٹی نہیں بجائی اور پچھلے دروازے پر زور زور سے دستک دیتا رہا اور چیخ چیخ کر ماں کو بلاتا رہا۔ اب سورج نکل آیا تھا۔ دوپہر کی دھوپ میں شہر پیلا پیلا لگتا اور دسویں منزل سے بہت دور دور لگتا۔ بچے کی کمزور چیخوں اور دستک کے باعث فضا اور بھی اجاڑ لگنے لگی تھی۔ اہ نی کپڑے تاروں پر پھیلاتی رہی اور جب وہ کچن میں واپس آئی تب اس نے شن فا کے نعرے اور دستک سنی:

''کیوں چیخ رہے ہو؟'' اس نے کہا۔ ''جیسے انتظار ہی نہیں کر سکتے؟''

اہ نی نے ننگ مئی کو لنچ تک ٹھہرنے کی دعوت دی اور پھر دو اور مہمان آ گئے۔ ان میں ایک بوڑھی عورت تھی، یہ بھی سوچاؤ کی ہی رہنے والی تھی وہ اکثر یہاں دسویں منزل پر آ کر اہ نی سے گپ شپ بڑے شوق سے کرتی اور اپنا چاولوں کا کھانا ہمیشہ اپنے ساتھ لاتی۔ دوسری بھی ایک عورت ہی تھی، جسے کام کے عوض کھانا ملتا تھا۔ وہ چھوٹا موٹا کام کرتی تھی، اہ نی نے بھی اسے پچلی

منزل پر کپڑے دھونے کا کام دلوایا تھا-

''یہ تمہارا ہے؟'' جب اس نے شن فا کو دیکھا تو اہ نی سے پوچھ لیا-

''خالہ کہو'' اہ نی نے شان فا کو سختی سے کہا پھر اس نے سہلیوں کی طرف منہ کیا اور شرماتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا:

''گشتی عورت جیسا نظر نہیں آتا؟''

بڑھیا نے ننگ مئی سے اس کے جہیز کے بارے میں پوچھا- ننگ نی مسکرائی مگر بات زیادہ نہیں کی- چہرہ دلہن کی طرح گلابی ہو گیا- اہ نی نے کچھ فرانی کرتے ہوئے ننگ مئی کی طرف سے جواب دیا-

بوڑھی عورت نے دروازے میں بیٹھے بیٹھے اپنے پیالے میں سے چاول کھانے شروع کیئے اور گہرا سانس لے کر کہنے لگی:

''بدیسیوں کے ہاں کام کرنا اچھا ہوتا ہے، کوئی پریشانی نہیں ہوتی-''

''نہ نہ'' اہ نی چیخ پڑی- ایسے وقتوں میں تو کسی چینی کی ملازمت کر لو- خواہ مخواہ اس سے بھی کم ملے- اس لیئے کہ ہم اسی کے پاس کھانا بھی کھاتے ہیں اور رہتے بھی وہیں ہیں- مجھے دیکھو مجھے اتنی تنخواہ نہیں ملتی کہ میں بہتر کھانا کھا سکوں- ہاں مالک مالک میں بھی فرق ہوتا ہے، جیسے یہ ہمارے ہمسائے ہیں، ایک دم بہت سے آلو فرائی کر لیتے ہیں اور پھر سب بیٹھ کر جی بھر کر کھاتے ہیں-

''ہاں..... یہ ہمسائے تو آج سؤر کا اسٹو کھائیں گے-' شن فا بول پڑا-

اہ نی نے اپنی چاپ سٹک کی دستی اس کے سر میں زور سے ماری-

'آوہ بہت اچھا کھانا کھاتے ہیں- تم بھی وہیں جاؤ اور کھاؤ- جاتے کیوں نہیں وہاں؟ ہیں؟ کیوں نہیں جاتے؟''

سب عورتوں نے بچے کو اونچی آواز میں پچکارنا شروع کر دیا اور شن فا نے بھی اپنے آنسو پی لیئے-

''ایسی چیزیں میرے گھر پر بھی ہیں- اس سے بڑی ہیں مگر ایسی چالاک نہیں-'' بڑی باجی نے کہا- وہ اس پر جھک گئی اور بڑے پیار سے کہنے لگی:

''اوارہ گرد'' پھر بڑی ادا سے غرائی:

''تم چاول کیوں نہیں کھاتے، تم نے دوسری چیزیں تو خاصی کھائیں مگر چاولوں کا پیالہ تو ابھی بھرا پڑا ہے-'' اہ نی اب اس کی وکالت کرنے لگی-

''اسے کھانے دو، اچھی طرح پیٹ نہیں بھرے گا تو ایک ہی منٹ میں بسکٹ اور چائے

MashalBooks.org

ماں گنے لگے گا-'' پھر شن فا سے کہنے لگی:

''جو کچھ کھانا ہے ابھی کھالو، پھر کچھ نہیں ملے گی، لاکھ روؤ چلاؤ تب بھی کچھ نہیں-''

''یہ لنچ کے بعد سکول نہیں جاتا؟'' بوڑھی عورت نے پوچھا-

''آج ہفتہ ہے-'' آہ نی نے کہا-

''کون سی جماعت میں ہے؟'' کام کرنے والی نے پوچھا-

''ابھی تیسری میں سے پچھلے سال رہ گیا تھا، تمہیں شرم نہیں آتی-'' یہ اہ نی کا بیٹا نہیں تھا، جس طرح اس کا خاوند درحقیت اس کا اصل خاوند نہیں تھا- اہ نی اسے ایک یتیم خانے سے لائی تھی، جب اہ نی نے اسے دیکھا تھا تو اسے لگا کہ یہ کسی بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا ہے- یہ خیال آتے ہی اہ نی کے اندر گہری اداسی بھر گئی-

''حیرت دسویں منزل پر بھی مکھیاں موجود ہیں-'' بوڑھی عورت نے کہا-

''ماما استاد نے کہا تھا مکھیاں زہریلی ہوتی ہیں-'' اہ نی کے اندر اچانک غصے کی ایک لہر اٹھی:

''حیرت ہے تم اب بھی کس دیدہ دلیری سے استاد استاد پکار رہے ہو- رہ گئے ہو پھر بھی کتنے خوش ہو، تو تم خوش ہو؟ ہیں تم خوش ہونا؟'' اہ نی نے اس کے کندھے اور پشت پر دو ہتر مارے اور اس نے رونا شروع کر دیا-

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے-'' بوڑھی عورت نے اہ نی کا بازو تھام لیا-

''ایک وقت کے کھانے میں تم اسے دو مرتبہ مار چکی ہو-''

اہ نی نے اپنی انگلیوں پر اس کا ناک صاف کرایا-''ٹھیک ہے اب مت روؤ-'' اس نے اسے تھپکا-

''جلدی کرو اور پڑھو-''

پھر شن فا بسکٹوں والے ڈبے پر بیٹھ کر دائیں بائیں جھومتے ہوئے سبق یاد کرنے لگا اور بیچ بیچ میں سسکیاں بھی بھر لیتا- اچانک وہ زور سے چیخا،''ماما، بابا آ گیا-''

جب بھی بابا آتا اہ نی بہت خوش ہوتی اور شن فا بھی فائدہ اٹھاتا- مہماں عورتوں کو خبر تھی کہ اہ نی کا خاوند درزی ہے اور ورکشاپ میں ہی رہتا ہے، اس لیئے انہیں ملنے کے کم مواقع ملتے ہیں- انہوں نے پاپا سے سلام دعا لی، حال احوال پوچھا اور پھر رخصت لے کر چلی گئیں- اہ نی انہیں پچھلے دروازے پر چھوڑنے گئی اور کہنے لگی:

''پھر آنا اور ہم کھیلیں گی بھی-''

شن فا نے اس کی تقلید میں کہا:''خالہ پھر آنا کھیلیں گے-''

اہ نی کے خاوند نے اونچے کالر کا ریشم کا پرانا گاؤن پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں ایک بڑی سفید

گٹھڑی تھی، اس کے پیشے کی نشانی- اہ نی کرسی لے آئی، وہ اس پر جم کر بیٹھ گیا اور اس وقت بھی نہ ہلا جب دھوپ سیدھی اس کے اوپر پڑ رہی تھی- اس دسویں منزل پر سورج پوری گرمی کے ساتھ سب پر پڑ رہا تھا- اہ نی نے گلاس میں چائے بنا کر اپنے خاوند کو دی- اہ نی نے کبھی چائے نہیں چرائی تھی مگر جب کبھی اس کا خاوند آ جاتا تو وہ یہ کام بھی کر لیتی- اس نے گلاس کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر چسکی چسکی چائے پینی شروع کی اور اہ نی نے اسے ننگ مئی کی شادی کی باتیں سنانی شروع کیں کہ کس طرح وہ کہتی ہے کہ اگر سونے کی انگوٹھی نہ ملی تو وہ شادی سے انکار کر دے گی-''

''ام-'' کچھ ناراض سا بڑبڑایا- پھر کالی آنکھوں والا چائے پر نظر ٹکا کر مسکرایا- چالاک اور گھاگ آدمی کی طرح-

اہ نی نے اسے اپنی والدہ کی طرف سے آیا خط دکھایا- اس نے اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دیا اور پرانے زماے کی پیشہ ورانہ مکتوب نگاری کے نکتے بیان کرنے لگا- خط میں اہ نی کی ماں نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا- اہ نی ماں کو جو خط لکھتی تھی، ان میں شن فا کا اکثر ذکر کرتی مگر ماں کے خط میں شن فا کا بھی کوئی ذکر نہ تھا- خط پڑھنے کے بعد دونوں خاوند اور بیٹا کچھ کچھ اکیلے اکیلے محسوس کرنے لگے-

اب میں نے فر کا کام بھی شروع کر دیا ہے- مرد نے خط کے خاتمے پر اپنی مدافعت کرتے ہوئے کہنا شروع کیا- ''ایسے وقتوں میں آدمی کو زیادہ بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے-'' اس نے گٹھڑی کھولی اور فر کا ٹکڑا بھی دکھایا اور سیل مچلی کی کھال سے بنا کوٹ بھی- اس نے شن فا کو سیل کی زندگی اور عادات کے بارے میں باتیں بتائیں- ''اسی لئے یہ سیل جو ہے نا یہ بڑی عجیب و غریب شے ہے- اس نے کہا-

شنِ فا باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا- ماں سے لگا سرگوشیاں کر رہا تھا، پھر اس کا ہاتھ اس کے بلاؤز میں چلا گیا اور وہ جیب ڈھونڈنے لگا- لیکن وہ بڑے غور سے سیل کے بارے میں باتیں سنتی رہی- البتہ اس کی سرگوشیوں کے جواب میں ہاں ہوں کرتی رہی-

یہی وجہ ہے کہ سمندری چیزیں ایسی عجیب و غریب ہوتی ہیں- مرد نے اپنی بات ختم کر دی-

اہ نی کوئی اچھا تبصرہ نہ کر سکی سوچنے لگی اور پھر کہنے لگی: ''آج کل ہشت پالوں کا موسم ہے، مارکیٹ میں بڑے آئے ہوئے ہیں-'' مرد کہنے لگا:

''یہ ہشت پالے ہی سمندر کی عجیب شے ہیں- تم نے کینٹین کے ریستورانوں کے باہر تالابوں میں بڑے جانور دیکھا ہے- ساری ٹانگیں بڑی لکڑی کی طرح-

''خوفناک-'' اہ نی نے منہ بنا کر کہا-

کپڑوں کو استری کرنے کے بعد اس نے پین کیک بنانا شروع کیا- اس میدے اور چینی

سے جو اسے اپ نے اورشن فا کے راشن کارڈ پر ملی تھی- مرد اس کے پیچھے پیچھے آس پاس رہا، وہ کچھ کہنا چاہتا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا- باپ اور بیٹے نے پہلے پین کیک کھائے اور اہ نی نے اور کیک بنانے شروع کیئے- سورج اب کچن کے اندر چمک رہا تھا- ایک چھینگر باہر بانس کی چک کے پیچھے مسلسل ڈواہ ڈواہ کرتا جا رہا تھا، اسے خبر نہ تھی کہ بہار کا موسم تو چلا گیا

اب صاحب واپس آ گیا تھا، اس نے اندر آ کر نرمی سے کہا: ''ہیلو بوا-''

اس کا خاوند پہلے ہی باہر برآمدے میں آ گیا تھا، حسب معمول اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور برآمدے میں یہ منظر دیکھ رہا تھا- سچت نے مکر کیا جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہیں- وہ بوا کے بارے میں باخبر تھا- اہ نی نے اسے آسٹریلیا کا ایک کرنسی نوٹ دکھایا اور اس کی قیمت اپنی کرنسی میں پوچھی- ایک بعد اس نے اس سے کہا کہ وہ ایک خط اسٹریلیا بھیجے- اس نے اسے بتایا تھا کہ اس نے فوٹو گرافر سے اپنی اورشن فا کی تصویر بنوائی تھی اور اسے آسٹریلیا اپنے خاوند کے پاس بھیج رہی تھی- اس کا خاوند وہاں کام کرتا تھا- لگتا تھا کہ پہلی مرتبہ اس کے خاوند نے اسے پیسے بھیجے تھے اور اب یہ درزی آ گیا تھا- یہ بھی اس کا خاوند ہے- صاحب نے جو کچھ سن رکھا تھا بہرحال اس حوالے سے یہ کوئی عجوبہ بات نہیں تھی- وہ اسے بلانے کے لیے گھنٹی بجاتا رہا، وہ ریفریجریٹر میں سے برف نکال رہی تھی، جب اس کا کاوند آ کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا-

''میں آج رات آؤں گا-'' اس نے سرگوشی کی-

''اس بے پناہ گرمی میں-'' اس نے چڑ کر کہا- جس چھوٹے سے کمرے میں وہ شن فا کے ساتھ رہتی تھی وہ تندور کی طرح تپتا تھا- اس نے منہ ریفریجریٹر کی طرف ہی رکھا اور دھڑکتے دل کے ساتھ پیچھے مڑے بغیر کہنے لگی، شن فا ساتھ ہمسائے میں سو جائے ان کی ملازمہ اور اس کے بچے سب یہیں رہتے ہیں-

''ہوں-'' اس نے کہا-

اس نے برف نکالی اور جب باہر آئی تو وہ جا چکا تھا- اس نے نکلے میں سے کئی بالٹیاں بھر کے صاحب کے نہانے کے لیے ٹب میں ڈالیں، پھر دروازے کی گھنٹی بجی-

''ولائتی صاحب گھر پر ہے-'' اس کے ساتھ ہی ایک نئی عورت ٹائٹ گاؤن پہنے اندر داخل ہوئی- اہ نی نے اندازہ لگایا کہ ناچنے والی ہے-

مس لی نے پھر ٹیلی فون کیا-

اہ نے چینی میں کہا: ''وہ گھر پر نہیں ہے-''

اب کے مس لی ناراض لگتی تھی- ''تم نے اسے بتایا تھا کہ میں نے صبح اسے ٹیلی فون کیا تھا؟''

مس لی ایک لمحے کے لیئے خاموش ہوئی تو اہ نی نے کہا:

MashalBooks.org

''نہیں۔''

مس لی اسے جو ٹپ دیا کرتی تھی اس کی مشکوری کے باعث اہ نی نے وضاحت کی:

''وہ دیر سے اٹھا تھا۔ جلدی جانا پڑا اور پھر وہ دفتر میں غالباً بڑا مصروف تھا۔'' وہ اس کی بات پر یقین کرے گی یا نہیں کرے گی مگر اس طرح اہ نی کی خفت کم ہو جائے گی۔

''ہوں۔'' مس لی نے جواب میں کہا۔ لیکن لگتا تھا کہ رو رہی ہے۔

''جب وہ گھر آتا ہے تو میں بتا دوں گی۔''

مس لی کی آواز دور سے آئی: ''کوئی بات نہیں۔'' اور پھر بات بدل کر کہنے لگی: ''میں پھر کسی دن فون کروں گی۔'' تاہم وہ ابھی بات کرنا چاہتی تھی، اس نے اہ نی کو بتایا کہ صاحب کے بستر کی چادر کچھ پھٹی ہوئی ہے، وہ صاحب کے لیئے نئی چادر بنوانا چاہتی ہے۔

''بہت عرصہ پہلے اس نے بتایا تھا کہ وئی نئی چادر لے آئے گی۔'' اہ نی نے اعتماد کے ساتھ اپنے مالک کا دفاع کرتے ہوئے کہا:

''یہ چادر تو اصل میں اس کمرے میں پہلے ہی موجود تھی۔ وہ بڑی چادر خریدنا چاہتا تھا، مگر اس بڑے بستر پر پوری ہی کوئی نہیں آئی۔ میں نے اسے کچھ ٹانکے لگا دیئے ہیں، اب نہ ان ٹانکوں کا پتہ چلتا ہے نہ چادر کے پھٹے ہوں ے لگا۔

سچت نے کان ادھر لگا دیئے کہ یہ کس سے باتیں کر رہی ہے۔ پھر اہ نی نے جلدی سے کہا۔ میں نے ابھی ویئر کا کھڑکا سنا ہے، پتہ نہیں وہی نہ ہو۔'' پھر اس نے ہاتھ ماؤتھ پیس پر رکھ کر سچت کو بتایا کہ کون بات کر رہا ہے۔ سچت نے اسے دوسرے کمرے کو جانے کا اشارہ دیا کہ وہاں جا کر کاک تیل گلاس لائے۔ پھر وہ باہر آیا، ریسور اٹھایا، ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر دیوار کی طرف جھک گیا۔

''ہیلو۔'' اس نے متذبذب انداز میں کہا۔ ''ہاں میں ان دنوں بہت مصروف رہا ہوں۔ پاگل مت بنو..... کوئی ایسی بات نہیں۔'' کچھ سکون کے ساتھ مسکراتے ہوئے دہرانے لگا۔ پاگل مت بنو..... تم کیسی ہو، سر درد کا کیا حال ہے؟'' وہ منمنایا تا کہ کمرے میں موجود لڑکی بات نہ سن لے۔ ''کمرے میں سو رہی ہو؟'' پھر اس نے اسے چھیڑنے کے لیے ماؤتھ پیس پر سیٹی بجائی۔ دونوں کسی پرانی یاد کے حوالے سے ہنسنے لگے۔ تو پھر کب ملاقات ہوتی ہے، جیسے ہی اس نے ملنے کی بات کی، اس کی آواز میں سختی آ گئی۔ انداز پیشہ ورانہ سا ہو گیا۔ ''جمعے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''پہلے یہاں آ جاؤ پھر فیصلہ کرتے ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے۔'' اگر وہ پہلے یہاں آ گئی تو وہ یہ فیصلہ کریں گے کہ باہر نہ جایا جائے۔ پھر اس نے ٹیلی فون کی تار کے خم کھولتے ہوئے ٹیلی فون نمبر دیکھنے شروع کیئے جو بوالکھ رکھتی تھی اور نو کا ہندسہ ہمشہ الٹا ڈالتی تھی۔ یہ کون ہو سکتا تھا، یہ نہیں ہو

سکتا-''نہیں میں آج باہر جا رہا ہوں-''اس نے سپاٹ انداز میں کہا-''میں تو صرف کپڑے بدلنے کے لیے آیا تھا-'' پھر اس کی آواز میں نرمی آ گئی-''خوف ہمیشہ ایسی بات پر ختم ہوں ا چاہیے جو حتمی نہ ہو، کچھ کسک سی رہ جائے، تو پھر جمعے تک-''اس نے ذرا گہری سانس لے کر کہا-

''اپنا خیال رکھنا، بائی بائی سویٹ-''آخری لفظ ایسے ہوتا جیسے ہلکا سا بوسہ لیا ہو-

اہ نی برآمدے میں بڑے ٹیبل پر سے گلاس لینے گئی-ایک عورت لوہے کی ریلنگ سے لگی باہر کی طرف دیکھ رہی تھی، بہت جوان تھی-شام کے وقت شہر میں سفید دھند پڑنی شروع ہوگئی-رکشا کہیں بہت دور سے آیا، سرخ سے رنگ کا سایہ بہت آہستہ آہستہ گزر گیا-اب کاروں کی ہیڈ لائٹس بھی مدہم مدہم لگنے لگیں اور بائیسکلوں کی آوازوں کو پہچاننا بھی مشکل ہوا-

اہ نی کھانا کھانے چلی-فرائنگ پان سے تڑاتڑ کی آوازیں آنے لگیں، تب وہ تیزی سے ادھر کو بھاگی-چیزوں سے ایسے ٹکرائی جیسے پرندہ کمرے میں قید ہو کر ٹکراتا ہے-اس نے پہلے فولڈنگ ڈائننگ ٹیبل سیٹ کیا، پھر گوشت اور سوپ رکھا، پھر میٹھا-میٹھے انڈوں سے کام نہیں چلے گا-اس نے صاحب کے لیئے پین کیک بناتے وقت اس میں کچھ اپنے راشن کا میدہ بھی ڈال دیا تھا-

جب وہ پلیٹیں لینے کے لیئے جانے لگی تو صاحب نے اسے کہا:''کھانے کے بعد ہم باہر جائیں گے.....ہمارے جانے تک انتظار کرنا، پھر بستر بچھا کر چلی جانا-''

اہ نی کو حیرت سی ہوئی-نئی لڑکی میں کوئی نہ کوئی خاص بات تو ہوگی کہ یہ شخص اس کے لیئے پیسے خرچ کرنے پر تیار ہوگیا-

اہ نی نہیں چاہتی تھی کہ شن فا کو ہمسائی آیا کے سپرد کرے اور وہ وہاں بلاوجہ تکلیف کا باعث بنے-اس نے شن فا کا منہ ہاتھ دھونے کے لیے دو کیتلیوں میں پانی گرم کیا-اس نے خود بھی منہ ہاتھ دھویا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی-

''ہیلو-''اس نے کہا-

کوئی جواب نہیں-اس نے اندازہ لگایا کہ کوئی چینی ہے، جسے غلط نمبر مل گیا ہے-پھر اس نے بڑی چیختی آواز ور مشرقی انداز میں ہیلو کہا-

''وئی، ابھی ملازمہ ادھر ہی ہے-''اس کے خاوند نے ڈرتے ڈرتے پوچھا-وہ دیر سے اس کا انتظار کر رہا تھا اور اب آ کر اس نے ایک سٹور سے ٹیلی فون کیا تھا-''اب دس بج رہے ہیں-'' اس نے کہا-

ابھی تک مالک کے کمرے سے کوئی خبر نہیں آئی تھی-شن فا بسکٹ کے کین پر اونگھ رہا تھا-اب بارش شروع ہوگئی تھی اور بانس کی چکیں پھڑ پھڑا رہی تھیں-جیسے یہ بانس ایک بار پھر پتوں سے سج جانے کے خواب دیکھ رہے ہوں-بارش اور تیز ہوا نے اسے بہانہ فراہم کر دیا، اس نے شن فا

کو جگایا اور ہمسائے میں ملازمہ کے سپرد کرنے لے چلی۔

''باہر بارش ہو رہی ہے، میں اسے گھر نہیں لے جاؤں گی، پھسل کر گر نہ جائے، پھر اسے زکام بھی بری جلدی ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ آج رات خالہ کے پاس رہے گا۔''

جب وہ واپس آئی تو مالک کے کمرے میں کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ ناراض سی ہو گئی۔ دروازے پر دستک دی، کوئی جواب نہیں، اس نے ایک درز میں سے دیکھا، اندر مکمل اندھیرا تھا۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کس وقت دونوں باہر چلے گئے۔ اس نے غصہ پی لیا، مالک کا بستر بچھایا اور خریداری کے لیئے تھیلا، چابیاں اور چھتری لے کر جانے کے لیئے تیار ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی اونی جیکٹ بھیگ جائے، اس لیئے اسے خاص انداز میں تہہ کر کے کندھے پر ڈال لیا۔

وہ پچھلی سیڑھیوں سے نیچے اتر گئی، مگر اب بارش بہت تیز ہو گئی تھی۔ آسماں ہی پھٹ پڑا تھا۔ اندھیرا، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک میں ہر شئے دہشت زدہ نظر آ رہی تھی۔ چیزیں اڑ کر اِدھر اُدھر جا رہی تھی۔

اہ نی بلاک آؤٹ والی گلیوں میں صرف دو بلاک آگے گئی ہو گی کہ واپس پلٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر دس منزلیں اوپر چڑھی، تالہ کھالا، تھیلا اپنے ہاتھ کے اردگرد لپیٹ کر سوج کو دبایا۔ اس کے بالوں اور کپڑوں سے میلا پانی گر رہا تھا۔ اس نے موزے اور جوتے اتار دیے۔ موزوں کا سرخ رنگ سفید سلیپر کو بھی رنگ دے گیا۔ اس نے موزے نچوڑے، کھڑکی کی ناب پر لٹکا دیا۔ اس نے فرش پر ننگے پاؤں رکھے تو ایسا لگا جیسے اس کے دل پر کسی نے یخ بستہ ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اردگرد کوئی بھی نہیں تھا اس لیئے اگر وہ رونا چاہتی تو رو سکتی تھی۔ مگر اب اسے اپنے آپ سے ڈر آنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ وہ شن فا کو فوراً لے آئے۔ وہ ہمسائے کے دروازے پر گئی، خوش قسمتی سے ابھی انہوں نے پچھلے دروازے کو تالا نہیں لگایا تھا، کچن میں بھی روشنی تھی۔ اس نے کھڑکی پر دستک دیتے ہوئے اونچی آواز میں کہا:

''باجی دروازہ کھولو۔''

''اری.....تم ابھی تک گھر نہیں گئی؟'' ہمسائی ملازمہ نے پوچھا۔

''اس بارش میں نہیں جا سکتی۔'' اہ نی نے کچھ ہنستے ہوئے کہا۔ بد بخت گلیوں میں کہیں روشنی ہی نہیں اور ان میں گڑھے اور ہولز، پانی سے بھرے ہوئے۔ میں نے سوچا رات یہیں رہ جانا چاہیئے۔ میرا آوارہ گرد سو گیا ہے؟ میرے ساتھ ہی سوئے تو اچھا۔''

''بستر ہے؟''

''ہاں ہے۔''

اس نے اپنا دوہرا کمبل ڈائننگ ٹیبل پر بچھا دیا، بتی بجھا دی اور شن فا کے ساتھ لیٹ گئی۔ کچن

کی گرم فضا میں سے دو مکھیاں آئیں اور بستر پر بھنبھنانے لگیں- پھر ایک سبزی روشنی ہوئی اور سنک پر ایک مکڑی آ بیٹھی- بارش نے اور بھی شدت پکڑی، گویا زمیں پر بارش کا جنگل اگ آیا ہو- پھر اسے محسوس ہوا کہ ہی پورے زمیں میں سے پھوٹ رہے ہیں اور یہ سب آوازیں اس کے کانوں میں آ رہی ہیں اور پھر بارش کے جنگل میں اسے نیند آ گئی-

شچت آدھی رات کو اس عورت کے ساتھ پلٹا- وہ برف لینے کچن میں آیا- روشنی سیدھی ڈائننگ ٹیبل کے اوپر پڑی، شن فا سوتے میں بڑبڑایا- اہ نی جھوٹ موٹ سوئی رہی، اس نے صرف بنیان اور انڈر پینٹ پہن رکھے تھے اور ایک پتلی سی بانہہ اور کمزور سی ٹانگ شن فا کے اوپر میں ڈک کی طرح رکھی تھی- شچت نے اس پر نگاہ ڈالی- دن کے وقت یہ عورت پورے لباس کے ساتھ بہت ہی سمارٹ نظر آتی تھی- اس نے تھوڑا سا سکون محسوس کیا کہ اس نے کبھی اس عورت پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہا تھا- اچھے نوکر بڑی مشکل سے ملتے ہیں-

MashalBooks.org

# موم بتی

لِن ہائے ژن (ب1919ء)

''بے.....ہوش، وہیں بے ہوش ہوں ے لگی- بڑی اماں کراہیں- وہ اب پہلے لفظ کو کھینچ کر اور آخری لفظوں کو آہستہ سے ادا کرتی تھیں- باہر سے قدموں کی چاپ آئی- بڑی اماں بستر میں لیٹی لیٹی بھی بتا سکتی تھیں کہ یہ کس کے قدم ہیں- چھوٹے لڑکے نے دہلیز پر سے کمرے کے اندر جھانکا-

''بے.....ہوش.....میں بے ہوش ہوں ے لگی-''

''دادی اماں، موم بتی چاہیئے؟'' بچہ جھجکتا ہوا کمرے کے اندر آ گیا-

یہ بڑی اماں کا پوتا نہیں ہسن تھا- وہ تانبے کے شمع دان میں موم بتی ٹکا کر لے آیا اور پھر باہر چلا گیا- بڑی اماں نے بستر کے ایک سرے پر موم بتی رکھی اور کانپتے ہاتھوں سے اسے جلا لیا- مدھم روشنی میں دیکھا جا سکتا تھا کہ مچھر دانی بڑی پرانی اور داغدار ہے- بستر کی چادریں ایک عرصے سے دھوئی نہیں گئیں- ان پر گریس اور موم کے داغ ہیں ہیں، کھانے کے زیرے اور دوسری چیزیں بھی پڑی ہیں- اس کے ساتھ ہی بڑی اماں کی سوکھی سڑی اور لکڑی کی طرح سخت ٹانگیں اور کانچھی مکھی مار بھی دیکھا جا سکتا ہے- ایک اجنبی اس کا زرد اور جھریوں سے بھرا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک جائے گا- لیکن اس کے خوبصورت نقش سے یہ اندازہ بھی کرے گا کہ جوانی میں اس کا چہرہ کیا خوبصورت ہوگا- بڑی اماں گزشتہ تیس برس سے صاحب فراموش تھیں-

اب کے دوسرے قدموں کی چاپ سنائی دی مگر اب کے بڑی اماں کراہی نہیں- انہیں خبر تھی کہ ان کی بہو مئی سنگ آ رہی ہے- وہ کراہتی بھی صرف اپنے بیٹے چیدہ کانگ یا پوتے ہسن کو متوجہ

کرنے کے لیئے -اب ایسے شخص کے لیئے کیا کراہنا جس کا ان سے کوئی خونی رشتہ ہی نہیں-

مئی سنگ ٹرے لیئے کمرے میں داخل ہوئی اور بستر کے ساتھ لگی چھوٹی میز پر پلیٹیں اور چاولوں کا پیالہ رکھ دیا-

''بڑی اماں، کھانے کا وقت ہے-''

بڑی بی کا منہ دیوار کی طرف مچھر دانی کے ساتھ لگا تھا، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا- صبح ان کی طبعیت خراب تھی اور اب بھوک نہیں تھی- مگر اب انہیں اس نوجوان عورت کو یہ بات بتانی بھی گوارا نہیں تھی- پھر صحن میں سے قدموں کی چاپ سنائی دی-

''بے.....ہوش.....میں بے ہوش ہوں ے لگی-''

''بڑی اماں..... یہ آپ کا بیٹا نہیں ہے-'' مئی سنگ طنزاً مسکرائی- ''کیوں اپنا ضائع کر رہی ہو-''

بڑی بی رُک گئی اور حیران تھیں کہ کس کے قدموں کی آواز تھی- انہوں نے اپنے بیٹے کے قدموں کو پہچاننے کی کبھی غلطی نہیں کی تھی- یقیناً اب ساعت میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی ہے-

''عجب بات ہے جب آپ کا بیٹا گھر سے باہر ہوتا ہے، آپ ٹھیک ٹھاک ہوتی ہیں مگر جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوتا ہے آپ ایک دم بے ہوش ہوں ے لگتی ہیں-'' مئی سنگ نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا-

بڑی اماں نے جواب نہیں دیا اور بات ان سنی کر دیا- وہ اپاہج ضرور تھیں مگر بہری نہیں تھیں- کم از کم اتنی بہری نہیں تھیں کہ کوئی ان کا تمسخر اڑائے اور انہیں خبر ہی نہ ہو- یہ بات ہی سچ ہے کہ مئی سنگ بڑی اماں کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی- جو کچھ اس نے کہا دراصل وہ مذاق میں کہا- تاہم یہ بات بھی سب کو معلوم تھی کہ بڑی اماں کی بیماری، بیماری کی بجائے ایک طرح طرز حیات بن گئی تھی- یہ کنبہ بڑی اماں کے مسلسل کراہتے رہنے کا عادی ہو چکا تھا- ان کا بیٹا چیہ کانگ بھی ماں کے کراہنے پر اتنی بھی توجہ نہ دیتا جتنی پچھلے صحن میں مرغوں کے کڑکڑانے یا بیٹے کے سیٹی بجانے پر دیتا تھا اور اصل بات یہ ہے کہ بڑی اماں نے آنے والے قدموں کے بارے میں غلط اندازہ نہیں لگایا تھا- آیا ان کا بیٹا ہی تھا مگر سیدھا ان کے پاس آنے کی بجائے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا-

مئی سنگ نے برتن میز پر ہی پڑے رہنے دیئے اور چلی گئی- کمرے میں ملگجی اندھیرا تھا مگر موم بتی کے باعث بڑی اماں کے بستر پر روشنی تھی- اب بوڑھی خاتون کو بے ہوں ے کا احساس نہیں تھا اور پھر اس کراہنے کا فائدہ ہی کیا جو ان کے عزیزوں کو سنائی ہی نہ دے؟ خاوند مر چکا تھا اور اس کی داشتہ بنت خزاں بھی، بڑی اماں کا بنت خزاں گول چہرہ، موم بتی کے ننھے سے شعلے میں

MashalBooks.org

نظر آنے لگا- اس لڑکی کی ٹھوری بڑی نازک اور خوبصورت، بال ریشمی کالے اور کانوں میں سونے کی بالیاں- یہ بڑی بی کے خاوند کی دانشتہ تھی، نام تھا بنت خزاں کہ گوشر میلی، بولتے وقت ہوں ٹ دائرے بناتے- ہر کوئی کہتا کہ بڑی نازک اور صابر نوکر ہے- شام کے اندھیرے میں لیٹے لیٹے بوڑھی خاتون کو یاد آیا وہ اس عورت سے کس قدر شدید نفرت کرتی تھی- ایسی کم گوشر میلی لڑکی نے کیسے ان کے خاوند کا دل جیت لیا اور اسے بڑی بی سے دور کر دیا-

بنت خزاں ہنکس خاندان کا قبرستان، چوکیدار کی بیٹی تھی جس نے اس خاندان کے قبرستان میں دفن ہوں ے کا حق بھی حاصل کر لیا تھا- خاندان کئی نسلوں سے ہنکس خاندان کی خدمت کرتا چلا آیا تھا- بنت خزاں، بڑی بی سے پہلے مر گئی، اس لیئے قبرستان میں اسے بڑی اماں کے مقابلے میں اولیت مل گئی-

بنت خزاں بڑی تیز اور چالاک ثابت ہوئی، وہ نگیس خاندان کی رکن بن کر ان کے قبرستان میں دفن ہوں ے کا اعزاز لینے پر مرتی تھی- بڑی اماں نے سوچا- بڑی اماں نے پانچ بچوں کو جنم دیا- ہر بچے کی پیدائش کے موقع پر اس لڑکی کو نومولود کی دیکھ بھال کے لیئے بلایا گیا- بچے بھی اس لڑکی سے بہت پیار کرتے تھے اور جب وہ فارغ ہو کر واپس اپنے گھر جانے لگتی تو اداس ہو جاتے- تاہم اس عرصہ میں کوئی خاص خرابی نہیں ہوئی، جب بڑی اماں نے پانچویں بچے کو جنم دیا تو بنت خزاں کو معمول کے مطابق بلایا گیا- بڑی بی، یہاں اس کمرے سے سنڈی میں منتقل ہو گئی- انہی دنوں جب وہ بچے کی پیدائش کے سلسلے میں صاحب فراش تھی اس کے خاوند چی فُو اور اس لڑکی میں چکر چل گیا اور وہ اس خاندان کی فرد بن گئی-

تب بڑی اماں کو اپنے خاوند کی بے وفائی کا پتہ چلا- اس وقت اس لڑکی نے بڑی اماں کے پاؤں پکڑ لیئے، رو رو کر معافیاں ماں گیں، خود کو ہر سزا کے لیئے پیش کیا، وہ رحم کی بھیک ماں گتی رہی اور کہتی رہی کہ اگر اسے گھر میں رہنے دیں اور بڑی اماں اور اس کے خاوند کی خدمت کا موقع دیا جائے تو وہ اپنی جان بھی ان پر نچھاور کر دے گی- لڑکی نے کہا کہ وہ بڑی اماں کی انتہائی تابعدار اور وفادار ملازمہ کی طرح زندگی گزارے گی- یہ درست ہے کہ اس نے جو حرکت کی تھی اس کی سزا یہی تھی کہ اسے واپس بھیج دیا جائے مگر اب ان بچوں سے کیسے زبردستی الگ ہو جائے جنہیں اس نے پالا پوسا تھا اور جن سے اس نے محبت کی تھی-

آخر کار اس لڑکی کو گھر میں رہنے کی اجازت مل گئی اور وہ مرتے دم تک اسی گھر میں رہی- ایک خاندانی خاتون کو اتنا ہی بھی فراغ دل ہوں اچاہیے- انہیں شروع سے خبر تھی کہ ایک نہ ایک دن ان کا خاوند ایک داشتہ رکھ لے گا لیکن انہیں یہ توقع تھی کہ داشتہ کا وہ خود کریں گی اور ایسی نوکر پسند کریں گی جو خاوند اور ان دونوں کو پسند ہو اور ان دونوں کو خوش بھی رکھے- خاتون جب اپنے

خاوند کے لیئے داشتہ منتخب کرتی ہے تو یہ کام بھی بڑے وقار کے ساتھ کیا جاتا ہے- لیکن اب بڑی بی یہ کبھی نہیں بھول سکتی تھیں کہ داشتہ کا انتخاب انہوں نے نہیں ان کے خاوند نے کیا ہے-

یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ شائد کوئی خاتون خانہ کسی داشتہ پر اس قدر مہربان رہی ہو- اس سادہ سی لڑکی نے بھی بڑی اماں کے سامنے عاجزی کی انتہا کر دی ور بڑے صبر اور جانفشانی سے بڑی اماں اور ان کے بچوں کی خدمت کی- بنت خزاں مالک کو خاندان کے دوسرے ملازموں کی طرح لاؤڑیہ کہہ کر (آقا) بلاتی تھی- تاہم رات کے وقت اس کے کمرے سے ہنسی کی چھن چھن سنائی دیتی تھی- یہ کیسی زبردست ہنسی تھی؟

بستر میں لیٹے لیٹے بڑی اماں نے اپنا ہاتھ نیم پگھلی ہوئی موم بتی کی طرف بڑھایا اور اس میں سے پگھلا ہوا موم چٹکی میں لے لیا- کچھ گرم موم ان کے ہاتھ پر گرا مگر انہیں خبر نہیں ہوئی- اس قسم کے جلنے کی وہ عادی ہو چکی تھیں- انہوں نے ہاتھ والا موم پھرا کٹھا کیا اور پھر موم بتی میں ڈال دیا-

اب موم بتی کی روشنی میں ان کا خاوند چی فُو ظاہر ہوا- سب سے چھوٹا لڑکا چیہ کا نگ ہو بہو اپنے باپ پر تھا- قد باپ سے لمبا تھا، جب سے ان کے خاوند نے بنت خزاں کو رکھ لای تھا وہ کبھی ان کے کمرے میں نہیں گئی تھیں کیوں کہ ایسا کرنا ان کے وقار کے منافی تھا- وہ ایک باوقار خاتون کی طرح صاحب افتخار نہیں- جی فون دن میں کم از کم ایک بار اپنی بیوی کے پاس ضرور جاتا تھا- تاہم وہ کبھی داشتہ بنت خاں کے ساتھ ان کے سامنے نہیں آیا-

خانوں خانہ کے کمرے ہال کے ایک طرف تھے، جبکہ دفتر خزاں کا دوسری طرف- کمروں پر قبضہ تھا، ہال میں مہاگنی کی میز، بڑی بڑی آرام کرسیاں، سُر میں وقت بتانے والا کلاک اور نیلے اور سفید رنگ کے گلدان رکھے تھے- بنت خزاں ہر رات بچوں کو بستر میں لٹا کر سناتی، یہ لوریاں اُس نے اپنے گاؤں میں سیکھی تھیں، بچوں کو سلانے کے بعد وہ مالک کے لیئے سارے کام کرتی- سردیوں میں پاؤں میں رکھنے کے لیئے گرم پانی بھرتی اور ان بوتلوں کو رضائی کے اندر لپیٹ دیتی- گرمیوں میں مچھروں کو اڑاتی اور مچھر دانیاں وغیرہ لگاتی- آخر میں گیس کے سامنے بیٹھ کر بڑی اماں کے نئے جوتوں کی اڑی کے ساتھ کپڑے کی اڑی سینے لگتی- اس نے یہ سارے کام دوسری ملازمہ سے خود لے لیئے تھے- معمول کی مسکراہٹ، مڑے ہوئے ہوں ٹ اور اس کا سارا انداز بتاتا تھا کہ وہ یہ کام کر کے اطمیں ان حاصل کرتی ہے- کوئی بھی ملازم اس قدر فرماں بردار اور ہمہ وقت کام کے لیئے تیار نہیں ہوتا- وہ مالکن کے کمرے میں مسلسل سلائی کا کام کرتی رہتی- درمیان میں نہ وہ تھکتی نہ اسے جماہی آتی نہ نیند کے آثار نظر آتے تا آنکہ اس کی مالکن کی آنکھ کھل جاتی اور وہ کہتیں: ''تم سونے کیوں نہیں گئی ہو؟''

تب وہ سوئی سلائی کو سنبھال کر رکھتی- لیمپ بستر کے ساتھ والی چھوٹی میز پر رکھتی اور پھر بجھا

دیتی- جب وہ اندھیرے میں غائب ہوجاتی تو مالکن کی نیند بھی غائب ہ وجاتی اور وہ یہ جاننے کی کوشش کرتیں کہ سامنے کے کمرے میں کیا ہورہا ہے- ایک رات انہوں نے بڑا سریلا قہقہ سنا- ایسے لگا جیسے جی نو نے بنت خزاں کو کمر سے دبوچ لیا ہے- پھر بڑی بی کو خیال آیا کہ اس کا خاوند کتنے صبر سے اس لڑکی کا انتظار کرتا رہتا ہے- بڑی بی ان سے نفرت کرتیں، قہقہے سے نفرت کرتیں اور بنت خزاں کے ہمہ صفتی وجود سے خاص طور پر نفرت کرتیں-

یہ قہقہہ بعض اوقات بڑی اماں پر اس قدر گراں گزرتا کہ وہ ساری رات جاگتی رہتیں، پھر یہ لڑکی صبح سویرے بچوں کو کپڑے پہنانے اور ناشتہ کرانے آجاتی، اس کے بعد پھر مالکن کی خدمت میں حاضر ہوجاتی-

Tai-Tai ''آپ ماں دی لگتی ہیں-'' بیگم صاحبہ ''نہ نہ اٹھیں نہیں-''

بڑی بی کا واقعی سر چکرایا اور جب انہوں نے گہری سانس لی تو دیکھا کہ بنت گل لوٹا اور چلمچی لیئے ان کا منہ دھلانے کے لئے کھڑی ہے- مگر وہ اٹھی نہیں- بنت خزاں کمرے میں باقی کام کرتی رہی اور معمول سے بھی زیادہ دیر تک کام کرتی رہی- اس رات اس کی ٹانگوں میں گٹھیا کا درد بھی ہوا- لڑکی نے جہاں جہاں درد تھا وہاں وہاں مالش بھی کی تا آنکہ ان کی آنکھ لگ گئی- بڑی دیر ہو چکی تھی، جب لڑکی کو یقین ہوگیا کہ بڑی بیگم سوگئی ہیں، تو وہ پنجوں کے بل ان کے کمرے سے باہر آ گئی- اب بڑی اماں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور سریلے قہقہے کا انتظار کرنے لگیں مگر یہ آواز نہیں آئی- چی فو اپنے مقررہ وقت پر بستر میں لیٹ گیا ہوگا اور وہاں لیٹے لیٹے اس لڑکی کا انتظار کرتا ہوگا- تب یہ لڑکی کمرے میں جاتے ہی اس کے بازوؤں میں چلی گئی ہوگی-

بڑی اماں بستر سے نکل کر سٹول پر بیٹھ گئیں- آدھی رات شدید سردی، کپڑے بھی انہوں نے صرف نیچے والے بنیان وغیرہ پہنے ہوئے تھے، وہ وہاں سے بے حس وحرکت بیٹھی رہیں، حتیٰ کہ سردی ان کی ہڈیوں میں داخل ہوں ے لگی- وہ کھڑی ہوئیں، بستر تک گئیں، مگر ان کی ٹانگیں ایسی اکڑ گئیں کہ بستر تک پہنچنا محال ہورہا تھا-

وقت گزرتا گیا، ٹانگیں زیادہ خراب ہوتی گئیں مگر اب بھی وہ بستر سے نکل کر کمرے میں گھوم پھر سکتی تھیں مگر پھرتی نہیں تھیں اور انہوں نے یہ کہہ کر ان کی ٹانگوں میں درد ہوتا ہے بستر میں پڑے رہنا مناسب سمجھا-

پھر کچھ یوں ہوا کہ ان کی بیماری بھی مستقل اور پکی نظر آنے لگی- پھر ایک روز بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے اور شائد اسی وجہ سے کہ جن دنوں وہ بستر سے پر بھی نہیں لیٹی رہتیں، بہت کچھ سوچتی رہتیں اور خوراک بھی کم لیا کرتیں- بے ہوشی کے دورے میں یوں ہوا کہ وہ کراہنے لگیں اور پھر بے جان سی ہوکر گر پڑیں- جب ہوش آیا تو خاوند بستر کے کی ہی سے لگا ان کو تھامے ہوئے

تھا- خاوند سے اس قسم کی قربت کے پہلے بھی کئی مواقع آئے لیکن بڑی اماں نے خاوند کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور ایک طویل عرصہ تک اس سے کلام بھی نہیں کیا.....اور اب وہ اس کے بازوؤں میں تھیں- سسکی بھری اور رخساروں پر آنسو بہنے لگے- چی فو کہنے لگا-

''دیکھو جانم، خاصے دن آرام کرو، گھر کے معاملات دیکھنے کے لئے بنت خزاں جو ہے-''

جو لوگ حال احوال پوچھنے آتے وہی بھی اسی قسم کی باتیں کرتے مگر یہ نمک چھڑکنے والی بات ہی تھی- وہ سخت رنجیدہ تھیں اور اسی حالت میں آنکھیں بند رکھتیں- وہ اتنی بیمار بھی نہیں تھیں جتنی کہ لوگ سمجھ رہے تھے- خاوند کی توجہ اور محبت سے محروم ہوں اسرا سر زیادتی تھی- اس وقت وہ کچھ دیر خاوند کے ساتھ اسی حالت میں رہنا چاہتی تھیں مگر کسی نے کہہ دیا: ''لاؤ ژیہ، بی بی جان کو آرام کرنے دیں، وہ بستر میں لیٹ کر زیادہ سکون محسوس کریں گی-''

یہ بات کس نے کہی تھی؟ یہ بنت خزاں کی بات تھی؟ پھر چی فو نے بڑی ملائمت کے ساتھ ان کے سر تکیئے پر رکھا اور بڑی اماں کو شدید سردمہری کا احساس ہوا-

اس واقعہ کے بعد بڑی اماں کو بیمار رہنے کی اور بھی ضرورت پڑ گئی- اس طرح ایک تو بنت خزاں کے لئے مشکلات پیدا کی جاسکتی تھیں، دوسرے وہ اپنے خاوند کو متوجہ کر سکتی تھیں- محبت نہ سہی توجہ ہی سہی- اب گھر کے سارے معاملات بنت خزاں کے نازک کندھوں پر آ پڑے تھے مگر یہ لڑکی اب بھی گئی رات تک بغیر آنکھ جھپکے جماہی لیئے اس وقت تک مالکن کی خدمت میں حاضر رہتی جب تک مالکن خود اسے سونے کے لیئے نہ کہہ دیتی- اب اس داشتہ کو خاندان میں بھی اور دوستوں، واقف کاروں میں بھی بڑا اچھا سمجھا جانے لگا- وہ کہتے کہ یہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں بنت خزاں جیسی عورت مل گئی- اگرچہ اب اس کی صحت بھی خراب ہو رہی تھی مگر اس نے پرواہ نہیں کی-

خاتون خانہ اب دن رات بستر میں ہی رہنے لگیں- انہیں باقی سارہ ضرورتوں اور مالک مختار بن کر گھر جلانے کی ضرورت سے بھی زیادہ شدید ضرورت چاہے جانے کی تھی، دوسروں کی توجہ کی تھی- گھر والے ان کی بیماری کی وجہ سے ان کے آگے پیچھے رہتے، جب کبھی ان پر مایوسی کی لہر وارد ہوتی وہ آنکھیں بند کر کے کراہنا شروع کر دیتیں- ایک بار ان کا کراہنا سن کر بنت خزاں بھاگی بھاگی آئی اور پوچھنے لگی: ''بیگم صاحبہ، آپ ٹھیک تو ہیں؟''

انہوں نے آنکھیں بند ہی رکھیں اور پھر زور سے کراہیں-

''بیگم صاحب؟'' بنت خزاں نے بڑی ملائمت سے مخاطب کیا-

وہ آنکھیں کھیل کر اس سے بات کر سکتی تھیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا-

''بیگم صاحبہ-'' بنت خزاں نے خوف کے باعث اونچی آواز میں کہا- ''بیگم.....صاحب-''

MashalBooks.org

اور پھر پوری آواز سے چلاتی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی: ''لاؤ ژہ۔''

چی فو بھاگا بھاگا آیا۔ بستر کی بئی پر بیٹھ گیا۔ بیگم کا ہاتھ تھام لیا اور اسے آہستہ آہستہ ہلانے لگا۔ ''بیگم..... بیگم۔''

''بے..... ہوش..... میں بے ہوش ہوں ے لگی۔'' انہوں نے ادھ کھلی آنکھوں کے ساتھ کانپتی آواز میں مگر نرمی سے کہا۔

اب انہیں اس طرح کراہنے کی عادت ہوگئی تھی۔ اس اثنا میں کتنے ہی ڈاکٹر انہیں دیکھنے آئے اور بستر سے لگی ان کی میز پر جڑی بوٹیوں اور دوسری دواؤں کا ڈھیر لگ گیا۔ ہر شخص انہیں واقعی بیمار اور معذور سمجھنے لگا تھا۔ اور خود انہیں بھی اب یقین ہوں ے لگا تھا۔ بیماری کا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ بعض اوقات وہ خود کو اتنا کمزور محسوس کرتیں کہ اپنی کہنیوں کے بل پر بھی نہ اتھ سکتیں۔ نسبتاً تاریک اور کھسمے دن میں بنت خزاں آ کر موم بتی جلاتی اور بستر کے ایک سرے پر رکھ دیتی، جس کی روشنی میں بڑی اماں سنسنی خیز ناول نو بندوں کا پراسرار قتل اور مغرب کا سفر نامہ وغیرہ پڑھنے لگتیں۔ جب کبھی کمزوری کی لہر آتی یا ان کا خاوند اپنے دفتر سے واپس آتا مگر ان کے کمرے میں نہ آتا تو وہ کتاب ایک طرف رکھ کر کراہنے لگیں: 'بے..... ہوش..... میں گئی۔''

ایک دن انہوں نے دیکھا کہ بنت خزاں کے کمرے کی روشنی سرِ شام ہی بجھ گئی ہے۔ انہوں نے سوچا معمول سے پہلے ہی سو نے لگے ہیں۔ وہ بستر سے اٹھیں اور کمرے میں سے بمشکل چل کر دروازے تک آئیں۔ ٹانگیں تو مسلسل کانپ رہی تھیں، چنانچہ ایسے لگتا کہ فرش اونچا نیچا ہو گیا ہے۔ نہ جانے یہ خاتون کیا معلوم کرنے کے لئے ادھر دروازے تک جانا چاہتی تھیں؟ اپنے بستر پر لیٹ کر آرام کیوں نہیں کرتیں۔ پھر وہ چھوٹے میز سے ٹکرا گئیں۔ پیالے، پلیٹیں اور دوائیاں سب گر پڑیں۔ یہ دھماکہ سا اتفاقیہ ہوا تھا یا بالارادہ سامنے والے کمرے والا جوڑا جاگ گیا، جب وہ خاتون زمیں پر سے چیزیں اٹھانے کے لیئے جھکیں تو وہ دونوں کمرے میں پہنچ گئے۔ خاتون نے خود کو فرش پر ڈھیر کر لیا۔ چی فو نے نیچے بازو ڈال کر انہیں اوپر اٹھایا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' جلدی کرو، واپس بستر میں، کیوں اٹھے ہو، کون سی قیامت آ گئی تھی؟'' بڑی اماں نے بازو اپنے شوہر کے گلے میں حائل کر دیئے اور ان کی آنکھ بڑی میز پر بڑے لیمپ پر پڑی۔

''لیمپ، لیمپ کی ضرورت تھی؟''

چی فو بنت خزاں کی طرف متوجہ ہوا اور تلخ لہجے میں کہنے لگا: ''لیمپ یہاں رکھا ہوں اچاہیے تھا، یہ تمہارا کام تھا۔''

بنت خزاں نے کچھ کہے بغیر زمیں پر بکھری ساری چیزیں اٹھائیں۔ تاہم جب ہر شے ٹھکانے

لگ گئی تو بڑی اماں کا شوہر اور لڑکی دونوں اکٹھے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے- ان کے کمرے میں لیمپ پھر بجھ گیا- چی فو نے بنت خزاں کو دلاسہ دیا ہوگا، ہر چند اس نے بڑے غصے میں اس سے بات کی تھی، اس کے باوجود وہ سونے کے لیئے تو اکٹھے ہی گئے تھے- معذور بیگم صاحبہ کا دل پھیلنے لگا، جیسے چیہ کا نگ کا غبارہ پھٹنے سے پہلے پھول جاتا ہے- انہوں نے لیمپ بجھا دیا، یہ لیمپ بنت خزاں ان کے پاس رکھ گئی تھی- اس اندھیرے میں انہوں نے دلگیر ہو کر چھاتی پیٹی اور اپنے بال نوچ لیئے-

''بے..... ہوش..... میں ہوں ے لگی-'' وہ سسکیاں لیتی ہوئی کراہنے لگیں، لیکن اس بار انہوں نے آواز کو آہستہ رکھا تا کہ کوئی سنے نہ-

موم بتی اب تقریباً ساری کی ساری جل چکی تھی- چھوٹا سا شعلہ پھڑ پھڑاتا ہوا میلی ٹری ترئی مچھر دانی پر پر چھائیں ڈالتا اور ان پر چھائیوں میں ایک چھوٹی سی چیز بھی ناچ رہی تھی- یہ کون تھا؟ اس کا بیٹا چیہ کا نگ یا پوتا ہسن؟ اسے اپنے بیٹے کے بچپن کی تصویر یاد آئی اور اب وہ اسے اپنے پوتے کے ساتھ خلط ملط کر رہی تھی- ان کے خیالات ایک دوسرے میں الجھ گئے تھے، جو لوگ بھی انہیں عزیز تھے، زندہ تھے، بامردہ ان سب کے ہیولے ایک ہی وقت میں ان کے دماغ میں گھوم رہے تھے- چی فو، چیہ کا نگ، چھوٹا ہسن ہاں سب سے چھوٹا بیٹا چیہ کا نگ، دوسرے بہنوں کے مقابلے میں انہیں زیادہ عزیز تھا، یہ دوسری بات ہے کہ بعض اوقات چیہ کا نگ کے لیئے بھی دوسرے عزیزوں کی طرح ماں کی گلہ گزاری نا قابل برداشت ہو جاتی لیکن اس میں ماں کی بات سننے سمجھنے اور احساسات میں شریک ہوں ے کی عادت اور صلاحیت تھی- اس کی عادت تھی کہ ماں کے بستر کی بئ پر بیٹھ جاتا، کبھی انہیں سہلاتا، کبھی دو چار چمچے سوپ کے ان کے منہ میں ڈال دیتا- دروازے سے باد سحر کا ایک جھونکا آیا اور میز پر پڑے جڑی بوٹیوں اور دواؤں والے کاغذ کھڑ کھڑ کرنے لگے- یہ آواز اس کے اپنے کپڑوں کی آواز سے ملتی جلتی تھی، جب وہ رات کو اندر والے کمرے میں بچوں کو دیکھنے جاتی تھی تو ایسی ہی آوازیں کپڑوں سے آتی تھیں-

سچ تو یہ ہے کہ بڑی اماں نے برسوں سے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب بنت خزاں اپنے کمرے میں چلی جاتی وہ اپنے بستر سے اُٹھتیں، انتہائی احتیاط سے لنگڑاتی ہوئی بڑی تکلیف کے ساتھ اندر کے کمرے میں بچوں کو دیکھنے جاتیں اور دوسری طرف بنت خزاں کے کمرے سے آنے والی آوازوں پر کان لگا دیتیں- ایک روز انہوں نے دیکھا کہ سب سے چھوٹا چیہ کا نگ بستر میں پڑا جاگ رہا ہے- ماں کو دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں- ماں اس کے پاس گئی اور چادر اس کے شانوں تک اوڑھا دی- اگلے روز وہ ابھی اپنے بستر میں ہی تھیں اور کراہ رہی تھیں کہ بچہ پاس آ گیا- وہ بہت حیران تھا-

MashalBooks.org

''ما.....کذکل رات میں نے عجیب خواب دیکھا۔''

''کیا تھا؟''

''میں نے دیکھا کہ آپ ہمارے کمرے میں آئے ہواور پھر آپ نے چادر میرے کندھوں تک اوڑھادی۔''

''یہ خواب؟ دراصل جو ہم خواب میں دیکھتے ہیں ہوتا اس کے الٹ ہے۔ اگر تم خواب میں دیکھو کہ میں چل سکتی ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بالکل نہیں چل سکتی۔''

بچے نے پھر کبھی کسی خواب کا تذکرہ نہیں کیا۔ اسی اثنا میں جب چی فوشدید بیمار ہوگیا تو یہ بھی لوہلی لنگڑی ہوگئیں۔ ان کی ٹانگوں میں سے جان بالکل نکل گئی تھی اور وہ دلائیاں سی لگتی تھیں۔ جب چی نو نے آخری سانس لی اور گھر کے دوسرے لوگ بئی سے لگے رو رہے تھے، اس وقت بڑی اماں نے بڑی کوشش کی کہ خاوند کو آخری بار دیکھ لیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ غم سے ان کا کلیجہ پھٹ گیا، لیکن وہ بستر پر پڑی پڑی زندہ رہیں، پھر بنت خزاں بھی مرگئی۔ اب وہ چیہ کانگ کے ساتھ رہ رہی تھی، ان کے بڑے بیٹے ایک ایک کر کے چلے گئے تھے۔

موم بتی جل چکی تھی۔ موت جیسی خاموشی تھی۔ بڑی اماں کو پھر کمزوری کا دورہ پڑا، وہ قے کرنا چاہتی تھیں، ان کے کان میں اپنے پوتے کے صحن میں شور مچانے کی مدہم سی آواز آئی۔

''اب، میں نے اپنے سکول کے ساتھیوں کو بتایا کہ ہماری دادی اماں کو فالج ہوگیا ہے؟ ابا میں نے صحیح کہا نا؟''

''ہاں بیٹے صحیح۔''

اس کی آواز سننے والے دونوں باپ بیٹا گھر پر تھے اور دادی اماں کو اب تکلیف بھی بہت تھی مگر انہوں نے دانستہ آوازیں، صرف اپنے سے سرگوشی کی۔

''میں نے بڑی سخت جدوجہد کی ہے۔ بڑی تلخ، اب میرے سارے انگ ٹھنڈے پڑ گئے ہیں، کیا بات ہے؟ سردی اور اتنی سردی؟ میں ساری عمر بھوکی رہی ہوں، کسی شے کی بھوکی؟ ہائے مگر اتنی سردی۔

پھر وہ بستر میں لیٹے لیٹے ہی خود کو دلاسہ دینے لگیں۔ وہ بیٹے کی توجہ حاصل کرنے کے لیئے شام تک نہیں کراہیں۔ شام کو وہ خود بھی آیا۔ مچھر دانی کے اندر سر ڈال کر اس نے ماں کو بلایا۔ اندھیرا بڑا تھا، نظر کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اس نے موم بتی جلائی اور جیسے ہی اس کی نگاہ ماں کے چہرے ہاتھ اور جسم پر پڑا وہ سمجھ گیا، ماں چل بسی۔ اس اندھیرے میں نئی روشن ہوے والی موم بتی کا شعلہ اوپر نیچے رقص کر رہا تھا۔

MashalBooks.org

# بالوں کا انبار

(چی چون ب1918ء)

جب ماں جوان تھی اپنے لہراتے لمبے بالوں کو چوٹی میں گوندھ رکھتی تھی- دن کے وقت وہ ان کا جوڑا سا بنا لیتی، شام کو انہیں کھول دیتی اور یہ اس کی پشت پر لہراتے رہتے- جب میں سونے لگتی تو میں کوشش کر کے ماں کے کندھے کے قریب ہو کر اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرتی- میری ماں ٹون سسٹر ہیئر آئل استعمال کرتی اور اس تیل کی خوشبو بالوں کی بو سے مل کر میری ناک میں گھستی- اگرچہ بونا گوار ہوتی تھی لیکن یہی بو تو اس تحفظ کا احساس دلتی تھی جو میں ماں کے ساتھ سوتے محسوس کرتی تھی، جہاں مجھے لیٹتے ہی نیند آ جاتی-

میری مساں سال میں صرف ایک بار، ساتویں مہیں ے کی ساتویں تاریخ کو..... بال دھویا کرتی- دیہی رسم و رواج کے مطابق بال کبھی بھی کسی عام دن کو نہیں دھونے چاہئیں، کیوں کہ بالوں کا جو گندہ پانی بہہ کر جائے گا وہاں جنوں بھوتوں کی سرزمیں کا بادشاہ اکٹھا کر لے گا اور مرنے کے بعد عورت کو بلائے گا- صرف ساتویں قمری مہیں ے کے ساتویں روز بالوں کا جو گندا پانی بہے گا وہ سیدھا مشرقی سمندر میں جائے گا اور اس سے کوئی خطرہ نہیں-

سو گاؤں میں چاند کی ساتویں کو ساری عورتیں اپنے بال کھولتیں، صاف کرتیں اور خشک کرنے کے لیئے شانوں پر پھیلا دیتیں- بعض عورتیں کھلے بالوں کے ساتھ پرستان کی پریوں سے بھی زیادہ خوبصورت لگتی تھیں جبکہ کچھ ڈائنوں جیسی- مثال میرے چچا کی بیوی کی، یہ میرے پانچویں چچا ہیں- عمر رسیدہ، مائی موٹی، سر گنجا ہو چکا تھا- سر پر سیاہ راکھ لگاتی کہ یہ بال لگیں اور پھر چندیا پر گاڑھا کالا رنگ لگا لیتی- چنانچہ جب وہ بالوں کو صابن وغیرہ لگاتی تو ساری کالک صاف ہو جاتی

اور اندر سے اس کا گنجا سر نظر آنے لگتا، جس پر کہیں کہیں بالوں کی بوچڑیاں ہوتیں- بہت تھوڑے سے بال اس کی پشت پر لٹکتے نظر آتے- میری چچی دعوتوں کے موقع پر میری ماں کی بڑی مدد کرتی تھی مگر مجھے وہ کبھی اچھی نہیں لگی-

میری ماں کے بال تو ایسے تھے جیسے ریشمی ساٹن کندھوں پر لٹک رہی ہو، جب ہوا سے بال اڑتے تو لٹیں اور کاکل سے اڑ کر اس کی نرم گورے گالوں پر لہراتے- وہ آنکھوں کو سیکڑتی بالوں کو ہاتھ میں لے کر واپس بالوں میں پھنساتی مگر اسی دوران ایک اور جھونکا اس کے بال رخساروں پر لا ڈالتا- ماں کی نظر کمزور تھی اور جب وہ آنکھیں سیکیر ٹی تو بہت ہی خوبصورت لگتی- میں سوچتی اگر میرا باپ گھر پر ہوتا،، ماں کے یہ شاندار چمکتے ریشمی بال دیکھتا، وہ یقیناً باہر جاتا اور ماں کے لیئے چمکتے ہوئے ہیرے کے کلپ لے آتا اور غالباں ماں یہ کلپ کچھ دن بالوں میں لگاتی پھر خفیف ہوتی اور کلیوں کا جوڑا مجھے جہیز میں دینے کے لئے رکھ چھوڑتی-

کچھ ہی عرصے بعد باپ گھر آ گیا مگر ہیرے کے کلپ نہیں لایا، ان کی جگہ ایک داشتہ لے آیا- اس کی جلد نرم اور سفید تھی- سر پر بادلوں جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سیاہ بال، ماں کے بالوں سے بھی زیادہ چمکدار- اس کے کانوں کو بھی خوبصورت بالوں نے چھپا رکھا تھا- ان میں پیچھے کی طرف کنگھی کی گئی تھی اور گردن پر انگریزی حرف ایس کی شکل بن گئی تھی اور اس کی پشت پر گھنے بال اس طرح پھیلے ہوئے تھے لگتا تھا کہ کوئی خوبصورت کالا پرندہ پر کھولے بیٹھا ہے- اس نے ماں کو زمرد کی بالیوں کا جوڑا پیش کیا مگر ماں نے وہ کبھی نہیں پہنیں، بس دراز میں رکھ دیں- وہ مجھے بھی ان بالیوں سے کھیلنے نہیں دیتی تھی- میرا خیال تھا کہ وہ بالیاں بڑی قیمتی تھیں، اس لیئے وہ انہیں سنبھال کر رکھنا چاہتی ہے-

جب ہمارا کنبہ ہانگ چو آ گیا تو میری ماں کو اب کچن کا کام نہیں کرنا پڑتا تھا- باپ چاہتا تھا کہ وہ آئے مہماں وں کی خاطر مدارات کرے مگر میری ماں کے بالوں کے انداز بڑا ہی پرانا اور دیہاتی تھا- اس لئے باپ کہتا کہ بالوں کا سٹائل تبدیل کرو- میری ماں نے خالہ چانگ سے کہا کہ ابالون فش سٹائل کے بال بنائے- یہ سٹائل ان دنوں اونچے طبقے کی پرانی خواتین میں رائج تھا- ماں کی عمر ابھی بتیس برس تھی، مگر وہ بالوں کا سٹائل بڑی بوڑھیوں والا رکھنا چاہتی، جب داشتہ نے دیکھا تو طنزیہ مسکرادی جبکہ باپ نے دیکھ کر ہمیشہ تیوری چڑھائی- ایک بار جب میں اور ماں اکیلے تھے تو میں نے ماں سے التجا کی، اماں تم بھی بالوں کا سٹائل ایس جیسا کیوں نہیں کر لیتیں اور پھر اس کے ساتھ خالہ نے جو بالیاں دی تھیں وہ بالیاں پہنتیں- ماں نے بڑے رسان سے جواب دیا:
''تمہاری ماں گاؤں کی ہے جدید فشنوں کے قابل نہیں، میں ایس فینسی (عجیب) بالیاں کیسے پہن لو؟''

Mashalbooks.org

خالہ (داشتہ) بھی ساتویں قمری مہیں ے کی ساتویں تاریخ کو بال نہیں دھوتی تھی، وہ ایک مہیں ے کا اندر کئی کئی بار بال دھولیتیں- بال دھونے کے بعد ایک ملازمہ پنکھا لے کر بالوں کو خشک کرنے لگتی- اس کے نرمبال اِدھر اُدھر اڑتے جو مجھے بڑے اچھے لگتے- میرا باپ کرسی پر بیٹھ کر حقہ گڑگڑاتا اور داشتہ کو دیکھ کر خوش ہوتا- خالہ اپنے بالوں میں تھری فلاورز مارکہ تیل لگاتی جس کی خوشبو چاروں سمت میں پھیل جاتی پھر وہ شیشے کے سامنے بیٹھ جاتی اور بالوں کو ایس سٹائل میں بناتی- میں اس کے ایک طرف کھڑی تھی، اس نے مجھے تھری فلاورز کی بوتل دی کہ ماں کے پاس لے جاؤں مگر ماں نے اسے الماری کے بہت پیچھے رکھ دیا کہ اس تیل کی بو سے مجھے متلی ہوتی ہے-

ماں ہر بال خالہ چانگ کو بال بنانے کی زحمت نہیں دیتی تھی اکثر خود بھی ابالون فش سٹائل والے بال بنالیا کرتی- یہ سٹائل اس کے اپنے پہلے زماں ے کے سٹائل سے مختلف نہ تھا- میرے باپ کو یہ انداز ہرگز پسند نہ تھا اور مجھے بھی عجیب سا لگتا تھا-

اس زماں ے میں خالہ نے ایک عورت مسز لیو کو بال بنانے کے لئے ملازم رکھ لیا- مسز لیو موٹی مگر پستہ قد عورت تھی اور پاؤں اس کے جیسے بطخ کے ہوں، چلتی تو سانس پھول جاتا- بالوں میں بانس کا بنا کلپ لگاتی، وہ ہر صبح دس بجے آتی اور خالہ کے لیئے بے شمار اقسام کے ہیئر سٹائل بناتی رہتی- ھما، پروں کا پنکھا، دل کی صورت، چڑیا کی دُم وغیرہ- خالہ ہمیشہ بالوں کا سٹائل تبدیل کرتی رہتی- سٹائل کی تبدیلی کے باعث اس کی جلد اور خوبصورت اور کمر ہلکورے لیتی جیسے دیکھ دیکھ کر میرا باپ خوشی سے مسکراتا رہتا- مسز لیو نے میری ماں کو بھی مشورہ دیا کہ بیگم صاحب، آپ نے آج کے فشن کے مطابق بال کیوں نہیں بناتیں-'' مگر ماں نے سر ہلاتے ہوئے ہوں ٹ سکوڑے اور بغیر کچھ کہے اٹھ کر چلی گئی-

اس کے فوراً بعد خالہ چانگ میری ماں کے لیئے ایک زلف تراش مسز چن کو لے آئی، وہ عمر میں مسز لیو سے بڑی تھی- بہت بڑا پیلا چہرہ اس میں دو سونے کے دانت بڑے نمایاں، ایک ہی نظر دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ عورت گپ شپ کرنے کی زیادہ شوقین ہے- وہ بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں باتیں کرتی- مسز چاؤ کی بہو سے لے کر جنرل لی کی تیسری داشتہ تک- وہ یہ ساری باتیں ماں کے بال بنانے کے دوران کر دیا کرتی، ماں اپنی کرسی میں بندھی بیٹھی رہتی اور منہ سے ایک بھی لفظ نہ نکالتی، مگر میں بڑے مزے لے لے کر اس کی باتیں سنتی- کبھی کبھی مسز لیو اور مسز چن ایک ساتھ آ جاتیں- ماں اور خالہ دونوں راہداری میں پیٹھ سے پیٹھ جوڑ کر بیٹھ جاتیں اور وہ دونوں ان کے بال بنانے لگتیں، مسز لیو اور خالہ دونوں باتیں بھی کرتیں اور ہنستی بھی مگر ماں آنکھیں بند کیئے خاموش بیٹھی رہتی- مسز چن جلد از جلد فارغ ہو جاتی، زیادہ توجہ سے بال نہ بناتی- ایک روز میں نے سنا مسز چن مسز لیو سے میری ماں کے بارے میں کہہ رہی تھی:

MashalBooks.org

''یہ نو گاؤں کی عجوبہ شے ہے، جو بال بھی بنوانا چاہتی ہے-'' مجھے یہ بات سن کر بڑا غصہ آیا، میں رو بھی پڑی مگر ماں کو بتانے کی جرات نہ ہوئی-

اس کے بعد میں سٹول پر کھڑی ہو کر ماں کے بالوں میں خود کنگھی کرنے لگی- وہی آسان ابالون کا فشن سٹائل- میں پنجوں پر کھری ہو کر شیشے میں اپنی ماں کو دیکھتی، اب اس کا چہرہ ایسا بھرا بھرا اور آب والا نہیں تھا جیسا کہ گاؤں میں رہنے والے دنوں میں ہوا کرتا تھا اور جن دنوں وہ باورچی خانے کا بھی کام کیا کرتی تھی- اس وقت اس کی آنکھیں شیشے میں اپنے عکس پر لگی تھیں، غیر حاضر دماغ سے اپنے آپ کو دیکھتی جا رہی تھی مگر نہ وہ آنکھوں کو خاص انداز میں سکیڑتی تھی اور نہ ہی مسکراتی تھی- میں ماں کے بالوں کا ایک گچھا ایک وقت میں لیتی اور اس میں کنگھی پھیرتی مگر مجھے لگتا کہ بید کی پیلی کنگھی ماں کے دل میں درد کے بیجوں کو سلجھا نہیں سکتی، اس لیئے کہ دوسرے کونے سے ہوا کی لہروں کے ساتھ ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میرے باپ اور خالہ کے قہقہے چلے آتے-

جب میں بڑی ہوئی تو پڑھنے کے لئے چلی گئی- جب کبھی سردیوں اور گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر آتی، ماں کے بالوں میں کنگھی پھیرتی، اب اس کے سارے بال میری ہتھیلی میں آ جاتے تھے- بال کم سے کم ہوتے جاتے تھے، اب مجھے گاؤں میں ساتویں قمری مہینے کی سات تاریخ کو ماں کے بال دھونے کی آتی، کیسے خوبصورت، گنے ریشم ایسے بال تھے جو ماں کے کندھوں اور پشت پر لہرانے اور اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا ہوتا، ایسی یادیں آتے ہی لگتا میرا دل ٹوٹ گیا ہے- جب ماں مجھے دیکھتی اس کی نظروں میں اداسی کی جگہ مسکراہٹ سی جگمگانے لگتیں- حالات جو کچھ بھی تھے ہمارے انتہائی پر مسرت لمحے وہ ہوتے جب ماں اور بیٹی مل بیٹھتی-

جب میں شنگھائی میں پڑھ رہی تھی، ماں نے خط لکھا کہ اسے گٹھیا کی شکایت ہے اور وہ اپنا بازو اوپر نہیں کر سکتی، اب وہ بالوں کو آسانی سے باندھ بھی نہیں سکتی، اس لئے اس نے چھدری چھدری لٹیں بھی کٹوا دی ہیں- میں ماں کا یہ خط ہاتھ میں دبا کر زار میزی کی کھڑکی کے ساتھ چاندنی میں بیٹھ کر بہت روئی- پھر سردیوں کی ہوا چلی، مجھے سردی محسوس ہوئی تو سب نے ماں کے ہاتھوں کا بنا سویٹر کندھوں پر ڈال لیا، جس سے مجھے گرمی سر سے پاؤں تک- اب ماں بوڑھی ہو چکی ہے مگر میں ہ روقت اس کے پاس رہ نہیں سکتی- اس نے اپنے گرتے بال تراش لئے ہیں مگر ڈر و غم سے بھرے دل میں غموں کو کیسے باہر نکال دے؟

کچھ عرصہ بعد خالہ کسی کام سے شنگھائی میں آئی، میرے لیئے ماں کی ایک تصویر لائی- میں تین سال سے اُسے نہیں ملی تھی- اس وقت اس کے بال چاندی کی طرح سفید ہو رہے تھے- میں اداس ہو گئی اور تصویر کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتی رہی- خالہ میرے پاس کھڑی تھی مگر اس سے اپنے دل کا

MashalBooks.org

غبار نکالنے کی سبیل کوئی نہیں تھی- خالہ نے میری کیفیت بھانپ لیا ور پھر ہمدردی میں ماں کے بارے میں باتوں پر باتیں کرتی چلی گئی- کہنے لگی: ''اس کا دل کمزور ہو گیا ہے، گٹھیے کا درد پھر شروع ہو گیا ہے، اب اس کی صحت پہلے جیسی نہیں رہی-'' میں سر جھکا کر سب کچھ سنتی رہی اور سوچتی رہی کہ اسی عورت نے میری مواں کو زندگی بھر ناکوش رکھا تھا- مگر اب میں اس عورت سے نفرت نہیں کرتی، اس لئے کہ باپ کی وفات کے بعد ماں اور کالہ غیر متوقع طور پر دکھ کے زماں ے میں ایک دوسرے کی دوست بن گئیں- میری ماں نے بھی خالہ سے نفرت چھوڑ دی تھی-

میں نے خالہ کو غور سے دیکھا- اس نے کپڑے کا گاؤن پہن رکھا تھا اور بالوں میں پھول بھی سجا تھا، بالوں کا یہ پرانا سٹائل تھا،- ان میں فیشن والے کلپ لگے تھے، اس نے کوئی میک اپ بھی نہیں کر رکھا تھا، اداس اور تنہا نظر آتی تھی- مجھے اس پر بے پناہ ترس آیا کیوں کہ وہ میری ماں کی طرح کی عورت نہیں تھی جو خاموش قسم کی زندگی سے مطمئن ہو جاتی ہے- اس لئے میرے باپ کے ساتھ بیس برس گزارے، عزت ملی، دولت حاصل ہوئی، مگر جب خاوند کا سہارا گیا تو وہ میری ماں کے مقابلے میں بھی زیادہ دکھی اور خالی خالی تھی-

تائیوں آنے کے بعد خالہ میری واحد رشتہ دار تھی اور ہم دونوں کئی سال ایک مکان میں ہی رہے- جاپانی طرز کے اس گھر میں ہوا کی راہ داری کھڑکی میں بیٹھ کر وہ بال بنایا کرتی اورم یں اسے غور سے دیکھا کرتی- وہ اپنے کندھوں کو ہاتھوں سے زور زور سے تھپکتے کہتی: ''میرے ہاتھ بڑے سخت ہو گئے ہیں، اب میں واقعی بوڑھی ہو گئی ہوں-'' بوڑھی، ہاں اب وہ بوڑھی ہو گئی تھی، اس کے بادل کی گھٹاؤں جیسے گنے سیاہ بال اب بہت کم رہ گئے تھے، ایک بچڑی سی رہ گئی تھی اور اس میں بھی جگہ جگہ سفیدی جھلکتی- مجھے ہانگ چو کے وہ دن یاد ہیں جب ماں اور خالہ میں زبردست رقابت تھی اور دونوں کا کاریڈور میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کر کے بال بناتی تھیں اور ایک دوسرے سے بات چیت بھی نہیں کرتی تھیں- ایک جھلک، ایک کوندا اور یہ سب کچھ ماضی کا حصہ ہے تو پھر اس دنیا میں محبت کیا ہے اور نفرت کیا ہے- بوڑھی خالہ اب بھی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھی، وہ عمرہ اس مرحلے میں انتہا درجے کی تنہا تھی-

ی میں نے گھبرا کر خالہ کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنا شروع کیا مجھے اس کے ایس قسم کے بالوں کو سٹائل یاد آیا اور میں نے کہا: ''لائیں اب نئے فیشن کے مطابق آپ کے بال بناؤں، کیوں؟'' مگر اس نے گھبرا کر ہلکا سا قہقہہ لگایا: ''اب میں کیا نئے فیشن کروں گی- اب یہ تمہارے نوجوان لوگوں کا کام ہے- کیا میں ہمیشہ جوان رہ سکتی ہوں؟'' جو کچھ اس نے کہا تھا اسے بھی دس برس ہو گئے- اب میں جوانی کی منزل سے خاصی دور نکل آئی ہوں- اس دنیا میں محبت، نفرت، لالچ، ہوس اور حماقت کے بارے میں میرے احساسات جامد ہو گئے ہیں- بالکل خشک لکڑی کی طرح- ماں کے ساتھ جو دن

MashalBooks.org

گزرے تھے وہ بہت پیچھے رہ گئے، خالہ کی راکھ کہیں کسی سُونے سے مندر میں رکھ دی گئی ہے، تو پھر اس دنیا میں لازوال اور ابدی شے کیا ہے اور کون سی ایسی قیمتی شے ہے جس کے بارے میں آدمی سنجیدہ ہو جائے؟

MashalBooks.org

# جرابوں کا جوڑا

(پان ژن یُو ب1920)

مجھے گھر چھوڑے عمریں گزر گئیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ میں بس وقت کے دھارے کے ساتھ بہتی چلی گئی ہوں- میں اکثر اپنے گھر کے بارے میں خواب دیکھتی ہوں مگر ان میں سے ایک خواب جو مجھے بہت مزا دیت اہے وہ میری ماں کا مسکراتے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوں ا اور پھر میرے لیئے گرم بستر تیار کرنا- وہ سردیوں کی سرد رات تھی، میری عمر بھی کوئی سات آٹھ برس ہوگی، وہ میرے رات کے کپڑے بگچے میں ڈالنے لگیں،، چین میں اس بگچے میں ہی سویا جاتا ہے، پھر مجھے میرے فیلٹ کے جوتے اتارتے دیکھنے لگیں، پھر میں بستر میں گھستی، اسے ہم کانگ کہتے ہیں، اس کی پچھلی دیوار کچن کی ہوتی ہے، جس میں انگیٹھی یا چولھا ہوتا ہے، اسے جلا کر بستر کو گرم رکھا جاتا ہے- تیل کے دیئے کی روشنی میں ماں کا کمزور سا سایہ دیوار پر نظر آتا ہے- میں آہستہ آہستہ اپنی ٹانگیں جوڑتی ہوں، میں عنابی رنگ کا اونی ریشمی گاؤن اتارتی ہوں، پھر فر والی صدری اور پھر ٹخنے کے پاس تنگ پائنچے والا پاجامہ اتارتی ہوں، اس کے اندر بھی استر لگا ہوا ہے- اب میرے تن پر صرف شمیض، پاجامہ اور کمر پر ہیٹ کے اردگرد سرخ ہیٹ رہ گیا ہے- اب میں پورے سکون سے سونے کے لیئے تیار تھی- جو کپڑے جس ترتیب سے میں نے اتاریں، ماں اسی ترتیب میں میرے بستر کے اوپر بھی رکھ دے گی، تا کہ صبح جب اٹھوں تو اسی ترتیب سے ان کو پہن لوں-

جوشے میں سب سے آخر میں اتارتی ہوں، سوتی موزے ہوتے ہیں، جب میں اتار کر ماں

MashalBooks.org

کودے دیتی اگلی صبح ان کی جگہ میرے جوتوں میں دھلی دھلائی جرابیں رکھی ہوتیں۔

میری ماں میرا بستر بناتی، وہ وقت مجھے بہت ہی اچھا لگتا۔ وہ جس انداز سے مجھے دیکھتیں، وہ انداز بھی مجھے پیارا لگتا۔ جب وہ کپڑے اتارتی اس وقت وہ ٹکٹکی باندھ کر مجھے دیکھے جاتیں، مجھے احساس ہوتا کہ وہ مجھ سے بڑا پیار کرتی ہیں، وہ مجھ سے پیار کرتی ہیں۔ جب سے میں نے گھر چھوڑ ہے ان کی وہ نگاہیں جب بھی مجھے یاد آتی ہیں، میں بے اختیار رو پڑتی ہوں۔ وہ منظر جب کبھی خواب میں بھی نظر آتا ہے میں روتی روتی جاگ جاتی ہوں۔

جب میں اپنی رضائی کے اندر سٹک جاتی تھی، تب وہ روس کا بنا کمبل، میرے پاؤں پر ڈال دیا کرتیں اور اس کے بعد وہ ہمیشہ کہتیں، ''پاؤں مار کر اسے گرانہ دینا'' یہ لفظ وہ ہمیشہ کمبل ڈالنے کے بعد ادا کیا کرتیں۔ ہمارے گھروں میں ہمارے بستر اور چارپائیاں گرم کانگ کہلاتی تھیں، جو ایک طرف گرم دیوار کے ساتھ لگی ہوتیں اور دوسری طرف کھڑکی ہوتی۔ سر تو گرم دیوار کی طرف ہوتے مگر پاؤں کھڑکی کی طرف۔ باہر کی طرف تو کھڑکی پر کاغذ چڑھا ہوتا جس پر تیل وافر مقدار میں ملا ہوتا تا کہ یہ تیل بارش اور برف سے کھڑکی کو خراب نہ ہوں ے دے۔ اس طرح ہوا کے تیز جھونکوں سے بھی بچاؤ ہوتا۔ کھڑکی میں جو دراڑیں یا درزیں پڑ جاتیں ان کو ردی کاغذ کے ساتھ بھر دیا جاتا۔ اس کے باوجود ٹھنڈی ہوا کسی نہ کسی رستے اندر آ جاتی۔ اس طرح جہاں شیشے لگے ہوتے وہاں باہر کی ٹھنڈی ہوا کے باعث کورہ جم جاتا، اس سے بھی اندر سردی بڑھتی گویا جدھر بندے کے پیر ہوتے وہ حصہ ٹھنڈا ہوتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک رات میں جب جرابیں اتارنے پر آئی، میں نے سردی کے باعث جرابیں نہ اتارنے کا سوچا اور ہاتھ سکیڑ کر ماں سے کہا: ''اماں، آج موزوں سمیت ہی سو جاؤں؟''

''موزوں سمیت سو جاؤ؟ ہیں، نہیں نہیں یہ نہیں چلے گا۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ سونے کو نہیں چاہتی، بستر میں نہیں جانا ہے؟''

''نہیں۔''

''تو پھر کیا ہے۔ موزوں سمیت سوؤ گی تو ان مرغیوں جیسی حالت ہوگی جس کی نچلی ٹانگوں پر بھی بال اگے ہوتے ہیں۔ مجھ پر یقین نہیں تو آزما دیکھو۔ تمہیں خود بھی خفت اور پریشانی ہوگی۔''

''اماں آپ کیسے جانتی ہیں؟''

''میں نے اپنی شادی کی رات موزے پہن رکھے تھے، بس ایک بار مجھے بہت ہی خفت ہوئی تھی، بڑی بے ڈھنگی بات تھی۔ اتنی خفت کہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکی۔''

''میں بھی صرف ایک بار ہی موزے پہنوں گی۔''

''نہیں، ایک بار بھی نہیں۔ تم موزوں کے ساتھ سوئی تو پھر کمبل وغیرہ سب ٹانگیں مار کر گرا دو

گی اور اگر یہ کمبل وغیرہ اتر گئے تو صبح ہوتے ہوتے جم کر رہ جاؤ گی- تمہیں یاد ہے پچھلے قمری برس کی بارہ تاریخ کو تم نے کمبل اور رضائی اتار دی تھی اور تمہیں شدید زکام ہو گیا تھا- پھر حرارت ہوئی اور چھینک چھینک کر تمہارا برا حال ہوا تھا- چنگ ژن تمہارے علاج کے لیئے چانگ لاما کو بلا کر لایا تھا- یہ سب کچھ اس لیئے ہوا تھا کہ تم نے کہیں رضائی وغیرہ اتار دی تھی- بھول گئی ہو؟ اب ابھی یہ موزے اتار دو!''

''نہیں اب میں یوں نہیں گی، کمبل رضائی نہیں اتاروں گی، اگر میں ایسا کروں تو میرے آنکھوں کے پپوٹے جل جائیں-''

''تم نے قسم اٹھانا بھی سیکھ لیا؟ کہاں سے سیکھا ہے! سنو یہ آنکھوں کے اردگرد کی جلد جل جائے تو اس کا علاج بہت مشکل ہوتا ہے، زکام اور بخار سے بھی زیادہ مشکل- مندر سے بزرگ وید کو بلانا پڑتا ہے، وہ سوئی لے کر تمہارا علاج کرے گا-''

''ماں مندر والا بزرگ پجاری تو صرف ککڑیاں اگانا جانتا ہے، اسے سوئی کے استعمال کا کیا پتہ؟ اتنا تو میں بھی جانتی ہوں-''

''غلط، وہ جانتا ہے کہ گھاس کے کون سے تیز پتے کی دھار سے وہ بچوں کی بیمار آنکھیں کھول سکتا ہے- تم ویسا علاج چاہتی ہو؟''

''نہیں ماں میں نہیں گراؤں گی کمبل رضائی.....تو پھر کچھ بھی نہیں ہوگا-''

''میں سیدھی طرح کہہ رہی ہوں، جرابیں اتار دو- مجھے پتہ نہیں تم اتنی ضد کیوں کر رہی ہو- میں نے سنا تھا تم نے دو روز پہلے بھی کچھ ایسی ہی بات کی تھی- کبھی موزے پہن کر نہ سونا، ایسا کرو گی تو پنجوں میں خرابی پیدا ہو گی، جیسی میرے پنجوں میں ہے- تمہیں خبر ہے کہ پنجے جوتوں میں کیسے بے ڈھبہ نظر آتے ہیں- تم نے میرے پنجوں کا ہی ذکر کیا تھا نا- یہی تھے نا تمہارے الفاظ

''دو روز پہلے.....دو روز پہلے، تو میرے پاس سوتی موزے تھے- ہاں میں نے کہا تھا کہ سوتی جرابیں اتار ہی دی جائیں تو اچھا ہے- مگر آج تو میرے پاس اور موزے ہیں- آپ کو یاد نہیں- آج تو میں نے گل داؤدی مارکہ درآمدی جرابیں پہن رکھی ہیں- یہ دیکھو-''

میں نے ماں سے جرح کی اور میری بات معقول تھی مگر میں نے رونا شروع کر دیا، جس پر ماں نے بات نظر انداز کر دی، گویا وہ مجھ سے اتفاق کر گئیں-

آج تک ان کالی جرابوں سے بڑی خوشگوار یادیں وابستہ ہیں- درآمدی گلداؤدی برانڈ والی جرابیں میرے ماڈرن ہوں ے یا مجھے ماڈرن بنانے والی پہلی شے تھیں- پچاس ساٹھ برس پہلے میں جو کچھ پہنتی تھی، وہ دیسی مال ہوتا تھا- بال باندھنے والے فیتے میرے پاجامے یا لیگنگ میں استعمال ہوں ے والا آزار بند اور فلیٹ شوز جو میں سردیوں میں پہنا کرتی تھی- دیسی بنی ان سب

چیزوں میں سے جرابیں پہننے میں بڑی رقت ہوتی تھی- ویسے تو انہیں پہننے کے لیئے بڑا زور لگانا پڑتا، مگر ایڑیوں کے اوپر لے جانے میں تو بہت ہی تکلیف ہوتی- بچے تو بے چارے خود پہن ہی نہیں سکتے تھے- اتنا زور لگانا پڑتا کہ کمر دوہری ہو جاتی اور پھر بھی بعض اوقات کامیابی نہ ہوتی-

سب سے پہلے پاپا نے درآمدی جرابیں پہننا شروع کیں- گو کے سب افراد ماں سے لے کر نیچے، ہم تک ان جرابوں کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے- ان کی دھلائی بھی الگ برتن میں ہوتی تھی اور اس پر کڑھا برانڈ نام تو ہر ذہن پر کندہ ہوا تھا- کالی گل داؤدی نام کی کرابوں کا ٹریڈ مارک کاغذ پر صرف دو رنگوں سفید اور سیاہ میں چھپا ہوتا- سفید رنگ پر کالا گل داؤدی بڑا بھلا لگتا- میں ابھی یہ بدیسی جرابیں پہننے کے اہل نہ تھی مگر جرابوں پر ٹریڈ مارک والا نشان اتارنے کا انداز مجھے اور صرف مجھے تھا- اگر کبھی پاپا مجھے نئی جرابیں پہننے سے پہلے ٹریڈ مارک اتارنے کا موقع دینا بھول جاتے تو میں ہنگامہ کھڑا کر دیتی- اگر سردیوں کا موسم ہوتا تو میں احتجاجاً باہر برفباری میں جا کھڑی ہوتی اور اگر گرمیاں ہوتیں تو دھوپ میں جا کھڑی ہوتی- میں کھانا کھانے سے بھی انکار کر دیتی اور سمجھتی تھی کہ تکلیف تو والدین کو ہو رہی ہے انہیں یہ تکلیف ہوں ہی چاہیئے-

میں جرابوں سے اتارے لیبل اور سگریٹ کے ڈبوں سے اتارے کارڈ سنبھال لیا کرتی تھی، سب پر میں چھوٹی سی کالی مچھلی کی تصویر بنا دیتی- یہ میری خاص نشانی تھی- پھر میں یہ کارڈ لیبل اپنی سکول کی دوستوں کو دیا کرتی اس تحفے کے باعث ہمارا بڑا اچھا گروپ بھی بنتا اور مجھے ماں نے والی بھی پیدا ہوتیں-

ایک مرتبہ پاپا کو صوبائی دارالحکومت جانا پڑا تو واپسی پر نہ جانے کیوں وہ گھر کے سب لوگوں کے لئے گل داؤدی والی درآمدی جرابوں کے درجنوں جوڑے بھی خرید لائے- یہ بالکل غیر متوقع بات تھی- ان میں کچھ سوتی، کچھ اونی اور کچھ بہت ہی عمدہ سوتی دھاگے والی تھیں- ماں کے لئے قدرتی رنگ کی کی بنی گھٹنوں سے اوپر تک سائز کی تھیں- گھٹنے کے لیئے مستعمل لفظ کے ہماری زبان میں معنی ضیافت کے بنتے ہیں اور میں نے مطلب نکالا کہ یہ جرابیں دراصل دعوت کے موقع پر پہننے کے لیئے ہوتی ہیں-

جب میں بستر میں جم گئی تو ماں نے بتی بجھا دی اور پنجوں کے بل باہر نکل گئیں- مگر میں ابھی سوئی نہیں تھی- نیند بھی کیسے آ سکتی تھی؟ دل ہی دل میں اس گرمائش کا مزہ لے رہی تھی، جو آج یہ درآمدی جرابیں پہننے کے بعد محسوس ہوئی- یہ مزیدار سی لہر تو اب تک میرے سارے جسم میں اٹھ رہی تھی- وہ پاؤں پ ر پوری اور اتنی نرم، یوں لگتا جیسے بادلوں پر چل رہی ہوں- سکول میں، میں نے اپنی سہیلیوں کو دکھانے کے لیئے بار بار پاؤں نمایاں کیئے، انہوں نے جرابوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھا اور پوچھا کہ کیا یہ جرابیں مہنگی ملتی ہیں؟

MashalBooks.org

مونگ پھلی، تربوز کے بیج اور چھوٹے سیب بیچنے والے پھیری والے بھی گزر گئے اور اس کے تھوڑی دیر بعد ہی پاپا بھی آ گئے- مجھے پتہ تھا کہ وہ مجھے دیکھنے ضرور آئیں گے، چنانچہ میں مکری بن کر سوئی رہی-

ی پھر پہلے تو ماں اور پاپا نے سرگوشیاں کیں، پھر اونچی آواز میں باتیں کرنے لگے ماں نے کہا: ''نہ کرو، بچی دیکھ نہ لے-''

''وہ سوئی پڑی ہے؟''

''اوہ.....آپ تو بہت ٹھنڈے ہو رہے ہیں-''

''باہر بڑی خشک سردی پڑ رہی ہے، جیسے سال کے آخر میں سردی پڑتی ہے-''

''کیا مصروفیت تھی اتنی دیر سے آئے؟''

''نظر بندی والا کمرہ دوبارہ بنا دیا گیا ہے، اب اسے رہائشی کمرہ بنا دیا گیا ہے، میں اس کا معائنہ کرنے گیا تھا-''

''تو یہ مصروفیت تھی، مگر کھانا کہاں کھایا؟''

ٹریننگ فیکٹری میں باقی لوگوں کے ساتھ- کھڑکیوں میں شیشے لگوانے کے لیئے میں نے مزدور بلوائے تھے- یہ کھڑکیاں ساری کی ساری مغربی سائل کی ہیں- دفتر کے احاطہ میں اب یہ کمرہ سب سے خوبصورت بن گیا ہے، مگر اس کمرے میں جانے کے لیئے کوئی تیار نہیں ہوتا، پھر میں نے جنگ ژن کو اس کمرے میں بھیج دیا-

''کبھی کسی شخص کی موت بھی اس کمرے ہوئی ہے؟'

''غالباً.....یہ کمرہ تو جنگ خاندان کی حکومت سے بھی پہلے کا ہے-''

''لوگ کہتے ہیں یہاں بڑ بڑے ڈنڈے ہوتے تھے، سلاخیں اور پانی میں سزا دینے کے لیئے ٹب وغیرہ؟ اب وہ کہاں ہیں؟''

''نہیں ہال میں منتقل کر دیا گیا ہے-''

''مگر کیوں؟ پہلے والے لوگ تو یہ تشدد چھپ کر کرتے تھے اور تم لوگ یہ کارروائی سرعام کرو گے؟''

''میں مجرموں کو یہ احساس نہیں ہوں ے دوں گا کہ میں انہیں سزا نہیں دوں گا-''

''تھوڑی سی دھمکیاں اور تھوڑی سی مار پیٹ، یہی کافی ہے- آخر مجرموں کے بھی ماں باپ ہیں، وہ بھی اپنی ماؤں اور باپوں کے آنکھ کے تارے ہیں- میں اکثر یہ بھی سوچتا ہوں کہ اگر کبھی میرے اہل خاندان یا بچوں نے کوئی جرم کیا بھی تو میں چاہوں گا کہ ان پر رحم کیا جائے-''

''ہائے اللہ، کہاں کہاں تمہارے خیالات بھٹکتے ہیں- ہم کبھی کوئی جرم نہیں کریں گے اور ہم تو

اپنے بچوں کو پہلا سبق ہی یہی دیتے ہیں کہ جرم کوئی نہیں کرنا- ملک کے قانون میں بھی روز بروز بہتری آ رہی ہے اور قانون کا احترام کرنے والے شہریوں کو ناجائز طریقے سے مقدمات میں نہیں پھنسایا جائے گا-''

ہمارے آباواجداد بڑے مہربان اور رحم دل لوگ تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ دیوتاؤں سے مہربان رہتے اور کارخیر کی دعا کرتے تھے اور دوسری طرف بہت مستقبل کی بنیادیں رکھتے تھے- ہمیں بھی اپنی آنے والی نسلوں کے لیئے اچھے کام کرنے چاہئیں- کچھ ان کے لیئے کارخیر، قانون قانون ہے اور رحم رحم، ہے، قانون کو بھی رحم والا بنانا چاہیے-''

جب میری ماں اور پاپا اس قسم کی گفتگو کرتے تو مجھے یہ گفتگو اچھی لگتی- مجھے پتہ ہے کہ ٹارچر چیمبر وکہاں ہے- جب کبھی میرا ادھر سے گزر ہوا میں اس کا چکر کاٹ کر گئی، میں اس کے قریب نہیں گئی، مجھے ڈر تھا کہ اندر کسی بھوت کا ہاتھ باہر نکلے گا اور مجھے دبوچ کر اندر کھینچ لے گا- چلو اچھا ہوا، یہ مار پیٹ والا کمرہ ختم ہوا اور اب ہمارا نوکر چنگ ژن اس کمرے میں رہا کرے گا-

ماں اور پاپا آہستہ آہستہ اور باتیں بھی کرتے رہے، پھر میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے جالی ہٹادی ہے- پردے اٹھا دیتے ہیں اور وہ کمرے میں آ گئے ہیں- پاپا کے نیلے فر والے فرغل کے ساتھ جو ٹھنڈی ہوا آئی، مجھے اس کی خوشبو آئی- آج پاپا نے تانبے رنگ کی گل داؤدی والی جرابیں اور کالے اونی جوتے پہنے تھے- پاپا کے پہننے سے پہلے ہی میں نے اس کے لیبل اتار لیئے تھے، یوں میں ان کی شکر گزار بھی ہوں، پدرانہ محبت کو بھی محسوس کیا-

ماں اور بابا دونوں مجھ پر جھک گئے- ماں کی سانس بڑی نرم اور دلگداز تھی- انہوں نے مجھے گدگدایا بھی، ان کے گلے کا ہار میرے گالوں کو بھی چھوتا رہا اور مجھے اچھا لگا- مجھے پاپا کے پاس سے بھی اچھی خوشبو سی آئی، ان کی آستینوں میں سے کاغذ اور سیاہی، پھر ٹھنڈی ہوا کی بو اور بروکیڈ کی واسکٹ کی خوشبو- یہ میرے پاپا کی خوشبو تھی، جس کا کوئی بدل نہیں تھا، نہ ہو سکتا تھا-

''اسے چھوئیں نہیں، آپ کے ہاتھ ٹھنڈے ہیں-'' ماں نے آہستہ سے کہا-

''میں نے صرف اس کے بال چھوئے ہیں......اور کچھ بھی نہیں......''

'پھر بھی اس طرح وہ جاگ سکتی ہے-''

''دیکھو یہ ننھے ننھے پاؤں ننگے ہو رہے ہیں اور یہ لڑکی جرابیں پہن کر کیوں سو رہی ہے؟''

''آج اس نے پہلی بار امپورٹڈ جرابیں پہنی تھیں- اسی شوق میں رات کو بھی رکھنا چاہتی تھی، میں نے بہت سمجھایا مگر دلیل کام نہ آئی- اس نے وعدہ کیا کہ وہ رضائی تلائی کو پاؤں مار کر اتار نہیں دے گی، مگر جیسے ہی اسے نیند آئی ہے، اس نے رضائی وغیرہ اتار دی ہے، ماں نے پھر میرے پاؤں رضائی کے اندر کر دیئے اور انہیں پیار سے تھپتھپایا-

''سوتے میں جرابیں اتار لو-''

''جانتے ہو پھر کیا ہوگا، صبح ہوتے ہی ہنگامہ کر دے گی-''

''نہ نہ..... بچہ ہمیں دیکھ نہ لے..... نہ نہ-''

پھر وہ خاموشی سے میرے کمرے سے باہر نکل گئے- نہ نہ کرتے اور پھر میری بھی ایک اچٹتی نظر پڑی وہ ہاتھوں میں ہاتھ دیئے باہر چلے گئے- مجھے عرصے سے شبہ تھا کہ یہ میری غیر موجودگی میں کچھ کرتے ہیں اور اب میں نے انہیں اسی حالت میں پکڑ لیا ہے- تو یہ کارروائی کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑتے ہیں-

''میں بڑے سکون سے گہری نیند میں چلی گئی-''

''صبح میری آنکھ جلدی کھل گئی- میں یخ ہو رہی تھی، دراصل ماں ٹھیک ہی کہہ رہی تھی- جرابوں سمیت سونے سے مجھے لگا جیسے میں بھی پاؤں پر بھی پر رکھنے والے چوزوں جیسی ہو گئی ہوں- نہ صرف میں نے رضائی وغیرہ ہٹا دی بلکہ مجھ پر ماں نے جو کپڑے ڈالے تھے وہ بھی میرے پاؤں کے نیچے دب گئے- پیٹ برف جیسا ٹھنڈا ہو رہا تھا- کہرہ کھڑکیوں کے شیشوں پر جم گیا تھا، جیسے بڑے بڑے پر لگ گئے ہوں- میں نے آہستہ سے کنگھی اٹھائی اور باورچی خانے میں چُن سی کو دیکھنے چلی گئی- وہ بہت صبح صبح اٹھ جاتی اور ایک خاص بوٹی ابالا کرتی جس سے پاپا کے لیئے انڈا بنایا جاتا-

چن سی ذرا میرے بال تو بنا دو، چوٹی کر دو، جلدی کرو اور زیادہ زور سے نہ باندھنا جب کبھی چن سی میرے بال بناتی مجھے بڑا درد ہوتا- ایسے جیسے وہ مجھ سے کوئی انتقام لے رہی ہے- لیکن وہ کہتی تھی کہ میرے بال ہیں ہی بہت زیادہ، اسے باندھنے میں زور لگانا پڑتا ہے- پھر جب ٹائیفائیڈ سے مقابلہ ان پڑا تو میرے سارے بال جھڑ گئے- جب بال اگے تو پہلے سے بھی زیادہ گھنے مگر چھوٹے تھے- چنانچہ چوٹی شروع میں تو بڑی گھنی ہوتی مگر آخر میں پتلی سی چٹیا رہ جاتی- عجیب سی لگتی تھی یہ چوٹی اور اب جب وہ میری چوٹی کر چکی تو ہنس کر کہنے لگی: ''ایسی جھاڑو جیسی چٹیا میں نے کبھی نہیں دی کھی-''

''مگر میرا احساس یہ تھا کہ یہ چوٹی چمکدار کالی مچھلی کی طرح ہے جو ابھی پانی سے باہر آئی ہے-''، چن سی یہ دیکھو میری والیتی جرابیں-''

''یہ تم مجھے کل سے کوئی آٹھ مرتبہ دکھا چکی ہو، کیوں؟ تو اب مجھے بار بار انہیں دیکھنا ہوگا- جاؤ چنگ ژن کے پاس اور اسے دکھاؤ یہ موزے-''

''صبح مجھے تلاش بھی جنگ ژن کی تھی، میں نہیں چاہتی تھی کہ چن سی میرے کام کرے، مجھے چن ژن کو میرے ساتھ سکول جانا ہے، صبح ناشتہ سے پہلے کے پیریڈ کے لیئے- مجھے چنگ ژن کی

جرابیں دکھانے کے لیئے تلاش نہیں وہ بھی تو کوئی آٹھ مرتبہ دیکھ چکا ہے- مجھے اس کی ضرورت تھی کہ وہ مجھے سکول لے جائے، جہاں راستے میں کتے بھی ہوتے ہیں اور پھر راستے میں عبادت والی کھوہ، تہہ خانہ بھی تو ہے، جہاں بہت بڑے پتھر کے اوپر دعائیں کنندہ ہیں- بدرحوں سے بچنے کے لیئے، پھر ایک طلاق یافتہ عورت کا گھر ہے، پھر میدان میں کئی جھونپڑے ہیں، جہاں گداگر اکٹھے ہوتے ہیں- یہ تمام جگہیں سورج نکلنے سے پہلے بڑی ویران ہوتیں، صرف دو چار پیدل جانے والے لوگ اِدھر اُدھر ہوتے-

ٹارچر سیل میں مغربی طرز کی کھڑکیاں لگ گئیں، تو اب وہ واقعی بڑا مختلف سا نظر آتا تھا- لیکن میں اس کے قریب گئی تو پھر مجھے خوف نے دبوچ لیا اور میں نے گھبرا کر چنگ ژن کو آواز دی..... جو میرے گلے سے بڑی مشکل سے نکلی: ''چنگ ژن، چنگ ژن-'' میں نے کئی بار کھڑکی کے شیشوں پر دستک دی، تب جا کر وہ جاگا- اس نے جماہی لی اور منمنایا: ''آ جاؤ-''

میری ماں نے کہا تھا کہ لڑکیوں کو کبھی مردوں کے کمرے میں نہیں جانا چاہیئے، خواہ یہ مرد گھریلو ملازم ہی کیوں نہ ہوں- تاہم یہ کمرہ پہلے والے سے مختلف تھا- اس کی کھڑکیوں میں شیشے لگے تھے- جبکہ پہلے والے کمرے کی کھڑکیوں پر کاغذ لگے تھے- میں نے کوشش کی کہ اندر نہ دیکھوں، پھر بھی جب میں نے سر کو دوسری طرف موڑا تو مجھے اس کا بستر سے اٹھان سارے کا سارا نظر آ گیا- اس نے بھی اپنے اوپر ایک نہیں کئی کپڑوں کی تہیں جما رکھی تھیں- اس نے انہیں اسی ترتیب میں رکھا- صرف آخری کام مختلف تھا- جرابیں اس نے اور ہی ڈھنگ سے پہنیں- اس نے جرابوں کے اوپر بھی ایک اور کپڑا لپیٹ لیا-

پہلے اس نے دو فٹ لمبا کپڑا بچھایا، دیسی گندے بھوسلے رنگ کا- پھر اس نے اپنا اتنا بڑا پاؤں اس کے اوپر رکھ دیا اور کپڑے کو دونوں ہاتھوں سے پاؤں پر لپیٹنا شروع کر دیا- زور لگانے کے باعث اس کے ہونٹ بھی مڑ تڑ گئے اور ماتھے پر بھی تین شکنیں آ گئیں- گویا یہ چیزیں بھی کپڑا لپیٹنے میں اس کی مدد کر رہی تھیں- جب پاؤں پر کپڑا لپیٹ دیا گیا تو پھر اس نے بستر میں سے سوتی جراب نکالی، جو پہلے بھی پہنی جا چکی تھی اور اس کی شکل اس کے پاؤں جیسی بن چکی تھی، پھر اس نے بڑی احتیاط اور زور کے ساتھ اپنا پاؤں اس جراب میں فٹ کیا اور اس کے بعد اس نے دوسرے پاؤں کے گرد کپڑا لپیٹنا شروع کیا-

یوں نہ جانے مجھے کتنے سال اس کا انتظار کرنا پڑے گا- حیرت ہے کہ اسے ہر روز صبح اس کام پر اتنا وقت لگانا پڑتا ہے، دوسری طرف مجھے سخت سردی لگ رہی تھی اور میں پریشان بھی تھی- اگر یہ اسی طرح دیر کرتا رہا، سورج نکل آئے گا اور مجھے سکول جانے میں دیر ہو جائے گی-

آخر کار اس کے پاؤں کپڑے میں لپیٹے گئے، جرقابیں پہن لیں اور پھر اس نے بھرے

ہوئے سوتی جوتے پہن لیئے اور بستر سے اٹھ کھڑا ہوا- اب میں آگے آگے اور وہ پیچھے پیچھے ہم لڑکیوں کے پرائمری سکول کی طرف جا رہے تھے- ماں کا حکم تھا کہ جنگ ژن ہمیشہ میرے پیچھے پیچھے پانچ دس قدم کے فاصلے پر چلے-

تاہم یہ بات کہنے میں آسان اور کرنے میں مشکل تھی- چنگ ژن دراصل گھاس کے کی طرح تھا، لمبا اور ہڈیوں کا ڈھانچہ- اس کی ٹانگیں لمبی اور چوڑی تھیں، جیسے کونج کی ہوتی ہیں- وہ دو چار قدم چلتا تو میرے برابر آ جاتا- ماں کہتی ہیں کہ جب پندرہ برس کی عمر میں وہ ہمارے ہاں کام کرنے آیا تھا، تب ایسا لم ڈھینگ نہیں تھا- بچہ سا تھا، چھوٹا سا، اجڑی اجڑی نگاہیں، اس کا تو کوئی نام بھی نہیں تھا- جب نام پوچھا تو کہنے لگا دوسرا ستون- اس کا باپ جرائم پیشہ تھا- اس پر قرض نہ ادا کرنے کی بنا پر مقدمہ بھی چلا، اس کے علاوہ اور معاملات میں بھی ملوث تھا، چنانچہ سزا دے کر صوبائی دارالحکومت بھیج دیا گیا- یہ بچہ اور اس کی ماں اکیلے رہ گئے- بڑے غریب تھے اور روٹی روزگار کا کوئی وسیلہ بھی نہیں تھا- بابا کو ترس آیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے ہاں آ کر کام کرے، مگر ماں نے تب ہی کہا کہ یہ صرف خور نہ بن جائے اور واقعی یہ کے بس کھائے چلا جاتا ہے، جب وہ سترہ برس کا ہوا تو بابا نے اس کے لیئے بیوی ڈھونڈھ لی، اسے گاؤں میں اپنی ساس کے پاس بھیج دیا کہ وہاں جا کر سسر کے واپس آنے کا انتظار کرے- اسے دفتر میں چپڑاسی رکھ لیا گیا اور اس کا نام چنگ ژن رکھا گیا- اب یہ اپنا نام دکھا کر لوگوں کے پڑھے لکھے یا ان پڑھ ہوں ے کی آزمائش کرتا تھا، وہ پوچھتا: ''اب پڑھنا جانتے ہو؟ میرا نام لکھ سکتے ہو؟'' نام رکھوانے کے بعد گویا وہ واقعی اس دنیا میں آ گیا تھا- اب وہ ہر ماہ پیسے اپنے گھر بھی بھجواتا اور اب وہ یہ بھی کہنا جان گیا تھا کہ ''میں پان خاندان والوں کے ہاں کام کرتا ہوں-'' (خود مجھے اس لفظ یعنی کام کے صحیح معنی معلوم نہ تھے لیکن میں تاثر یہی دیتی کہ میں مفہوم جانتی ہوں) ایک خاص بات یہ تھی کہ جب کبھی اس کی بیوی کا ذکر ہوتا تو اس کا سارا چہرہ نیچے گردن تک سرخ ہو جاتا- ماں اسے مہینے میں ایک بار بیوی کے پاس بھیج دیتی تھیں، اس کے ساتھ وہ مٹھائیوں اور کیک کی بھری ٹوکری بھی دیتیں-

پرائمری سکول گھر سے کوئی زیادہ دور نہ تھا- بس ادھر چلے اور اُدھر پہنچ گئے- مگر اسی اثنا میں بھی وہ اپنی بہت سی باتیں کر جاتا- مثلاً راستے میں آنے والے سارے کتوں کے نام اسی نے مجھے بتائے تھے، یہ کہ لاؤ وانگ کی بیوی بھاری سود پر قرضہ دیتی ہے- لاؤلی کے بچھڑے کی عمر کتنی ہے اور اس برس لاؤلیو نے سویابین کے کتنے کیک بنائے ہیں، وغیرہ وغیرہ- اتفاق کی بات ہے کہ کیک بنانے کے لیئے پہلے تو سویابین کو کھانا پڑتا ہے، پھر ان کے دانوں کی لئی بنانی ہوتی ہے، جن میں پھر خمیر کیا جاتا ہے-

اب ایسی باتیں سننے کو میرا جی نہیں چاہتا تھا، سڑک پر کوئی بچہ نظر نہیں آ رہا تھا، غالباً مجھے دیر ہو گئی تھی- یہ سب چنگ ژن کی وجہ سے ہوا-

''چنگ ژن، میرے آگے آگے چلو-''

''ہرگز نہیں، مالکن کا حکم ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں-'

''تم تیز چلتے ہو، میں تمہارے پیچھے چلوں گی تو تیز ہی چلوں گی ورنہ دیر ہو جائے گی اور ٹیچر مجھے کھڑا کر دے گی-''

''ہم ہر روز اسی وقت اسی جگہ پر ہوتے ہیں، آج بھلا کیسے لیٹ ہو جائیں گے؟ آپ بھلا کیا چاہتی ہیں؟ بلاوجہ فائدہ نہ اٹھائیں، میں آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گی، صرف مالکن کی-''

''اگر تم میرے آگے آگے چلو تو میں یہ تو دیکھ لوں کہ ان جرابوں کے ساتھ تم کیسے بے ڈھنگے چلتے ہو اور تم چلتے ہوئے ٹانگوں پر پروں والے مرغے تو نہیں لگتے-''

''آپ نے کبھی میرا سائز کا مرغ دیکھا ہے؟''

''جرابوں کے اندر پاؤں کپڑوں میں لپیٹنے سے تمہیں بے زاری نہیں ہوتی؟''

''نہیں بس اتنی ہی جتنی ریت آ جانے سے یا روڑا آ جانے سے-''

''یہ اندر والا کپڑا سیدھا رہتا ہے، مڑتا تو نہیں؟''

''کپڑے تو میرے پاؤں کے ارگرد لپیٹے ہیں-''

''ڈھیلے نہیں ہوتے، تم ان کو باندھتے یا گانٹھ تو نہیں دیتے؟''

''اگر وہ ڈھیلے ہو بھی جائیں تو میری جرابیں جو ہیں وہ انہیں سنبھالے رکھتی ہیں-''

''تمہاری جرابیں انہیں دبا کر رکھتی ہیں؟ زور میں، تو پھر تو تمہیں تکلیف ہوتی ہو گی، تمہاری انگلایں تو ایک دوسرے پر نہیں چڑھ جاتیں؟''

اب اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے میرے پیچھے چلتا رہا-

''تمہیں بتانا ہو گا کہ تم کپڑا پاؤں کے گرد کیوں لپیٹتے ہو-'' اس نے بہانہ کیا جیسے سنا ہی نہ ہو-

''اچانک میں مٹی کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئی اور مخالف سے آنے والی ہوا کے باوجود دوڑتی ہوئی چوٹی پر جا پہنچی- میری چوٹی..... کالی مچھلی- میرے پیچھے اڑتی آ رہی تھی اور میری گردن پر گرتی اٹھتی- چنگ ژن ڈر گیا اور اس نے چیخ کر کہا: ''بھائی جلدی سے نیچے آ جائیں، دوسری طرف لوگ باگ پیشاب پاخانہ کر رہے ہوں گے-''

بات ٹھیک تھی، لوگ یہی کچھ کر رہے تھے- اس لیئے میں نیچے اتر آئی-

''تمہیں ہر صورت مجھے بتانا ہو گا کہ تم پاؤں کپڑے میں کیوں لپیٹتے ہو، ورنہ میں پھر ٹیلے پر چڑھ جاؤں گی-''

Masnabooks.org

جرابوں کو گھسنے، پھٹنے سے بچانے کے لیئے۔''

''ایسی بوسیدہ سوتی جرابوں کو گھسنے، پھٹنے سے بچانے کی کیا ضرورت ہے، تم جب بھی اپنے گھر جاتے ہو ایک نیا موزہ لے کر آتے ہو؟ نہیں؟ تو پھر اتنے کنجوس کیوں ہو؟ اتنے محتاط کیوں ہو؟ تمہاری بیوی تمہیں اور جرابیں دے سکتی ہے۔'' میں گھوم گئی۔ اس کے سامنے رکی اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ.....وہ جرابیں بننا نہیں جانتی؟''

''وہ جرابیں بننا نہیں جانتی تو پھر وہ تمہاری بیوی کیسے ہو سکتی ہے، وہ بیوی کس کام کی۔''

چن ژن کو کوئی جواب نہیں سوجھا مگر اس کا مہرہ گردن تک سرخ ہو گیا۔

''تمہارے لئے جرابیں کون بناتا ہے؟'' اب ہم پھر چل پڑے تھے۔

''بڑی ماں بناتی ہے۔''

میں نے دیکھا کہ فقیروں کے گھروں کے پاس ایک گداگر چوپٹ دروازہ کھول کر نکلا۔ میں سخت خوفزدہ ہو کر چپ سی ہو گئی۔ حیرت کی بات تھی کہ میں فقیر سے ڈر گئی، گداگر سے ڈرنے والی بھلا کیا بات تھی۔

اس روز میں واقعی سکول سے لیٹ ہو گئی، غلطی میری تھی۔ دراصل ایک روز پیشتر ہماری ٹیچر نے کہا تھا کہ اگلے روز یعنی آج یہ سیشن آدھ گھنٹہ پہلے ہو گا کیوں کہ اسی روز ایک انسپکٹر آ رہا تھا۔ بچوں کو اس کے معائنے کے لیئے تیار کرنا تھا۔ لیکن میں اپنی کالی گل داؤدی مارکہ امپورٹڈ جرابوں میں اتنی مگن تھی کہ یہ بات ہی بھول گئی۔ مجھے دیر سے آنے پر سزا تو نہیں ملی مگر سب سے آخر میں کلاس روم میں داخل ہوں ابھی تو پریشان کی بات ہوتی ہے، سبھی کی آنکھیں تو آپ پر گڑی ہوتی ہیں، بچوں کا جائزہ لیا گیا۔ پھر سب بچے ناشتے کرتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، لیکن چنگ ژن ابھی تک مجھے لینے نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت تو لوگ ناشتے کا دوسرا دور چلا رہے ہوں گے، عین اس وقت یہ لم ڈھینگ چنگ ژن سامنے والے دروازہ پر نمودار ہوا۔

''تم لیٹ ہو۔ اب اگر واپسی پر دیر ہوئی تو تمہیں زیادہ جلدی کرنی ہو گی۔ آج تو انسپکٹر بھی آ رہا ہے۔ جو کوئی آج دیر سے آئے گا اس کی پٹائی ہو گی دیکھتے جاؤ۔''

''میں نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا۔ مالکن کے کہا تھا کہ مٹروں کے رول (پکوڑے وغیرہ) فقیروں کو دے آؤں۔

واپسی پر میں نے اس فقیر خانہ کو زیادہ غور سے دیکھا، اب اس پر صبح کی دھوپ آ گئی تھی۔ اتنی دھوپ کہ اگر یہ گھر ایک قلفی ہوتا تو آدھی قلفی یا آدھا گھر پگھل گیا ہوتا۔ ایسے اسوچنے کی ایک وجہ تھی، ایک بار ہماری ٹیچر نے ایک کہانی سنائی کہ ایک چڑیل نے بچوں کو پھنسانے کے لیئے ایک

فلفی گھر بنا دیا تھا-

مجھے یوں لگا کہ چونکہ میری اماں نے ان سارے گداگروں کو پھلیوں کے رول بنا کر بھیجے ہیں، تو یہ سب کے سب پتھلا مار کر دیوار سے لگے بیٹھے یہ رول کھا رہے ہوں گے، لیکن نظر تو ایک بھی نہیں آ رہا تھا-

''انہیں پھلیوں کے رول دینے کی کیا ضرورت ہے- وہ بھوکے تو ہیں نہیں-'' پھلیوں کے رول جمے ہوئے تھے، پتھر کی طرح- میں پوچھ رہی تھی کہ انہیں رول کیوں دیئے جائیں؟

''نیا سال آ رہا ہے، مالکن سال کے تینوں تہواروں پر ان کے لیے چیزیں بھیجتی ہیں- ثواب کماں ے کے لئے، آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کیجئے-''

''ماں کس قسم کا ثواب کما رہی ہے- دیوتاؤں سے مہر اور عنایت لو- یہ بھلا کون سا اجازت نامہ ہے؟ اور اس کی قیمت بھلا کیا ہے- کیا ملتا ہے ان کے عوض ،گل داؤدی مارکہ امپورٹڈ جرابیں؟''

''بچے بعض اوقات آپ بڑی ذہانت کی بات کرتے ہو مگر بعض اوقات بالکل غبی- مجھے کیسے خبر ہو کہ اس ثواب کے عوض بندے کو کیا کیا چیز ملتی ہے، شائد درازی عمر یا ایسی ہی کوئی اور چیز-''

''کیا پھلیوں کے رول گداگروں کو دینا ثواب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے؟''

''نہیں سارے اچھے کاموں پر ثواب ملتا ہے- آپ کے پاپا نے توپ خانہ بند کر دیا، معمولی جرم کرنے والوں کو ٹریننگ فیکٹری میں ہنر سیکھنے کے لئے بھیج دیا یہ بھی ثواب کماں ے والی باتیں ہ یں-''

''مگر تمہارے لیئے ایسی بیوی ڈھونڈنا جو جرابیں بھی نہ بن سکے تو یہ تو ثواب والا کام نہیں- تم اسی وجہ سے جرابیں پہننے میں بڑی احتیاط کرتے ہو اور جرابوں سے پہلے پاؤں کپڑے میں لپیٹ لیتے ہو-''

''جب گرمیوں میں زمیں سے بھی گرم ہوا نکلنے لگتی ہے، تم پاؤں کپڑے میں لپیٹے رکھتے ہو، مجھے یاد ہے ایک بار گرم ہوا بگولے کی صورت اجاڑ فقیر خانہ کے قریب سے اٹھی تھی، شور مچاتی، ایسا ہمیشہ گرمیوں کے شروع میں ہوتا ہے، لگتا تھا کہ زمیں میں سے بھاپ کے بادل اٹھ رہے ہیں- اس گرم ہوا کو صرف فاصلے سے دیکھا جا سکتا ہے- یہ لہروں کی طرح جلتی ہے، راستے میں گھاس پھوس کو اور چھوٹے درختوں کو جھکاتی اٹھاتی-''

''کرنا پڑتا ہے- جب زمیں میں سے گرمی نکل رہی ہو تو جرابیں جلدی خراب ہوتی ہیں، اس لئے میں پاؤں کے گرد کپڑے لپیٹتا ہوں اور اگر ایسا نہ کروں تو میری ماں تھک ہار کر مر جائے گی-''

''ماں! چنگ ژن کی ماں بے دم ہو کر مر رہی ہے-'' میں نے گھر پہنچنے سے پہلے ہی یہ اعلان

MashalBooks.org

کر دیا۔

''کیا۔''

''اس صبح کو میں اس کی وجہ سے لیٹ ہوئی کیوں کہ یہ اپنے بدبودار ہیروں پر کپڑے لپیٹتا رہا اور اس طرح بڑی ہی دیر کر دی۔''

''اس کی ماں کا کیا قصہ ہے؟''

''یہ کہتا ہے کہ اگر یہ پاؤں کے گرد کپڑے نہ لپیٹے تو اس کی جرابیں جلدی پھٹ جائیں گی، اور اس کی ماں اور جرابیں بناتے بناتے تھک کر مر جائے گی۔

''ہیں؟''

''ہاں ایک حل ہے۔''

''وہ کیا؟''

''پاپا کل گل داؤدی والی ڈھیروں جرابیں لائے ہیں، ان میں سے کچھ موزے اسے دے دیں، تا کہ یہ ان پر زیادہ وقت صرف نہ کرے۔''

''پر کیوں؟ وہ تو بہت مہنگی ہیں۔''

اگر اس کے پاس امپورٹڈ جرابیں ہوں گی، تو اسے سوتی جرابیں پہننے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر یہ سوتی جرابیں نہیں پہنے گا تو پھر اسے پاؤں کے گرد کپڑا پہننے کی کیا ضرورت ہوگی۔ یوں اس کی ماں جرابیں بناتے بناتے تو نہیں مرے گی۔ نہ میں سکول جاتے ہوئے لیٹ ہو جاؤں گی۔ ٹھیک؟''

اگلے روز ماں نے بابا کے جرابوں کے دو استعمال شدہ جوڑے اور ایک بالکل نیا، یہ جوڑا سفید رنگ کا تھا اور پاپا کو یہ رنگ ہرگز پسند نہیں۔

''یہ چنگ ژن کو دے دو، ان پر سے لیبل نہ اتارنا۔ یہ تحفے کے طور پر دی جانے والی جرابیں ہیں۔ انگلیوں کو گوند نہ لگا لینا۔ ماں ٹریڈ لیبل کے بارے میں بات کر رہی تھیں، مگر میں بھلا اسے کیسے جانے دیتی۔ آخر چنگ ژن کون سے باغ کی بوٹی ہے۔ میں تو بابا کی جرابوں کے لیبل نہیں چھوڑتی۔ میں نے حسب معمول لیبل پر کالی مچھلی کا نشان بنایا اور کہا ''یہ بھی میری ملکیت ہوا۔''

اب چنگ ژن کے پاس امپورٹڈ جرابوں کے تین نئے اور پرانے جوڑے تھے مگر وہ خود کو ان پر مائل نہ کر سکا۔ اب بھی وہ پاؤں پر کپڑا لپیٹتا اور پھر ان پر ماں کی بنائی سوئی جرابیں پہن لیتا۔ جب وہ پچیس برس کا ہو گیا تو اس نے اپنے بچائے ہوئے پیسے سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا۔ اپنے گاؤں میں اور اس پر کاشتکاری کرنے لگا۔

جب میں بڑی ہوئی تو دور دیس میں سفر کر گئی۔ جب بھی مجھے اپنے گھر کی یاد آتی مجھے چنگ

Masha Books.org

ژن یاد آتا، مجھے یاد آئی بچوں کی کہانیوں کی- اس کتاب میں بڑی بڑی ٹانگوں والے جان کی تصویر تھی، جس بیوقوف نے گدھا اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا، اس جان سے مجھے چنگ ژن یاد آجاتا-

گھر کو چھوڑے ہوئے تیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا- مجھے گھر سے ایک بھی خط یا پیغام نہیں آیا- 1980 میں چین کا فولادی دروازہ تھوڑا سا وا ہوا تو مجھے میرے بھتیجے کا خط ملا-

''وہ 1967 کے موسم بہار میں دادی اماں کو دل کا دورہ پڑا، پھر وہ بہت جلد ہی پریشان اور بے حال رہنے لگیں- ریڈ گارڈز آئے اور انہوں نے ہر شے ضبط کر لی- دادا ابا پر الزام لگا کہ وہ دائیں بازو کے ہیں- ان پر یہ الزام بھی لگا کہ انہوں میں ایک غیر قانونی حکومت کے صوبائی گورنر بھی رہے- ان کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا، گلیوں میں کھینچا گیا اور پھر انہیں آبائی صوبے میں بھیج دیا گیا- آخر کار انہیں ایک جلسہ میں سرعام مار دیا گیا- دادا ابا نے کبھی بھی اپنے حق میں اپنے دفاع میں ایک لفظ بھی نہیں کہا- اور یہ بات یہ عمل ہوتا بھی بے سود- انہوں نے صرف یہ کہا: ''میں نے قانون کے خلاف کچھ نہیں کیا- میرا ضمیر صاف ہے- جب وہ مرے تو ان کے تن کے کپڑوں کی دھجیاں اڑ چکی تھیں- جب وہ مر گئے تو ان کی لاش کو سٹیج سے گھسیٹ کر ایک طرف کر دیا گیا- سارا بدن خون میں لت پت تھا- ان کے دو پاؤں باہر تھے، وہ اب بھی حرکت میں تھے، تھراتے ہوئے، جیسے کچھ دیر اور جینا چاہتے ہوں- مجھے اور میری بہن کو زبردستی یہ وحشیانہ تماشا دکھایا گیا- ہم میں سے کسی نے آگے آنے کی جرات نہیں کی- ہمیں بھی ایک خاص فاصلے تک ہی اپنے آپ کو رکھنا تھا، پھر اسی وقت سفید بالوں والا بوڑھا لمبی لمبی ٹانگوں والا گرتا پڑتا اوپر آیا اس نے ان کا راستہ روک لیا، اس نے سفید براق جرابوں کا جوڑا نکالا، جلدی سے اس کا لیبل پھاڑا اور جرابیں دادا ابا کے پاؤں پر رکھ دیں- اس نے کچھ کہا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا- جرابیں بھی یک دم خون سے سرخ ہوگئیں، مگر دادا ابا اگلے جہاں ننگے پاؤں نہیں گئے-

میں نے جرابوں کے لیبل والا مڑا تڑا کاغذ اٹھا لیا اور اپنے پاس یادگیری کے طور پر رکھ لیا- سفید کاغذ پر کالے گل داؤدی کی تصویر تھی- لفظ تھے ''کالا داؤدی برانڈ'' چھپے ہوئے تھے اور پھر کالی مچھلی کی تصویر بھی بنی ہوئی تھی- کاغذ کا رنگ مرور ایام سے پیلا ہوگیا- یقیناً یہ کوئی بہت پرانا جوڑا تھا- حیران ہوں کہ وہ بوڑھا شخص کون تھا، ہمارے خاندان سے اس کا کیا تعلق تھا؟ میں نے اسے پکڑنا چاہا کہ اس سے یہ سب کچھ پوچھوں کہ وہ تو ہجوم میں غائب ہوگیا-

''پھوپھو، کیا آپ بتا سکتی ہیں، وہ کون تھا.....؟''

میں پورا خط نہ پڑھ سکی- آنسو میرے گالوں پر بہہ رہے تھے- میں نے انہیں ہاتھوں صاف کرنے کی کوشش کی مگر وہ بہتے رہے اور پھر اشکوں کی دھند میں مجھے وہ سات آٹھ سالہ لڑکی دکھائی دی جو آگے آگے چل رہی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے گھر کا ایک لم ڈھینگ ملازم..... پھر جوان اور

MashalBooks.org

خوبصورت ماں کا چہرہ آنکھیں ملائمت اور محبت سے بھری ہوئی- پاپا کا ہاتھ ہاتھ میں لیئے وہ اپنی بچی کو سکول جاتے ہوئے دیکھ رہی ہے- اچانک لڑکی مڑتی ہے اور ملازم کی ٹانگوں سے لیٹ کر سسکیاں بھرنے لگتی ہے اور پھر ماں اور پاپا کی پرچھائیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں گم ہو جاتی ہیں-

MashalBooks.org

# موضع لیو میں

(ژولی ہواب 1931ء شنگھائی)

سیبو .....وہ عورت

لیو گاؤں میں دن دن جولائی کی ابھی سہ پہر تھی- تیز دھوپ کی زبان، چھتوں، ندی کناروں، دھائی کے کھیتوں اور کھلے کھلواڑوں کو چاٹ رہی تھی- کھلواڑوں میں کسانوں نے خشک ہوں ے کے لیئے دھان ڈال رکھے تھے- شدید گرمی تھی کہ کوئی ذی نفس نظر نہیں آ رہا تھا- دریائے لیو سے نکلنے والا اچھلتا گاتا نالہ جو آخر میں ایک تالاب میں جا گرتا ہے اس گرمی میں بالکل بے ساکت و ضامت اور خاموش تھا- لیو جو بلی کے عین سامنے-

دوسرے مالک کی حویلی کا پچھلا دروازہ کھلا تھا، دوسری مالکہ نی چن آئی فن اور اس کی بھابھی چن سیبو تالاب کے سامنے کمرے کے اندر بیٹھی تھیں- اس کا سر جھکا ہوا تھا، وہ اپنی بیٹی کے جہیز کے لیئے کشیدہ کاری کا کام کر رہی تھی- کشیدہ کاری کے سٹینڈ پر ساٹن کے کپڑے پر زرد رنگ میں دو بطخیں بنی ہوئی تھیں- ایک دوسری سے ذرا پیچھے اور نیچے کی طرف مگر دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی- چاک سے دو تین لکیریں لہراتی ہوئی کھینچیں اور یوں لگا جیسے بطخوں کے نیچے چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھ رہی ہیں- سیبو کی سوئی موٹی ساٹن کے کپڑے میں سے اوپر نیچے مسلسل تیز حرکت میں تھی- پتیوں پتیوں، پتوں یا بطخوں کا کشیدہ کرنا کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا مگر پروں پر کام کرنا مشکل تھا، اس لیئے اس کی تمام تر توجہ انہی پر تھی- اسے ایک ایک ٹانکا دیکھ بھال کر لگانا پڑ رہا تھا اوپر سے جولائی کی دوپہر اور سہ پہر کے درمیان کی قہر کی گرمی-

پسینے کا ایک قطرہ ساٹن پر گرا- اس نے فوراً سٹینڈ سے ایک سفید تولیہ اٹھایا، اس سے اپنے

ماتھے کا پسینہ پونچھا، تولیے پر سرخ لفظوں میں ''گڈ مارننگ سر'' لکھا ہوا تھا- اس نے سر اٹھایا اور گہرا سانس لیا- باہر اس قدر چندھیا دینے والی روشنی تھی کہ وہ تالاب کے پانی اور ساتھ کے راستے میں تمیز نہ کر سکی- اگر چہار پر دھوپ نہیں پڑ رہی تھی مگر اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا- ابھی اس نے ماتھے سے پسینہ پونچھا ہی تھا کہ ایک دم سے چھوٹے چھوٹے قطرے اور پھوٹ پڑے- اس نے دوبارہ پھر تولیے کو اپنے ماتھے اور چہرے کے ساتھ دبایا- یہ تولیہ اس کا شوہر آئی فو ایک سال قبل شنگھائی سے لایا تھا- پہلے تو وہ اس تولیے کو سنبھالنا چاہتی تھی مگر زیر استعمال سبز پٹیوں والا تولیہ اس قدر تار تار ہو چکا تھا کہ منہ صاف کرتے وقت چبھنے لگتا- چنانچہ اس نے نئے تولیئے نکال لیئے- ایک اپنے بیٹے ٹا چی کے لیئے، دوسرا اپنی ژف جوئی کے لیئے اور یہ اپنے لئے- وہ جب بھی اس تولیے سے منہ صاف کرتی، اسے اس میں سے کافور کی بو آتی-

اس نے آنکھوں کو سکیڑ کر تالاب سے پرے راستے پر نظر دوڑائی- نہ بندہ نہ بندے کا سایہ- ایسی ہی گرم سہ پہر تھی جب تپتی دوپہر میں پچھلی بار اس کا خاوند آیا تھا، اس کے سسر کو لولگ گئی تھی اور اب اسے بخار بھی تھا اور پیٹ بھی خراب تھا- اس کی ساس نے پریشان ہو کر شنگھائی اپنے بیٹے کو بلا بھیجا کہ باپ مرتا ہے- آئی فیو آ گیا اور سات دن ٹھہرا، اس عرصے میں اس کے باپ کی موت کا خطرہ ٹل گیا- سیو ظاہراً تو اپنی ساس پر اعتراض کر رہی تھی کہ اس نے گھبرا کر اسے بلا لیا مگر خاوند سے غیر متوقع میل پر اسے خوشی بھی بڑی ہوئی- آئی فو صبح سے رات تک باپ کی خدمت کرتا، کمر اور ٹانگوں کی مالش کرتا، دوائی پلاتا اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھتا- مگر آئی فو کی راتیں اس کی بیوی کی تھیں- آئی فو کو گرمی سے بڑی کوفت ہوتی تھی- میاں بیوی کے ملاپ کے فوراً بعد وہ پہلو بدل لیتا، وہ اس کے پہلو میں لیٹی رہتی اور اپنے اور اپنے خاوند کو پنکھا کرتی رہتی- خاوند کے جسم کی خوشبو اس کے نتھنوں میں جاتی تو وہ بڑی خوش ہوتی، حالانکہ ان کے جسم فاصلے پر ہوتے-

اب وہ اپنی بیٹی کی شادی سے پہلے گھر نہیں آئے گا، اس نے سفید تولیہ پھر کشیدہ کاری کے سٹینڈ پر ڈال دیا- پسینے کا جو قطرہ ساٹن پر گرا تھا وہ خشک تو ہو گیا مگر ایک گول نشان چھوڑ گیا تھا، جیسے مغربی افق پر صبح کے وقت پیلا چاند- چھوٹی انگلی سے اس نے دھاگوں کی ریلوں کو دیکھا اور پھر روفوانی رنگ کی ریشمی ریل نکال لی- جب سوئی تنے ہوئے ساٹن کے کپڑے سے گزرتی تو پینگ کی ہلکی سی آواز نکلتی- جب اس نے سوئی چلائی تو اسے بیس برس پہلے اپنی شادی کا دن یاد آ گیا- اس کی ماں نے الصبح ہی اسے اٹھنے کو کہا- ہاں ہاں کرتی وہ گرم بستر میں پلیسیٹ لیتی پھر سو گئی، اسے دور سے ماں کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہی تھی: ''سیو ماں تو تمہیں کچھ دیر بستر میں پڑے رہنے کی اجازت دے دی گی، مگر کل اسی وقت تمہیں اٹھنا پڑے گا- سسر ساس کو کوچائے دینے کے لئے، تمہیں چچا نے نہیں بتایا کہ چن بڑا معزز خاندان ہے اور وہ اپنے اصولوں کے بڑے پکے ہیں؟

MashalBooks.org

میری بچی تمہیں بہت ہی محتاط رہنا پڑے گا- جلدی اٹھو دیر سے سوؤ- جب کوئی زیادتی ہو جائے، کیسی بھی ہو ناگواری کا تاثر چہرے پر نہیں لانا- تمہارا چچا کہتا ہے کہ ان کا بیٹا شریف نیک مزاج کا ہے، خود کو اس کی اچھی بیوی ثابت کرو-

کسی نے اسے ایک دم سے زور سے ہلایا، وہ ایک دم جاگ گئی- چانگ تاما ہمسائی تھی- دلہن مبارک ہو- آج کا دن بڑا نیارا ہے، ابھی تک اٹھی بھی نہیں ہو؟ اللہ جلدی کرو، میں، میں تمہارے سنگھار کے لیئے آئی ہوں-

اپنے نئے گلابی رنگ کے انڈرویئر کے اوپر اس نے ماں کی جیکٹ پہن لی اور روشنی کی خاطر کھڑکی کے سامنے بیٹھ گئی- تاما پیالے میں ٹھنڈا پانی لے آئی، اس میں کوئی ایک فٹ لمبے دھاگے کو بھگویا، پھر اسے دونوں سروں سے پکڑ کر سیئو کے ماتھے پر دبایا- پھر دانتوں سے اپنی طرف کھینچ کر زیور سے چھوڑ دیا، وہ پھر سیئو کے ماتھے سے جا لگا- ہر بار دھاگا لگنے سے اسے درد ہوتا، وہ منہ بناتی- ابھی دھاگا چانگ تاما کے منہ میں تھا کہ وہ کہنے لگی: ''میری دلہن اگر تمہیں اس دھاگے سے درد ہوتا ہے تو پھر انتظار کرو، جب تم بہو بن جاؤ گی تو تمہیں بڑے بڑے دکھ درد اٹھانے پڑیں گے-''

جب دھاگے والا عمل مکمل ہوا، چہرے کے مسام کھل گئے، چہرہ ملائم ہو گیا، چانگ تاما نے چہرے پر گیلا گیلا پاؤڈر لگا دیا- پھر اس نے تھوک سے تیل بھگوئی اور سیئو کے ابروؤں پر لگائی- پھر پانی میں روح ملائی اور ہونٹوں پر ملنے کے علاوہ اسے چہرے پر بھی پھیلا دیا- پھر پیچھے جا کر اپنے سیئو کے گھنے سیاہ بالوں کی دو حصوں یا جوڑوں میں تقسیم کیا وران میں موتیوں والی پنیں لگائیں- اس کا کام پورا ہو گیا، اس نے شیشے میں سیئو کو دیکھ کر کہا: ''باجی لی میں اونچا بول نہیں بول رہی، سارے گاؤں میں تمہاری سیئو کا جواب ہی نہیں- اسی وجہ سے تو چن خاندان والوں نے اتنی دور ان پہاڑی علاقوں سے تمہاری بیٹی کا رشتہ لیا ہے، حالانکہ ان کے اپنے گاؤں میں بے شمار لڑکیاں موجود تھیں-

سیئو نے شیشے میں بھی دیکھا، اس نے بستر پر اپنی شادی کے کپڑے ڈال رکھے تھے- چیری رنگی بروکیٹ کی دھاری دار جیکٹ'' گلابی بلڈوشال، گلابی شلوار، جوتوں کا جوڑا، جس پر موتیوں کا کام- اس نے چانگ تاما کی طرف سے بیٹی کی تعریف پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اس نے اپنی جیکٹ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا- یہ دیکھ کر سیئو کا دل بھی بھر آیا- تاہم شیشے میں سنگھار کی وجہ سے اس کا چہرہ تازہ اور تنا ہوا نظر آتا تھا اور اس پر پاؤڈر بھی بھیگ رہا تھا، اس نے اپنے آنسو روکنے کے لیئے اپنے کولھوں پر زور زور سے ہاتھ مارے-

''باجی لی، آپ اب بھی دلگیر ہو رہی ہو؟ سیئو کی شادی بڑے اچھے خاندان میں ہو رہی ہے،

جہاں روئی کپڑے کی کوئی پریشانی نہیں اور پھر یہ امیر رشتہ دار آپ کو وقتاً فوقتاً ملنے کے لیئے آئیں گے- اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو اتنے زور سے ہنستی کہ میرے ہوں ٹ پھٹ جاتے اور ذرا اپنے آپ کو دیکھا، کیسے رو رہی ہو؟'' وہ تیزی سے بڑھی اور لی کو سیدھا اٹھا کر کہا: ''اپنی سیبو کو شادی کا جوڑا پہنانے میں میری مدد کرو- ابھی شادی والے ڈولی آ جائے گی-''

سوئی پریں بناتی ایک دم اس کی انگلی میں چبھ گئی- ساٹن کے کپڑے والی سیبو کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور انگلی کو لہو چوسنے کے لیئے منہ میں ڈال لیا- پھر اس نے سوئی کو اس جگہ پر رکھ دیا، پھر اس نے اگر دن کو دبایا اور سستانے لگی- ادھر تالاب کی اوپر کی سطح پر بلبلے تیر رہے تھے، جیسے گرم تیل بڑے برتن میں پڑا ہو تو جھاگ اوپر آ جاتی ہے- تالاب کی طرف سے ہوا کا گرم جھونکا اس کے منہ کو چھوتا اس کے سلیٹی رنگ کے بلاؤز میں گزر گیا- اس نے کالر کھولے اور خود کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے بلاؤز کو اِدھر اُدھر سرکایا- پھر اس نے ارد گرد دیکھ کر اطمیں ان کر لیا کہ کوئی ہے تو نہیں اور پھر دائیں ہاتھ سے بلاؤز کے کچھ اور بٹن کھول دیئے، یوں اس کی گردن اور سینے کا کچھ حصہ ننگا ہوا، جب اس کی انگلیاں چھاتی سے لگیں تو اسے اپنی جلد ویسی ہی ریشمی اور ٹھنڈی لگی جیسی بیس برس پہلے تھی-

ی اچانک اسے چکر سا آ گیا، اس نے دائیں ہاتھ سے خود کو سنبھالا، اس نے جبڑے کو ہاتھ کا سہارا دیا اور کہنی ایمبر ائڈری سٹینڈ پر ٹکا دی، اس کی آنکھیں ایسے سرخ ہو رہی تھیں جیسے شراب پی رکھی ہو، اس نے پھر تالاب کے پاس سے گزرتی راہ گزر کو دیکھا اور اسے پھر اپنی شادی کی پہلی رات یاد آ گئی- اس کے خاوند نے اسے پچکار کر انڈرویئر اتارنے کے لئے کہا- اس نے ایک احمق کی طرح ہکلاتے ہوئے اعتراف کیا کہ اس نے اپنی بائیس سالہ زندگی میں کسی عورت کو عریاں حالت میں نہیں دیکھا تھا- سیبو کا چہرہ شادی والی موم بتی کی طرح سرخ ہو گیا- ہاتھ موم بتی کے شعلے کے سائے کی طرح لرزاں تھے اور انہی کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے انڈرویئر اتار دیا- شریر رنگ کی ریشمی چادر پر اس کی جلد برف سے بھی زیادہ سفید لگ رہی تھی- کچھ خوف، کچھ خفت کی حالت میں اس نے اپنا سر جھکا لیا اور جیسے ہی اس کے کانپتے ہاتھ بڑھنے والے تھے، اس کی نظریں چینی سے بھی زیادہ سفید اپنی چھاتیوں پر پڑی وہ اب ساری جلد پر ہاتھ پھیرنے کے لئے مشتاق تھا، جلد ہی اس کے ہاتھ چھاتیوں سے ہٹ کر نیچے اس کی کمر کی طرف پھیل گئے-

شادی کے ایک ماہ بعد وہ شنگھائی میں اپنا خشک ساماں والا سٹور چلانے چلا گیا اور بیوی کو والدین کی خدمت کے لئے چھوڑ گیا- اس کے سسر نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی تھیں، سلیٹی رنگ کی - وہ ڈرائینگ روم میں بڑے ہشت پہلو میز کے پاس صبح سے لے کر رات تک بیٹھا رہتا، وہ دن بھر میں بمشکل آٹھ جملے بولتا، مگر اپنے پائپ کو صاف کرتے اور چینی کے نیلے رنگ کے راکھ دان

سے بچاتا اور یوں اپنے ہونے کا احساس دلاتا- یہ راکھدان شیر کی کھال کے ٹکڑے پر رکھا ہوتا- جب وہ اس سے بات کرتا تو وہ اس کی طرف ہرگز نہیں دیکھتا- شروع شروع میں وہ چائے کے ساتھ نمکین پانی کا گلاس لانا بھول جاتی تو پھر ڈرائینگ روم میں سے نظریں باہر صحن میں گھماتے ہوئے اپنی عام یکساں آواز میں کہتا: ''پھر پھول گئی؟'' اگرچہ یہ لفظ سخت لہجے میں نہیں بولے جاتے، مگر اس کے باوجود وہ ڈر جایا کرتی-

اس کی ساس ظالم تھی- اس کا چہرہ سرخ اور بھورا تھا اور اس پر مثلث شکل کی آنکھیں- اس نے لونڈی کو اس وقت خریدا تھا جب وہ تین برس کی تھی، اسے ڈانٹتے ہوئے وہ دہکتی ہوئی سلاخ اس کے منہ کی طرف کر دیتی- کبھی کبھی یہ سلاخ اس کے منہ کو جا لگتی اور پھر گوشت کے جلنے کی تڑتڑ سنائی دیتی- باندی بیچاری رونا تو کجا اونچا سانس تک نہ لے سکتی، جبکہ اس کی حالت کو دیکھ کر سیجو کا سارا جسم کانپ اٹھتا- اس کی ساس اس کے ساتھ تو ایسی کمیں ی حرکت نہیں کرتی تھی لیکن جب وہ تیز نگاہوں سے اس کے سارے جسم کا جائزہ لیتی تو سیجو کا جی چاہتا کہ اس کی رنگت سفید نہ ہوتی، مضبوط تراشیدہ چھاتیاں نہ ہوتیں، نہ پتلی کمر ہوتی اور نہ ہی اس کے خوبصورت ابھرے ہوئے کولھے یہوتے، وہ صرف اور صرف لکڑی کی عورت ہوتی- جب آئی فو گھر پر نہیں ہوتا تو ساس کی نظریں قابل برداشت ہوتیں، لیکن جب وہ گھر میں ہوتا تو ساس اتنے غصے کے ساتھ اسے دیکھتی کہ سیجو کو گماں ہوتا کہ ابھی آنکھوں سے خون کے فوارے چھوٹ پڑیں گے-

آئی فو سال میں صرف تین بار گھر آتا- جنگ کے موقع پر موسم خزاں کے بیچ میں سال نو کی چھوتیں و میں ہر بار وہ دس دن سے لے کر پندرہ دن تک رہتا، اس طرح سال میں کم از کم تیس دن سیجو بہت خوش رہتی مگر ان تیس دنوں میں بھی وہ بروقت تو خاوند کے پاس نہ ہوتی- جب خاوند گھر پر ہوتا تو اسے اور فرائض بھی ادا کرنے ہوتے، پرکھوں کی عبادت، ان کی قبروں کی زیارت، کرایہ کی وصولی، رشتہ داروں سے ملاقات- گھر کے ساز وساماں کی فراہمی، مرمت اور اسی قسم کے گھریلو کام جن میں ایک بھی لمحہ فراغت کا نہ ہوتا- دوسری طرف سیجو کی بھی معمول کی مصروفیت، کھانا بنانے والے ملازمیں کی نگرانی، صبح اور شام کی چائے خود پیش کرنا اور سال نو کے موقع پر مبارک کے لیئے آنے والے لوگوں کو دن میں کئی کئی بار چائے اور مٹھائی پیش کرنا پڑتی- بعض اوقات تو یوں ہوتا کہ سارا سارا دن اسے خاوند سے بات کرنے کے لیئے وقت نہ ملتا- یعنی کھانے پر بھی نہیں کیوں کہ کھانا وہ ہمیشہ اپنے والدین کے ساتھ کھایا کرتا اور اس موقع پر سیجو ان کو کھلانے پلانے کے لئے مصروف ہوتی اور اُن کے بعد خود نوکروں کے ساتھ باورچی خانہ میں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتی-

جب بھی آئی فو گھر پر ہوتا سیجو کی ساس سیجو کے لئے طرح طرح کے فالتو کام نکالنے کی خاطر بڑی دماغ سوزی کرتی- مثلاً دبیز کپڑے کی کئی تہوں کو اکٹھا سی کر ان کے جوتے بنانا،

رضائیوں کے پوش کے بلوں کی سلائی، جیکٹوں کے اوپر آرائش کا کام اور جرابوں کو رنگنا- دونوں ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہوتیں- ساس اپنا حقہ گڑگڑاتے اور بیچ بیچ میں بہو کو کام بھی بتاتی اور ٹوک بھی کرتی، بہو یہ سارے فالتو کام کرتی رہتی- سیمو غصے سے جل نہیں جاتی مگر غصہ کی لہر سر سے ہوتی چھت کی طرف چلی جاتی، گرم بخارات کی طرح اور یہ لہر اس دھوئیں میں مل جاتی جو ساس کے حقے سے اٹھتا رہتا-

دونوں اس وقت تک بیٹھی رہتیں جب تک اس کا سسر اپنی مدہم مگر تھکی ہوئی آواز میں کہتا: ''اُسے جانے دو اب خاصی دیر ہوگئی ہے-''

سیمو ہشت پہلو لیس اٹھا کر ڈرائنگ روم سے نکل کر صحن کو عبور کرتی اور تاریک راہداری میں چلی جاتی- اگرچہ اس کا دل خاوند سے ملنے کے بے تاب ہوتا مگر وہ پھر بھی بہت آہستہ آہستہ قدم بقدم آگے بڑھتی، اسے پیچھے دیکھے بغیر بھی یقین ہوتا کہ اس کی ساس بھاری پردہ ہٹا کر اسے دیکھے جارہی ہے-

اس نے ایک بار پھر سوئی اٹھائی، سیئر دھاگا نکالا اور چار لفظوں کی کڑھائی کرنے لگی: ''سو سالہ امن وسکون-'' اگرچہ وہ سکول میں چند سال ہی پڑھی تھی لیکن ان لفظوں سے بھی آشنا تھی اور ان کے معنی بھی جانتی تھی- اس کی بیٹی کا منگیتر شن لی خوش مزاج لگتا تھا اور اسے امید تھی کہ شادی کے بعد وہ خوش وخرم رہیں گے- آئی فو سے اس کی شادی کو بیس سال ہو گئے تھے اور اس طویل عرصہ میں اس کے خاوند نے ایک بار بھی اس سے تلخ کلامی نہیں کی تھی- وہ سال بھر میں بمشکل تیس دن کے لیئے گھر آتا، گویا بیس سال کے عرصے میں بمشکل دو سال مگر وہ بڑے خوش تھے، ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، جب کبھی اکٹھے ہوتے اب ایک لمحے میں سے خوشی نچوڑ لیتے- رات کو بستر میں مچھر دانی کے اندر وہ سینکڑوں مرتبہ ساتویں آسماں پر پہنچ گئی- غیر شعوری طور پر اس نے سوئی پرتتا نک دی اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ دیا- کچھ تو شدید گرمی کی وجہ سے اور کچھ ان راتوں کی یادوں کے ابعث اس کی پلکیں بھاری ہوں لگیں، سینے کے اندر تپش بھر گئی اور یوں لگا گویا جسم اپنی قوت سے محروم ہوگیا ہے-

اس کی ساس اس کی جتنی بھی بے قدری کرتا رہتی، آئی فو خود کبھی اس کے خلاف کوئی بات نہ کرتا- ایک رات جب وہ بستر میں تھے آئی فو کی انگلیاں اس کے سینے کے ایک نرم سے داغ پر رک گئیں- اس نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' تو کہنے لگی: ''میں نے خود جلایا ہے-'' اب وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس نے کیوں خود کو جلایا-

''میں سوئر کی چربی بھون رہی تھی، بڑی اماں آئیں، انہوں نے ایک ٹکڑا اٹھا کر چکھا، وہ ابھی کڑکڑایا نہیں تھا، انہوں نے ٹکڑا واپس فرائر میں پھینک دیا اور تیل کے چھینٹے اس پر پڑ گئے-''

MashalBooks.org

اصل میں شدید گرمی کے باعث سیو نے اپنی قمیض کے مزید بٹن بھی کھول لیئے تھے، اس کی ساس نے چربی کا ٹکڑا ابلتے تیل میں پھینکتے ہوئے بڑے غصے سے کہا: ''تمہارا مرد تو گھر پر نہیں، پھر اس نمائش کی کیا تک ہے؟'' سیو نے باقی واقعہ تو بیان کر دیا مگر اس کا یہ جملہ چھوڑ دیا-

اس اندھیرے میں اس کا خاوند کچھ نہیں بولا مگر دونوں انگلیوں کو داغ پر پھیرتا رہا- سیو کو لگا جیسے دو چونٹیاں اس کے جسم پر چل رہی ہیں- گدگدی سی ہوئی تو اس نے گھٹنوں کو جسم کے ساتھ دبا لیا جو اصلاً آئی فو کی رانوں میں جا لگے- غیر متوقع طور پر آئی فو نے اسے اپنی طرف کھینچا، اس کے جسم کو سیدھا کیا اور بڑے زور سے بھینچ لیا-

''ین جوئی کی شادی ہو جائے گی، تاچی بھی بیوی والا ہو جائے گا- والدین بھی گزر جائیں گے تو میں تمہیں شنگھائی لے جاؤں گا- وہاں رہنے کے لیئے..... تم اور میں..... شنگھائی زبردست شہر ہے- ہر مقام اور ہر شے سے لطف اندوز ہوں ے کے قابل- میں تمہیں گھومتی تصویریں بھی دکھاؤں گا-''

''وہ کیا ہوتی ہیں؟''

دوسرے سیلز میں وں سے مل کر میں بھی کئی بار دیکھنے گیا- یہ جو غیر ملکی لوگ ہیں- یہ سرعام سب کچھ کرتے ہیں- جب میں پہلی بار گیا تو مجھے دیکھنے کی حیرت نہیں ہوئی، دوسرے سیلز میں وں نے مجھے جھینپو کہنا شروع کر دیا-

''بدیسی لوگ کیا کرتے ہیں؟''

''آئی فو نے وہ سب کچھ کر کے دکھایا تو وہ اندھیرے میں رُک رُک کر ہنستی رہی، پردوں کے جستی کنڈے آپس میں ٹکرا کر کھنک پیدا کرتے رہے-

''اس نے بڑے پیار میں، مگر اس کی بات کا یقین نہ کرتے ہوئے کہا: ''میں دیہاتی عورت ہوں، دنیا نہیں دیکھی، تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو؟''

''میں نے کبھی تمہیں بیوقوف بنایا ہے؟' اس نے بڑی ملائمت سے اس کے سینے کے داغ کو ٹٹولا: ''میں کسی روز تمہیں شنگھائی لے جاؤں گا- جہاں صرف تم اور میں ہوں گے-''

سیو نے تالاب سے پرے پگڈنڈی کو بڑی امید کے ساتھ دیکھا- شنگھائی کس طرف ہے؟ کیا اسی پگڈنڈی پر چل کر شنگھائی پہنچا جا سکتا ہے- آئی فو نے اسے بتایا تھا گاؤں سے نکل کر دیوتاؤں والے پیازوسے ہو کر نیچے بیس لئی تک جاؤ، وہاں سے رخانی جہاز میں بیٹھ کر ایک دن اور دو راتوں کے بعد تم شنگھائی میں ہو- اتنی دور؟ کیا زندگی میں اسے کبھی شنگھائی جانے کا موقع واقعی ملے گا؟ یہ سچ ہے اس کے سسر ساس بڑے ضعیف ہیں مگر ان کی صحت اچھی ہے- بیمار بھی کم ہی ہوتے ہیں- ''ہا-'' اس نے گہری سانس لی- ٹھوڑی کو ہتھیلی پر ٹکا کر وہ پگڈنڈی کی طرف دیکھتی

رہی- اب وہ صرف اس امید پر تھی کہ ژن جوئی کی شادی پر آئی فو گھر آئے، کچھ زیادہ دن اس کے ساتھ رہے اور پھر شنگھائی چلا جائے، اس کا ہاتھ گردن سے ہوتا ہوا اس کی چھاتی کے اوپر والے ننگے حصے پر چلا گیا- داغ تو کب کا مٹ چکا تھا مگر غور سے دیکھنے سے وہاں پر اب بھی ایک ہلکا سا گلابی داغ نظر آ جاتا تھا- آئی فو کے اس داغ پر انگلیاں پھیرنے سے اسے جو احساس مسرت ہوتا تھا وہ اس پر چھا گیا اور اس نے آنکھیں موند لیں-

اس کیفیت میں اسے تالاب کے پاس والے راستے پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا، وہ کب سے وہاں کھڑا تھا- اس کا اسے اندازہ نہ تھا- پہلے تو اسے خیال آیا کہ پچھلی بار کی طرح اب کے آئی فو پھر غیر متوقع طور پر آ گیا ہے- اسے اس قدر خوشی ہوئی، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور اسے قابو میں رکھنے کے لیئے اس پر ہاتھ رکھ دیا- مگر جب اسے ہوش سا آیا اور دوبارہ دیکھا تو وہ اس کا خاوند نہیں تھا- اس شخص نے ریشمی قمیض پہن رکھی تھی، جو آگے سے کھلی تھی-

چمکتی دھوپ میں اسے اس کی چھاتی پر بالوں کی دو جھالریں نظر آئیں- اس نے ڈھیلا سا ریشمی پاجامہ پہنا ہوا تھا اور ناف سے نیچے- دونوں ہاتھ کولھوں پر جو باہر کو نکلے ہوئے تھے، آستیں چڑھی ہوئی اور بازوں پر ایک ابھرتی رگ- سیو کا ہاتھ خود بخود چھاتی سے نیچے آ گیا اور وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی- بھلا چانگ چنگ بدمعاش کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے- گاؤ لیو کا بدنام زماں ہ بدمعاش-

اس سال اس کے خاوند کے گاؤں چن برج پر جاپانیوں نے قبضہ کر لیا تھا، وہاں چھپے گوریلوں نے ایک رات حملہ کر کے درجن بھر جاپانیوں کو قتل کر دیا تھا- دشمن غصے سے پاگل ہو گیا اور اس نے پورے گاؤں کو آگ لگا دی- آئی فو کی باندھی آدھی رات کو رفع حاجت کے لیئے اٹھی تو اس نے دیکھا غلے والی کوٹھی میں آگ لگی ہوئی تھی، اس نے شور مچا کر سارے گھر کو جگا دیا- گھر پر مرد کوئی نہ تھا، آئی فو شنگھائی میں تھا اور تاچی پر منال کے دوسرے گاؤں میں- ایسی صورت میں پہاڑوں میں جوان ہوں ے والی دہاتی سیو نے دلیری دکھائی اور ساس اور سسر کو ایک ایک کر کے گھر سے باہر نکالا- پھر اپنی بیٹی، ملازمہ اور دوسرے ملازم کی مدد سے اس نے کچھ کپڑے اور زیورات بچا لیئے- وہ رات انہوں نے عذاب میں گزاری اور چلتے چلتے اپنی نند کے گاؤں لیو پہنچ گئے- لیو گاؤں میں اس کی نند کا مرتبہ خاصا بڑا تھا-

گاؤں لیو پر تو دشمن نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا- جب پہلی بار جاپانیوں نے حملہ کیا تو لیو چانگ چنگ نے گاؤں کے کچھ بوڑھ یلوگوں کو جاپانیوں کے استقبال کے لیئے اکٹھا کیا- البتہ عورتیں جاپانیوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیئے یا تو چھپ گئیں تھیں، یا انہوں نے بھیس بدل لیا تھا- لیو چانگ چنگ جب جوان ہوا تو اس کے لچھن اچھے نہ تھے، چنانچہ اس کی ماں نے اسے گاؤں کے

دوسرے لوگوں کے ساتھ مختلف بندرگاہوں پر کام کرنے کے لیئے بھیج دیا- وہ بیس برس تک گاؤں سے غائب رہا- جب جنگ شروع ہوئی تو یہ اچانک نمودار ہو گیا اور اس نے تاثر یہ دیا کہ وہ اب مالدار آدمی ہے- وہ دن رات آوارہ خرامی کرتا، سگریٹ ہوں ٹوں کے کونوں میں نچاتا، گریبان کھلا رکھتا اور دونوں ہاتھوں بدمعاشوں کی طرح پشت پر رکھتا- گاؤں کا ہر آدمی اس سے گریز کرتا- پھر جب دشمن گاؤں میں داخل ہوا تو اس کی ٹوٹی پھوٹی جاپانی نے اسے راتوں رات بڑا اہم آدمی بنا دیا- اس نے گھر گھر جا کر غلہ، شراب اور ریشمی کپڑا اکٹھا کر کے دشمن کے کیمپوں میں پہنچایا- جاپانی اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے اسے گاؤں کا سربراہ بنا دیا- چند دنوں کی مدخ کے بعد جاپانی اپنے ہیڈ کوارٹر واپس چلے گئے، وہاں پر قبضے کے لیئے چند فوجی چھوڑ گئے، جیسے ہی جاپانی گئے لیو چانگ چنگ تو گویا گاؤں میں باون گزا بن گیا- جو لوگ سامنے آنے پر اس سے منہ پھیر لیا کرتے تھے اور اس کی غیر موجودگی میں اسے غنڈہ کہا کرتے تھے اب اس کے سامنے کو دب رہتے اور اسے جناب سرکار کہہ کر مخاطب کرتے- اس کے من میں جب آتی وہ منہ میں سگریٹ دبائے، ہاتھ کمر پر رکھے کسی بھی گھر کے اندر گھس جاتا، جب مزاج زیادہ خراب ہوتا تو دیدے زمیں سے آسماں تک گھما کر بات کرتا-

سیو کی نند کی شادی لیو حویلی کے لو لی شیہ چن سے ہوئی تھی جو اس حویلی جائداد کا دوسرا وارث تھا- اگر چہ وہ کچھ عرصہ ہوا مر گیا تھا مگر اس خاندان کا رعب داب بدستور قائم تھا- مثلاً اگر لیو چنگ چانگ لیو حویلی میں ایسے داخل ہوں ے کی جرات کرتا تو ایک نوکر بھی چھری لے کر اسے اس طرح باہر نکال دیتا، جیسے کتے کو مار کر نکالا جاتا ہے- مگر اب وہ گاؤں کا سربراہ بن چکا تھا اور کئی بار درانہ اس حویلی میں آیا تھا اور رات کے کھانے تک وہیں ڈٹا رہا تھا- آئی فن نوکر کو کہہ کر اس کے لئے شراب کا بھی اہتمام کرتا-

جب سے سیو یہاں آئی تھی لیو چانگ چنگ کے اس گھر کے پھیرے زیادہ ہو گئے تھے- وہ جب بھی اسے دیکھتا اس کی نظریں اس کے جسم پر گڑ جاتیں- وہ کتے کی طرح اس کا پیچھا کرتا رہتا اور بڑی بھابی کہہ کر عزت سے بلاتا- جب وہ چلا جاتا تو اس کی ساس اسے طعنہ دے کر ہاتھ ہلا ہلا کر کہتی: ''تمہارا آدمی یہاں نہیں ہے، کچھ اپنی عزت کا خیال رکھ- یہ تو پیدائشی غنڈہ ہے- وہ بری سے بری حرکت کر سکتا ہے- تم اپنی کرانتی کیوں لچھاتی پھرتی ہو؟ تم تو خود جلدی ہی ساس بننے والی ہو تو پھر یہ اوچھی حرکتیں کیوں کرتی ہو؟''

سیو کی نند آئی قین کو بھی یہ باتیں بری لگتیں- اس نے کہا: ''اماں سچی بات تو یہ ہے کہ وہ ہم سب کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کرتی ہے- اس بے چاری نے تو کچھ بھی نہیں کیا- میں بھی تو اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی، ہنس رہی تھی، بھلا اور بندہ کر ہی کیا سکتا ہے- ضرب المثل ہے کہ گورو

سے تو بات ہو سکتی ہے مگر اس کے چیلوں کے ساتھ کون نمٹ سکتا ہے- گاؤں کے سارے انسانوں کی زندگی اور ان کی جائدادیں ساری اس کے قبضے میں ہیں، جو کوئی اس کی تابعداری نہیں کرتا وہ مصیبت کو آواز دے رہا ہے-

اب یہ لیو چانگ چنگ، ہوں ٹوں کے کونوں میں سگریٹ کو نچاتا، کمر پر ہاتھ رکھے کھلے گریبان میں چمکتے بالوں کے ساتھ نگاہوں کے ڈورے اس کے چہرے پر پھینک رہا تھا، اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں جھکائیں اور سر بھی جھکا لیا- جلدی میں سوئی ہاتھ سے نکل گئی، اسے اٹھانے کیلئے فرش پر بیٹھ گئی، اچانک ایک سایہ فرش پر پڑا- اس نے اوپر دیکھا اور چنگ چانگ کی آوارہ نظروں سے دوچار ہوئی جو دروازے پر پہنچ چکا تھا- اس کی زیادہ سفیدی اور کم سیاہی والی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹ کر اس کی گردن اور چھاتی پر پڑیں، اس کا منہ ایک دم کھلا اور سگریٹ فرش پر گر پڑا-

''بھابی جی، بہت گرمی ہے، آپ کو تو گھر میں نیند کرنی چاہیے تھی؟'' سیو کہنے لگی- اس نے ایک ہاتھ سے اپنے سینے کو ڈھانپا اور دوسرا ہاتھ کشیدہ کاری کے سٹینڈ پر رکھ کر اٹھنے لگی-

''چن سیو، میں تو ایک عرصہ سے تمہارے ہی خیال میں رہتا ہوں کہ مجھے نیند تک نہیں آتی، سی سی-'' اس نے شرارتاً کہا-

نمبردار کو مذاق کرنے کا بڑا شوق ہے، ہاں بیٹھ جائیں- میں نوکرانی سے کہتی ہوں آپ کے لیئے چائے لے کر آئے- بے خبری میں اس کا ہاتھ سٹینڈ پر پڑا اور سوئی اس کی ہتھیلی میں چبھ گئی- اس نے ایک دم سی کی اور دوسرے ہاتھ سے ہتھیلی کو سہلانے لگی- اس کا بلاؤز پھر کھل سا گیا-

لیو چانگ چنگ آگے بڑھا اور اس کی کلائی پکڑی اور اس کا ہاتھ روشنی کی طرف کر دیا-

''دیکھوں تو سوئی چبھ گئی ہے- میں اسے ابھی ٹھیک کرتا ہوں شرطیہ-'' اس نے اس کی انگلیاں سیدھی کیں اور اس کا ہاتھ اپنی چھاتی کے ساتھ لگا لیا، اس کی ہتھیلی نے گوشت کی گرمی کو محسوس کیا اور چھاتی کے بالوں کو بھی- سیو کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی-

''نمبردار جی، نمبردار جی، مجھے جانے دیں، ہمیں کوئی دیکھ لے تو یہ میرے لئے مرنے کا مقام ہے- اس نے جان چھڑانے کی کوشش کی- لیکن اس میں زور کوئی نہیں تھا، وہ پھر بھی کوشش کرتی رہی-

''ہمیں بھلا کون دیکھے گا-'' بوڑھا تمہارا سسر اور بڑھیا دونوں سوئے پڑے ہیں- تمہاری نند آئی فنتو اپنے رشتہ دار کے گھر بازی لگانے گئی ہے اور تمہاری بیٹی اگلے گاؤں گئی ہوئی ہے، تو پھر کون ہمیں دیکھے گا-'' اس نے اسٹینڈ کے اوپر سے اپنا منہ اس پر جھکا دیا- ''چن سیو جب سے تم اس گاؤں میں آئی ہو مجھے ای ک رات بھی چین نصیب نہیں ہوا- تمہارا خاوند تو اندھا ہے جس نے

تمہیں یہاں چھوڑ رکھا ہے، راتوں کو تکیے کے ساتھ لیٹ لیٹ کر رونے کے لیئے- میں جانتا ہوں مجھے خبر ہے تم مجھے ناپسند نہیں کرتیں- کہو کہ میرا اندازہ صحیح ہے؟''

''نمبردار جی، یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

مجھے صرف چانگ جنگ بھائی کہو- کون سی باتیں؟ ہاں پیار کی باتیں- ہی ہی چن سیئو آج تو میں خاص طور پر تمہارے لئے آیا ہوں-''

سیئو میں آخر اتنی طاقت آ گئی کہ اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا- اس نے اپنی کرسی پیچھے دھکیلی اور جانے کے لیئے مڑی، مگر لیو چانگ چنگ نے پیچھے سے اس کی کمر کو بازوؤں میں جکڑ لیا- اس کے ہاتھ اوپر سرکتے اس کے پستانوں پر آ گئے- اس نے اپنی دس انگلیوں سے مضبوط چھاتیوں کو دبایا- اس کے نتھنوں سے گرم ہوا اور منہ سے سگریٹ کی بو کے بھبکے اس پر پڑے- اسے سانس لینا مشکل ہو گیا، یہ بھی کسی کو مدد کے لیئے آواز دے سکتی تھی- یوں جکڑے جانے کے بعد وہ اسے پچھلے صحن سے راہداری میں لایا اور وہاں مغرب والے کمروں تک اور پھر سیڑھیوں سے اوپر والے کمرے میں کھینچ لے گیا-

پہلے یہ آنجہانی صاحب خانہ کے مطالعے کا کمرہ تھا- جہاں وہ افیوں بھی پیا کرتا، حساب کتاب کے رجسٹر دیکھتا اور کبھی کبھی کتابوں کی ورق گردانی کرتا- اس کے مرنے کے بعد اب اس کمرے کا کوئی خاص مصرف نہیں تھا، ایک کونے میں کچھ صندوق رکھے تھے، کچھ اور گھر کا چھوٹا موٹا ساماں اور ایک بستر ابھی تک وہیں پر تھا- امن کے دنوں میں جب مہماں آ جایا کرتے تو یہ بستر ان کے کام آتا- کچھ دیر پہلے جب لیو چانگ چنگ جاپانیوں کے لیئے کھانے پینے کی چیزیں یا کپڑے وغیرہ ماں گنے آیا کرتا تھا تو وہ نوکر چانگ ساؤ کے ساتھ اس کمرے سے بھی ساماں لے جانے کے لیئے آیا تھا- ان دنوں سے یہ کمرہ اسے بھولا نہیں تھا- کمرے میں داخل ہوں ے کے فوراں بعد اس نے بائیں ٹانگ مار کر دروازہ بند کر دیا- کمرہ اسقدر گرم تھا گویا یہاں دس بھٹیاں چل رہی ہوں- لیو چانگ چنگ سیئو کو کھینچ کر کمرے کے وسط میں لے آیا- اسے چھوڑا اور پھر گھما کر اپنی طرف لے آیا- اس سے پیشتر کہ سیئو منہ کھولتی لیئو نے اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیا جبکہ اس کی انگلیاں تیزی سے اس کے بلاؤز کے بٹن ڈھونڈنے لگیں- بے صبر ہو کر اس نے بلاؤز کو گریبان سے پھاڑ دیا- نیچے بے آستین شمیض کو پھاڑنا تو اور بھی آسان تھا- جیسے ہی اس کی نظر سفید ریشمی چھاتیوں اور ان پر تنی بڑی بھٹنیوں پر پڑی اس نے موج میں آ کر گلے سے آواز نکالی اور اسے بستر پر گرا کر اس نے چھاتیوں کو چوسنا شروع کیا، جسم کو جگہ جگہ چومتا رہا-

سیئو نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھی، اسے خبر نہ تھی کہ پلنگ پر کوئی چادر وغیرہ نہیں پڑی اور پلنگ جھولا سا بنا ہوا ہے- چنانچہ جب بھی لیو چانگ چنگ اسے دباتا تو پلنگ سپرنگ کی طرح سیئو کو

MashalBooks.org

اچھال دیتا- اسے اس وقت کشتی کا بھی خیال آیا- اس وقت اسے چکر سا آیا اور اس نے سنبھلنے کے لیئے بے دھیانی میں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے- وہ تیز تیز سانس لیتا اس سے ٹکراتا، سانس اس کے چہرے پر پڑتا، چنانچہ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں- جیسے ہی اس کی آنکھیں بند ہوئیں تو اسے گزشتہ سال وسط جولائی کے دن گھر آئے جب اس کا خاوند غیر متوقع طور پر گھر آ گیا تھا- ایسی ہی شدید گرمی تھی- اس وقت بھی کمرے میں اتنی گرمی تھی کہ اسے خیال آیا کہ وہ شائد سٹیم میں ہے- پچھلا سال بھی ذہن میں گڈمڈ ہو گیا- اس کا جسم پسینے میں تربتر ہو گیا اور جو جسم اس کے اوپر تھا وہ بھی پسینے سے تر تھا- دونوں جسموں میں پھسلن سی آ گئی- چنانچہ سیئو کو اسے اور بھی مضبوطی سے پکڑنا پڑ گیا-

''میں نے کہا تھا، تمہیں بھی میری ضرورت تھی، سچ میں ٹھیک کہتا تھا؟ میں کہتا ہوں تو بھی ترس گئی تھی؟ جیسے جیسے وہ لفظ منہ سے نکالتا تھوک بھی نکلتا، کچھ اس کے چہرے پر پڑتا اور کچھ اس کے منہ میں چلا گیا- سیئو کے جسم میں جھرجھری پیدا ہوئی، پھر وہ ایسے لیٹی رہی جیسے فالج زدہ ہو- لیو چانگ چنگ اس کے جسم سے الگ ہوا- اس کے سگریٹ اور ماچس کی تیلیاں بستر اور فرش پر بکھری پڑی تھیں- اس نے ایک سگریٹ اٹھایا، ہوں ٹوں میں رکھی اور تیلی ڈھونڈنے لگا، جب تیلی روشن ہوئی تو کمرہ اور بھی گرم لگا- آزار بند باندھتے ہوئے وہ بڑبڑایا-

''ماں.....موسم تو دوزخ بن گیا ہے-'' اس نے فرش اور پلنگ پر سے سگریٹ اٹھائے، پچکی ہوئی ڈبیا میں رکھے اور پھر کمال بے پروائی سے بستر پر لیٹی سیئو پر ہاتھ پھیرتے ہوا کہنے لگا: ''چن ساؤ کیسا رہا؟ تمہارے خاوند کا مجھ سے کوئی مقابلہ ہے؟ ہیں؟ ہی ہی- میں چلتا ہوں- بہتر ہے کپڑے پہن لو، زکام نہ ہو جائے، ہی ہی-''

اس نے قمیض کے کالر کو سیدھا کیا مگر بغیر بٹن بند کیئے دروازے کی طرف جانے لگا- اچانک سیئو کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھ گئی-

''لیو چانگ چنگ مجھے بھی ساتھ لے چلو، تمہیں واسطہ ہے-'' اس کا بایاں ہاتھ ابھی دروازے کی چٹخنی پر تھا، اس نے مڑ کر دیکھا- اس نے ہوں ٹوں کے کونے سے سگریٹ انگلیوں میں لے کر اس کی راکھ کو دوسری انگلی سے کمرے کے ایک کونے میں اڑا دیا- پھر مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نچلا ہوں ٹ دبایا، میں نے تمہیں نہیں کہا تھا؟ ایک بار میرے ساتھ موج اڑا لو گی، پھر مجھے چھو ہی نہ سکو گی، ہاں تم اب مجھے چھوڑ سکتی ہو؟ اس کی سفید سفید آنکھوں نے اس کے ننگے جسم کا پھر جائزہ لیا- ''میری ٹاساؤ تم چاہتی ہو میں ایک شادی شدہ عورت کو اغوا کرلوں- یہ جرم کرنے کی جرات میں کیسے کرسکتا ہوں- یقین کرو، میں اس تالاب کے اسی راستے پر اکثر آتا رہوں گا-' واب مجھے جانا چاہیے، ہی ہی اس نے پھر سگریٹ ہوں ٹوں میں دبایا، اسے جھلانا

شروع کیا، وہ کمال اُٹھیں ان کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا اور دروازہ تک بند کرنے کی زحمت نہیں کی-

کمرہ اب اور بھی گرم تھا مگر سیو کو سردی محسوس ہو رہی تھی- سردی کی لہر اس کے پاؤں کی تلیوں سے اٹھی- ٹانگوں سے ہوتی ننگے پیٹ تک آئی- اب وہ ٹھیک طرح بیٹھ گئی تھی، اس نے بستر کی ایک طرف سے زیر جامہ اور دوسرے کپڑے اٹھائے- اس کے پاؤں پر صرف جوتے رہ گئے تھے، باقی ساری کی ساری ننگی کر دی گئی تھی- پھر فرش پر کھڑے ہو کر اس نے شلوار یا پاجامہ پہنچا- کھلے بازوؤں والی شمیض اور سلیٹی رنگ کا بلاؤز اس قدر پھٹ گئے تھے کہ اب انہیں پہنا ہی نہیں جا سکتا تھا- ایسے گرم موسم میں وہ سفید سوتی شمیض پہننا پسند نہیں کرتی تھی- دیہاتی عورتوں کی طرح اس طرح چھاتیاں جکڑی جاتیں- اس لیئے اس کا خاوند شنگھائی سے اس کے لیئے اصلی ریشم کی بنی کھلے بازوؤں والی شمیض لے کر آیا تھا- یہ ملائم اور ٹھنڈی تھی اور جسم کو کستی بھی نہیں تھی- آئی فو ایک دفعہ بھی اسے شنکھائی نہیں لے کر گیا تھا مگر اسے خوش اور مطمئن رکھنے کے لیئے اس نے اپنی بساط کے مطابق کیا کچھ نہیں، کہا تھا-

آئی فو! وہ فرش پر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے پھٹے ہوئے کپڑے ہاتھوں میں اٹھا کر چہرے کو ڈھانپ لیا- یا اللہ وہ کس طرح اپنے خاوند کا سامنا کرے گی، مر گئی ہوتی تو اچھا تھا- اس کے جسم کو بدمعاش نے روند کر رکھ دیا ہے- اب اس جسم کے ساتھ خاوند کے سامنے کیسے جائے گی-

اس نے پھٹی ہوئی قمیض کو رسی کی صورت دے دی، کھڑکی ہوئی اور پھر دیدے گھما کر ایسی جگہ ڈھونڈنے لگی، جہاں لٹک کر خودکشی کر لے مگر ایسی کوئی جگہ نہیں تھی، آہستہ آہستہ دروازے کی طرف گئی، ہاتھ میں قمیض کی رسی تھی- دروازے کے سامنے پرچھائیں سی نظر آئی- سیو اسی وقت رک گئی، رسی والا ہاتھ سینے پر مارا اور پھر رک گئی-

''مالکن میں ہوں-'' نوکرانی نے کہا- اس کا چٹیا احمقانہ سا منہ کھلے دروازے کے اندر آیا- اس کی آنکھیں سیو کے ننگے دھڑ کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں-

''بڑی مالکن آپ کا پوچھ رہی ہیں-''

''بڑی مالکن ابھی جاگ پڑی ہیں؟'' سیو سردی سے کانپ رہی تھی، اس نے پھٹی قمیض کو اپنی ننگی چھاتیوں کے ساتھ لگا لیا-

''کب کی جاگی ہیں- میں آپ کو گرہ تیسرے حصے، پچھلے صحن اور تالاب تک ڈھونڈ آئی ہوں- آپ کہیں نہیں تھیں- پچھلے صحن سے واپس آئی تو سر براہ لیو سے سامنا ہو گیا- اس نے مجھے بتایا کہ آپ یہاں ہیں- اس کی نظریں اس کے جسم سے بکھرے بالوں سے ہوتی فرش پر پڑی، سلیٹی رنگ کے بلاؤز پر اور پھر پلنگ پر پڑی- ''مالکن.....''

''جلدی کرو، میرے کمرے میں جا کر فوراً ایک بلاؤز لے آؤ، فوراً۔''

اب اسے گئے آدھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ سیو شدید انتظار اور بے صبری کی حالت میں تھی۔ ''بے وقوف لونڈی، صرف ایک بلاؤز لانے میں اس قدر دیر..... یہ ملامتیہ فقرہ اس نے اس وقت کہا جب ملازمہ آخر کار واپس آ گئی۔

''مالکن، غلطی میری نہیں، بڑی مالکن نے مجھے روک لیا۔ انہوں نے آپ کا پوچھا کہ پتہ لگا؟ اور میں کہنے لگی.....''

''کیا کہا تم نے؟'' سیو نے بلاؤز تو جھپٹ لیا مگر اس پر اس قدر کپکپاہٹ تاری تھی کہ پہن نہ سکی۔

''میں نے کہا کہ میں آپ کی تلاش میں تیسری حویلی میں گئی، پھر پچھواڑے، پھر تالاب پر اور جب میں پچھلے دروازے سے واپس آ رہی تھی تو مجھے گاؤں کا سربراہ مل گیا۔''

''او بیوقوف باندی۔'' سیو اسے مارنا چاہتی تھی مگر اس کا کانپتا ہوا بازو بلاؤز میں پھنس گیا۔ ہاتھ بھی باہر نہ نکل سکا۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ یہ سب کچھ پھر دہراؤ۔ ہیں؟ تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔''

''مالکن آپ نے مجھے کب کہا تھا کہ میں اس کا ذکر نہ کروں۔'' کچھ پریشانی، کچھ رونی حالت میں اس کی نگاہیں نیچے اپنے پیروں پر جم گئیں۔

''بڑی مالکن نے کیا کہا؟''

''بڑی دیر تک وہ بولی ہی نہیں، پھر مجھے کہا کہ بڑے مالک کو بلا لاؤ اور آپ کی نند کو تیسری حویلی سے بلاؤں۔ آپ کی نند تو بازی لگائے بیٹھی تھیں، ان کی جگہ کھیلنے والا کوئی نہ تھا، اس لیئے وہ تو آئی ہی نہیں، بڑے صاحب آ گئے۔ اب وہ دونوں اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔''

بلاؤز کے بٹن بند کرنے کے بعد سیو نے بستر پر سے مچھلی کی ہڈی کا بنا ہیئر پن اٹھایا۔ بکھرے بالوں کو اکٹھا کر کے ان میں لگایا اور فرش پر سے پھٹے ہوئے کپڑے اٹھائے۔ پھر نوکرانی کی طرف دیکھے بغیر ''بڑے صاحب نے مجھے بلایا ہے؟''

کہنے لگی: ''نہیں..... لیکن کیا آپ ان کے پاس جا رہی ہیں۔''

سیو اس وقت فوری طور پر اپنے جسم پر لگی گندگی کو صاف کرنا چاہتی تھی۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں اگر بڑی مالکن میرا پوچھیں تو کہہ دینا کہ میں سیدھی ان کے پاس آ جاؤں گی۔ وہ دروازے کی طرف گئی پھر مڑی اور کہنے لگی: ''بڑی مالکن تم سے جو بھی سوال کریں، ان تم ہر سوال پر کہو کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ سن رہی ہو؟ کیا میں نے تم سے کبھی برا سلوک کیا ہے؟ اور پھر جب تمہیں موقع ملے تو میرا ایمبرائڈری سٹینڈ عقبی دروازے سے ہٹا دینا۔

لکڑی کے سرخ ٹب میں اس نے خود کو مَل مَل کر صاف کیا اور پھر صاف انڈرویئر پہنا- اگرچہ اب اس کا جسم صاف ہو چکا تھا مگر اسے اپنا اندر صاف نہیں لگتا تھا- اس عرصہ میں یہ ہوا کہ اس نے خودکشی کا ارادہ ترک کر دیا- بھلا اپنی بیٹی کی شادی کے روز وہ کیسے دور رہ سکتی ہے- بہرطور یہ بھیانک واقعہ اس کا کلیجہ کھا رہا تھا- اب وہ کس طور زندگی گزارے گی؟ وہ دوسروں کے سامنے کیسے سر اٹھا کر چلے گی؟ اور پھر کیا اس کی ساس اس واقعہ کو اس موقع کو ایسے ہی جانے دے گی- اتنی آسانی سے، جب خاوند واپس آئے گا تو اسے کیسے......

''سیئو'' ساس نے موتی لگے پردے کو ہٹایا- اس کا سرخی مائل براؤن چہرہ غصے سے تپ رہا تھا-

''تو نے بڑا کارنامہ کر دکھایا ہے، دن دیہاڑے سورج کی روشنی میں ایسا بدنامی والا جرم کیا ہے کہ چن خاندان کی گزشتہ تین سو سال کی نسلوں کے سر شرم سے جھک گئے اور حیرت یہ ہے کہ تم مر نہیں گئیں زندہ ہو-''

''بی بی......وہ سربراہ......اس نے زبردستی-''

تھوں ساس نے بہو کے منہ پر تھوک دیا- ''تیرا خیال ہے میں تین سال کی بچی ہوں؟ ویسے تو اتنی تگڑی ہے کہ پانی کے دو گھڑے اٹھا کر لے گی، جب وہ غنڈہ آیا تھا تو تمہاری یہ طاقت کدھر گئی؟ مجھے بڑی دیر سے پتہ تھا کہ تم آوارہ عورت ہو، جب تمہارا خاوند گھر آتا تو تم چھتال عورت کی طرح اس کے ساتھ چپک جاتی ہو- کیا سمجھتی ہو میں اندھی ہوں؟ میں کہہ رہی ہوں کہ اگر تم میں کچھ عزت نفس رہ گئی ہے تو اپنا سامان اکٹھا کرو اور اندھیرا ہوتے ہی اس گھر سے نکل جاؤ- ورنہ گاؤں کے کچھ تگڑے مردوں کو بلواؤں گی، تمہیں جان سے مار دیں گے- ہمارا چن خاندان تم جیسی کنجری کو برداشت نہیں کر سکتا-

''نہیں نہیں اماں-''

''کون ہے تمہاری اماں؟'' ساس پردہ جھٹک کر چل دیا اور کمرے کی شدید گرمی بڑھ گئی-

سیئو اپنے کمرے میں بیٹھی آنسو اور پسینہ پونچھتی رہی، گھر چھوڑ دے؟ ٹھیک ہے اس کو صرف ایک بات کی فکر تھی کہ آئی فو کو یہ واقعہ کس طرح بتائے گی- سورج ڈوب رہا تھا، اس کی سنہری کرنیں کمرے میں پھیلی ہوئی تھیں- عموماً اس وقت ملازمہ چانگ سساؤ اس کے کمرے میں پہنچ کر اسے بلاتی اور پوچھتی کہ ''مالکن سؤر کے گوشت کے ٹکڑے کیسے کروں، پھر ہڈیوں کے ساتھ پھلیاں پکائیں، کیسی لگیں گی- مگر آج اس نے بھی نہیں بلایا- سارے گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی- اس کا مطلب ہے کہ وہ سب اس سے رہائی چاہتے ہیں؟ مگر وہ کہاں جا سکتی ہے؟ اس کی ماں کو مرے ایک عمر گزر گئی- اگر اس کے چچا یا ماموں کو پتہ چلا کہ مجھے کیوں گھر سے نکالا گیا ہے تو

کیا وہ اسے قبول کرلیں گے؟ نہیں وہ قبول نہیں کریں گے- اس سے ساس نے اتنا کہا تھا کہ گھر سے نکل جاؤ، وہ یہ بھی تو کہہ سکتی تھی کہ خودکشی کرلو-

وہ آنسو اور پسینہ پونچھتی رہی اور پھر اٹھ کر ڈریسر کی طرف گئی، جہاں وہ ساری چیزیں سجا کر رکھی گئی تھیں جو اس کا خاوند شنگھائی سے اس کے لیئے لایا تھا- بیوٹی برانڈ کلون، فلم ایکٹرس مس مہتر فلائی کی تصویر والا پاؤڈر کا ڈبہ، جس کا ڈھکنا کھلتا تو موسیقی سننے کو ملتی، صندل کی لکڑی سے بنا پنکھا، جس پر گلاب رنگ کی ریشمی جھالریں لگی تھیں اور روج کا چھوٹا سا ڈبہ، جب اس کا خاوند گھر آتا وہ نہانے کے بعد تھوڑا سا کلون چھڑک لیا کرتی اور سونے سے پہلے تھوڑی سی روج چہرے پر مل لیتی- ڈریسر سے سیٹ کردہ دلہن کی الماری کی طرف آئی جہاں ژن ژوئی کی رضائیاں اور ان کے رنگا رنگ کور رکھے تھے- کشیدے کے اعلیٰ سلک اور بروکیڈ- کونے پر پتلی سی بھری چادر اور جھیل جیسے رنگ والے کور کے ساتھ ایک کونے میں رکھی تھی- پلنگ کی طرف دو تکیئے ساتھ ساتھ رکھے تھے، ان پر میٹ بھی تھے- ایک میٹ پر درمیان میں گہرا بڑا داغ تھا اس کے خاوند کو بالوں میں خوشبودار تیل لگانے کا شوق تھا اور یہ اسی تیل کا داغ تھا-

نہیں، وہ نہیں مرسکتی، نہیں مرنا چاہیئے، نہیں مرے گی- اس کی ساس جتنا چاہتی کہ وہ مرجائے وہ اتنا ہی زیادہ جینا چاہتی- اسے بیٹی کی شادی کی تیاری کرنی ہے، پھر جب گرمیوں کے بعد اس کا بیٹا پڑھنے کے لیے شنگھائی جائے گا اسے اس کی پیکنگ کرنی ہے اس کے علاوہ اس کے خاوند نے کہا تھا کہ وہ اسے دنیا دکھانے کیلئے شنگھائی لے کر جائے گا- نہیں وہ خودکشی نہیں کرے گی- نہ وہ وہاں واپس جائے گی جہاں سے آئی تھی- لیو چانگ چنگ تو غنڈہ ہے، اس وقت دشمن کی چہیتا بنا ہوا ہے- گاؤں میں سے کون اسے ناراض کرنے کی جرائت کرسکتا ہے- تو پھر اسے مزاحمت کی جرائت کیوں کر ہوتی- اسے یہ ساری صورت حال ساس سسر کو بتا دینی چاہیئے- پھٹے ہوئے بلاؤز اور شمیض لے کر وہ کمرے سے باہر نکلی- اب سورج غروب ہو چکا تھا- صحن ابھی روشن تھا مگر اندر راہ داری میں اندھیرا ہو رہا تھا- یہاں اسے خوف سا محسوس ہوا، اس کے قدم آہستہ ہوگئے- خوف نے اسے پھر جکڑ لیا- وہ اپنے سسر کے سامنے ساری باتیں کیسے بیان کرے گی؟ اس کی ساس اس کے بیان کو کس نظر سے دیکھے گی؟ بلاشبہ وہ اسی پر انگلی اٹھا کر کہے گی: ''اگر تم واقعی لیو چانگ چنگ سے بچنا چاہتیں تو سر کو پلنگ کے پایوں پر مار کر مرجاتیں؟''

جب وہ ساس سسر کے کمرے کے پاس پہنچی تو اس کی ہمت جواب دے گئی، وہ چپ چاپ باہر ہی کھڑی ہوگئی- پردہ بھی نہیں اٹھایا-

اندر کوئی بول رہا تھا- یہ اس کی نند آئی فق تھی- ''اماں، غور کرو، سوچو، اگر آپ اسے گھر سے نکال دیتے ہیں تو وہ بدمعاش بھی ناراض ہوجائے گا- وہ ناراض ہوگا تو کیا کچھ نہیں کرگزرے گا-

وہ ہمیں قتل کرسکتا ہے- گھر کو آگ لگا سکتا ہے، وہ کچھ بھی کرسکتا ہے- فرض کریں کہ وہ ناراض نہیں ہوتا، اس سارے معاملے کو نظر انداز کر دیتا ہے، مگر آئی فو کو کیا بتائیں گے؟ یہ جوڑا تو بڑا پیار کرنے والا تھا؟ کیا وہ آپ کی بات کا یقین کرلے گا؟ اور اگر اس نے یقین کرلیا اور گرمی کھا گیا تو یقیناً وہ اس بدمعاش کو مرنے مارنے پر تل جائے گا؟ اگر اس نے آپ پر یقین نہ کیا تو کیا آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ یہ سلوک برداشت کرے گا؟ اس کے علاوہ اگر ایک بار سیبو چلی گئی تو اس کے بیٹے تاچی اور بیٹی ژن ژوئی کو کیا بتائیں گے؟''

''آئی فن ٹھیک کہتی ہے کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو کچھ بھی نہ کرتی- ہم بیٹے کی کمائی اور بیٹے کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں، اس لیئے بہترین صورت یہی ہے کہ ماں بیوی کے معاملے میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں-'' یہ اس کے سسر کی آواز تھی-

''میں نے تم جیسا سسر تو آج تک نہیں دیکھا- بہو نے شرمناک جرم کیا ہے، ہمارے بیٹے کو زانیہ کا شوہر بنا دیا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا چاہیے- چن خاندان کے نام پر سیاہی مل دی ہے اور تمہیں اس کی پرواہ ہی نہیں-''

''اماں ٹھنڈا دل دماغ رکھیں اور میرا مشورہ مانیں- باندی کو کہہ دیں کہ وہ چانگ ساؤ کو ایک لفظ بھی نہ بتائے- چانگ ساؤ بات پیٹ میں نہیں رکھ سکتی- اگر ہم ہی اس معاملہ پر کوئی بات نہیں رکھتے تو کوئی دوسرا کیا دانائی دکھائے گا؟ جب آئی فو گھر آ جائے ژن ژوئی کی ج شادی ہو جائے تب ہم اسے بیٹھ کر یہ واقعہ بتا سکتے ہیں- اسے اپنی عزت کا بھی پاس ہوگا، سیبو اس کی بیوی ہے- یہ فیصلہ کرنا اس کا کام ہے کہ بیوی کو سزا دے یا اس سے چھٹکارہ حاصل کرلے- آپ کو کوئی ضرورت ہی نہیں سیبو کو سزا دینے کی، کیوں ابا میں ٹھیک نہیں کہہ رہی؟''

''یقیناً تم صحیح کہہ رہی ہے- میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ہمیں دخل اندازی نہیں کرنا چاہیے-''

''تو پھر اماں میں یہ بات جا کر سیبو کو بتا دوں تا کہ وہ یہیں اسی گھر میں رہے- میں اسے یہ کہوں گی کہ آپ نے سے گھر سے نکل جانے کی بات غصے میں کی تھی، وہ یہ بات دل پر نہ لگائے، اماں آئی فو کے آنے میں صرف ایک مہینہ رہ گیا ہے اس عرصے میں آپ درگزر اور صبر سے کام لیں-''

سیبو دھڑکتے دل کے ساتھ بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی- اس نے پھٹے ہوئے کپڑے اپنے پلنگ کے نیچے چھپا دیئے اور بستر پر بیٹھ کر سانس کو درست کرنے لگی- وہ خود ہی سارا ماجرا آئی فو سے بیان کرے گی، آئی فو کو پتہ چل جائے گا کہ کیا وہ گھٹیا عورت ہے یا اچھی عورت ہے-

اگلا مہینہ سیبو کی زندگی کا طویل ترین مہینہ ثابت ہوا- ایک ایک لمحہ گھنٹے کے برابر، گھنٹے

دن کے برابر اور دن سال کے برابر تھے- اسے تیل کی کڑاہی میں بار بار تلا جا رہا تھا- اس کا سسر اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا- اس کی ساس ہر روز اسے اس واقعے کے حوالے سے طنز کا نشانہ بناتی، اس کی بیٹی ژن ژوئی کی موجودگی میں اسے کنجری سے مشابہت دی جاتی- ماضی میں سیو صبح اور سہ پہر کی چائے خود بزرگ جوڑے کو پلاتی تھی، لیکن اب وہ اپنے برتنوں تک کو ہاتھ نہ لگانے دیتے- کھانے کے وقت لونڈی ہی ان کی پلیٹوں میں چاول وغیرہ ڈالتی، تولیہ دیتی، اس طرح سیو خود بخود ایک ملازمہ کی سطح پر آ گئی، جو باورچی خانے میں تھوڑا بہت کام کر کے اپنا وقت گزارتی- چانگ ساؤ پہلے بڑی تابعدار نوکرانی تھی، اسے مالکن چن کہہ کر مخاطب کرتی تھی، اب انتہائی سرد مہر ہو گئی تھی، غالباً اس وجہ سے اسے بھی واقعہ کی بھنک پڑ گئی تھی یا شائد وہ بھی زوال میں آئے فرد کو ایک ضرب لگانا چاہتی تھی- جب وہ کوئی وسال کرتی تو اسے مخاطب بھی نہ کرتی اور لہجہ بھی سخت رکھتی-

''اس مچھلی کا کیا کرنا ہے؟ سٹیم یا فرائی سوئے ساس کے ساتھ، یا پھر یوں؟ اس ہنڈیا کا کیا کرنا ہے؟''

باورچی خانہ کا رخ مغرب کی طرف تھا- سہ پہر کو تیز دھوپ بھی پڑتی، اندر چولہے بھی جل رہے ہوتے، اس طرح اس میں ناقابل برداشت گرمی ہو جاتی- پہلے یہ ہوتا تھا کہ سیو اپنی نند کے ساتھ دالان میں بیٹھی رہتی اور چانگ ساؤ سبزی اور گوشت وغیرہ باورچی خانے میں بیٹھ کر صرف کرتی- سیو صرف سالن پکانے کے لیئے باورچی خانے میں جاتی، اب اس کی نند اِدھر آتی ہی نہیں تھی- دالان میں بیٹھے کی بھی اسے جرات نہیں تھی- اب اس کے لئے باورچی خانہ ہی گوشہ عافیت بن گیا تھا- جب وہ باورچی خانے میں داخل ہوتی تو چانگ ساؤ آہستہ سے کھسک جاتی اور باہر گلی میں تالاب کے ساتھ آئے چائے سے گپ شپ کرتی-

سسر سے لے کر ملازمہ اور چانگ ساؤ تک سب کی طرف سے ملائمت، بے عزتی اور تحقیر اس نے برداشت کی اور اف تک نہیں کیا مگر وہ سب سے زیادہ اس بات سے خائف تھی کہ معاملہ کی بھینک اس کی بیٹی کو نہ پڑ جائے یا دادی کا رویے سے کوئی نتیجہ یا شک اخذ نہ کر لے- اگر ایسا ہو گیا تو پھر وہ کسی صورت زندہ نہیں رہے گی- خوش قسمتی سے ژف زوئی کچھ تو کم عمر بھی تھی، دوسرے اپنی شادیوں کی تیاریوں میں اس قدر مگن تھی کہ اس کی والدہ کے بارے میں سارے گھر والوں کے بدلے ہوئے رویے تک کا اس کو احساس نہیں ہوا- کبھی کبھی وہ دیکھتی کہ اس کی دادی اس کی ماں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھ رہی ہے- مگر وہ پہلے بھی جانتی تھی کہ اس کی دادی نے اس کی ماں کو کبھی بھی پسند نہیں کیا- چنانچہ اس نے اس کی کبھی پرواہ بھی نہیں کی- البتہ ایک بار اس نے خفت محسوس کی جب اس نے ان دو درزیوں کی گفتگو سنی جو اس کے شادی کے کپڑے سینے کے لیئے ان کے گھر

آئے ہوئے تھے- جیسے وہ کبھی آنکھ ہی نہیں اٹھاتی، اس کی نظریں ناک کی سیدھ میں ہوتی ہیں تو یوں لگتا جیسے نیکیوں کا فرشتہ ہو مگر کبھی کسی کو خیال آ سکتا تھا کہ اس کے تعلقات بدمعاش لیئو سے ہوں گے؟''

''تم خرد ماغ ہو، تمہیں پتہ نہیں کہ جن عورتوں کی ہڈی ہلکی ہوتی ہے انہوں نے تکیوں کا برقع برقع پہنا ہوتا ہے اور اس کی ترچھی آنکھوں کو غور سے دیکھنا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ یہ وہ عورت نہیں جو دو وقت کے کھانے سے مطمئن ہو جائے-''

ژن ژوئی نے پہلے تو ان کی گفتگو پر کوئی توجہ نہیں دی مگر جب ترچھی آنکھوں کا ذکر آیا تو وہ چونکی- عین اسی وقت اس کی ماں بھی درزیوں کو کچھ سمجھانے کیلئے پچھلے کمرے میں آئی، درزی فوراً خاموش ہو گئے- ژن ژوئی نے اس وقت دیکھا کہ دونوں درزیوں نے آنکھوں آنکھوں میں خاص باتیں کی ہیں- ژن ژوئی بہت ہی کم عمر اور معصوم تھی، چنانچہ رات جب وہ اپنے کمرے میں گئی ہیں تو ژن ژوئی نے اچانک ماں سے سوال کر دیا: ''اماں یہ لیئو یہاں اکثر آتا رہتا ہے؟''

سیئو ایک دم جیسی پیلی پڑ گئی- اتفاق کی بات تھی کہ مٹی کے تیل کے لیمپ کی روشنی زیادہ نہ تھی اور وہ خود بھی میز سے دور بستر پر بیٹھی ہوئی تھی- چنانچہ اس نے پنکھے کی تلاش میں منہ بستر کی طرف کر لیا- پنکھے کے ساتھ پہلے تو اس نے مچھروں کو بھگایا اور پھر مسہری گرا دی- اس وقت تک اس کا دل ٹھہر گیا تھا اور تب اس نے جواب دیا-

''کون سا لیئو-'' اس گاؤں میں ہر شخص کے نام کے ساتھ لیئو کا لقب لگا ہوا ہے-''

''لیو چانگ چنگ..... بدمعاش-''

''ہاں وہ والا، ابھی کچھ عرصہ سے نہیں آیا- جب تمہارا پھوپھی زاد بھائی آیا تھا، اس روز اسے ملنے کے لیئے آیا تھا، اس روز تو تم یہیں تھیں، تو پھر مجھ سے کیوں پوچھتی ہو؟''

''اس نے کوئی..... کی کوئی داشتہ بھی ہے-''

پنکھا سیئو کے ہاتھ سے گر کر فرش پر جا پڑا- سیئو نے اٹھایا بھی نہیں- مٹی بان سے ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر کر غٹا غٹ پی گئی- پھر پنکھا اٹھایا اور زور زور سے ہوا لینی شروع کر دی، جیسے وہ سوال سے تو ہرگز پریشان نہیں ہوئی-

ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی تو پھر تم اس قسم کے سوال کیوں پوچھتی ہو- تمہاری اماں دن رات تو گھر کے اندر رہتی ہے، اسے کیا خبر باہر کیا ہو رہا ہے،' اس نے اپنے بال ڈھیلے کیئے جو اس کے پیلی چاندانی ایسے رنگ کے بلاؤز پر آن گرے- سفید کے اوپر سیاہ- ''تم نے یہ گپ شپ کس سے سنی ہے؟''

''درزیوں سے، درزی چانگ نے ایک ترچھی آنکھوں والی عورت کا ذکر کیا تھا-''

MashalBooks.org

''ہاں مجھے یاد آیا، ایک دفعہ چانگ ساؤ نے بھی ایسی ہی عورت کا ذکر مجھ سے کیا تھا- اگر میں غلطی نہیں کرتی تو وہ گاؤں لی برج کی رہنے والی ایک بیوہ عورت ہے- بہر حال تم جیسی تربیت رکھنے والی لڑکی کو یہ گپ شپ فوراً بھلا دینی چاہیئے- تم نے سیلپروں پر کشیدہ کاری مکمل کر لی ہے؟''

''تقریباً-''

''آ تم ذرا رفتار تیز کرو، اب اگست کا اخیر ہے- میں تلائی کے لیئے کپاس کا انتظار نہیں کر سکتی- یہ کپاس _____ ہسنگ ہسنگ سٹور والوں کو اب تک پہنچا دینی چاہیے تھی- میں نے دو اور رضائیاں بنانا ہیں-

''اماں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، آپ فکر مند نہ ہوں، اسی باعث آپ کا وزن پہلے ہی کم ہو گیا ہے- ایک تو موسم اس قدر گرم ہو گیا ہے اگر میں جہیز میں کم چیزیں بھی لے جاؤں گی تو کیا فرق پڑتا ہے، میرے سسرال والے برا نہیں منائیں گے- آج ہی ابا کا خط دادا کو آیا ہے، لکھا ہے کہ وہ پہلے بھائی کو لینے کاؤنٹی سیٹ جائیں گے- بڑی اماں نے یہ بات آپ کو پہلے ہی بتا دی ہے؟''

پنکھا پھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا- اب کے پھر اس نے پنکھا نہیں اٹھایا اور پریشان نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھنے لگی-

''اماں کیا بات ہے کیا آپ کو اس خط کی خبر نہیں؟''

''ہیں؟ ہاں ہاں مجھے پتہ ہے- مجھے پتہ ہے..... جاؤ اب سو جاؤ، صبح جلدی اٹھنا ہے تمہیں-''

آدھی رات کو گرمی کے باعث ژن جوئی اچانک جاگ پڑی- اس کا کمرہ ماں کے کمرے کے ساتھ تھا- سبھی کھڑکیاں کھلی تھیں مگر ہوا کا نام و نشان بھی نہیں تھا- مچھروں والی مسہری بھی گری پڑی تھی، اس کی وجہ سے گرمی کا اور زیادہ احساس ہو رہا تھا- یہ مسہری کا پہلہ بھی من من کے بوجھ کا ہو گیا تھا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی- اسے رونے کی آواز آئی، پھر اندازہ لگایا آواز کہاں سے آ رہی ہے، جب اسے پتہ چلا کہ ماں رو رہی ہے تو وہ پریشان ہو کر جوتے پہنے بغیر ہی اس کے کمرے میں چلی گئی- مسہری کے پٹ کو دو تین بار ہلایا تا کہ مچھر بھاگ جائیں اور پھر ماں کے بستر میں کود گئی ویسے ہی جیسے کبھی بچپن میں کاکی کرتی تھی- اس کی ماں دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹی ہوئی تھی، اس کے ہاتھ میں آنسوؤں میں تر رومال تھا اور جسم پسینے میں شرابور- ژن ژوئی ماں کے کندھے سے چمٹ گئی، وہ ڈری ہوئی تھی- ''اماں اماں یہ کیا ہے؟ تم بیمار ہو یا کیا ہے؟ گرمی لگ گئی ہے؟ میں ابھی جا کر دادی کو بتلاتی ہوں، آپ بیمار ہیں-''

سیو نے پہلو بدلا، اپنی بیٹی کو بانہوں میں بھینچ کر اور بھی زور زور سے رونے لگی- اس کی چھاتیاں بیٹی کے کندھے سے دبی ہوئی تھیں، جیسے دو گرم گیند- جو اسے اچھے نہیں لگ رہے تھے-

MashalBooks.org

''میری بیٹی، میں بالکل ٹھیک ہوں، تم اب جا کر سو جاؤ-'' اس نے بیٹی کو اپنی گرفت سے آزاد کیئے بغیر یہ سب کچھ کہہ دیا-

''اماں-'' پریشان حال بیٹی نے ماں کی گرفت کو آہستہ سے کھولا...... کچھ شبہے کی حالت میں-''لو میں تولیہ لے کر آتی ہوں، آپ تو ساری کی ساری پسینے میں بھیگ گئی ہیں- ماچس کدھر ہے اماں؟''

''لیمپ نہ جلانا، مجھے روشنی سے ڈر آتا ہے-تم پریشان نہ ہو، میں نیچے جا کر منہ ہاتھ دھوؤں گی-''

جب ماں بستر سے اٹھی ہے تو اس نے بستر پر ایک گرمڑا سا دیکھا، اسے اٹھا لیا- کھڑکی میں سے آنے والی پیلی چاندانی میں اس نے پہچان لیا کہ یہ اس کے والد کا بالوں والا ہیٹ ہے- بہر طور اس سے اسے بڑا سکون ملا، اس کا باپ جلد ہی گھر آ رہا تھا-

''اماں تم ابا کے بارے میں سوچ رہی تھیں ناں؟''

اب سیئو کچھ سکون میں تھی- اس نے کلی کی- ٹھنڈا پانی پیا اور واپس اپنے بستر پر آ گئی- اس نے مہاتما بدھ کے انداز میں پلنگ کے عین درمیان چوکڑی مار لی، بیٹی کے ہاتھوں کو اپنی گود میں رکھ لیا اور آہستہ آہستہ انہیں سہلانے لگی-''جب بیس برس پہلے تمہارے ابو سے میری شادی ہوئی تھی اس وقت میری عمر سولہ برس تھی- بیس برسوں میں اگر چہ زیادہ وقت انہوں نے باہر ہی گزارا- لیکن مجھے ان کے خلاف کوئی گلہ شکوہ نہیں رہا- اگر میں اگلے جنم میں بھی عورت ہی ہوتی ہوں تو میں پھر بھی تمہارے باپ کے ساتھ ہی شادی کرنا چاہوں گی-'' مسہری کے اندر گرمی بڑھ رہی تھی- اس نے بیٹی کے ہاتھ چھوڑ دیئے، پنکھا اٹھایا اور دونوں کو ہوا کرنے لگی-''تمہاری بھی چند دنوں بعد شادی ہو جائے گی، تم بھی ایک دوسرے خاندان میں چلی جاؤ گی- ماضی میں تمہارے وجود سے میرے ویران شب و روز جگمگاتے رہے ہیں اور جب تم چلی جاؤ گی-''

''اماں صرف تین میل دور تو جاؤں گی- میں ہفتے میں دو تین بار آپ سے ملنے آیا کروں گی، جب میری شادی ہوئی تھی تو ماں کو چھوڑتے وقت میرے بھی ایسے ہی خیالات تھے، مگر شادی کے بعد آئی تو میں نے ساری کوشش تمہارے ابا کو خوش رکھنے پر لگا دی اور آہستہ آہستہ اپنی ماں کو بھول گئی- میں تم سے بار بار آنے کی توقع بھی نہیں کرتی- اول بات تو یہ ہے کہ تم اپنے شوہر شنتی کے ساتھ خوش و خرم رہو، تم اس کے ساتھ اسی طرح خوشی اور مسرت کے ساتھ رہو جیسے میں نے تمہارے ابا کے ساتھ گزاری ہے-

''اماں ابا سے کہو چند سالوں کے لیئے آپ کو شنگھائی لے جائیں، پیچھے دادا دادی کی میں خدمت کروں گی، پھر پھوپھی بھی ہیں- جب ابا گھر آئیں گے میں بھی ان سے بات کروں گی-

MashalBooks.org

آپ نے یہاں کوئی زیادہ آرام دہ زندگی تو نہیں گزاری، مجھے یقین ہے ابا انکار نہیں کریں گے۔''

لڑکی کو حیرت ہوئی کہ ماں نے پھر رونا شروع کر دیا تھا۔ اس کے آنسو تکیے کی سیٹ پر پڑتے تو ایسے لگتا بارش کی بوندیں پڑنے کی آواز آ رہی ہے۔ ''میرے پیارے بچے اب جاؤ جا کر سو جاؤ، میں خود تمہارے ابو سے بات کروں گی، جاؤ سو جاؤ۔ یاد رکھو جب شنتی سے شادی ہو جائے، پوری کوشش کرو کہ دونوں کی زندگی پر مسرت ہو، تبھی مجھے اصلی سکون ملے گا۔''

اس کی ماں اس قسم کے مخلّے ماضی میں ہی بارہا کہا کرتی تھی مگر اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں ہوتے تھے۔ بیٹی اٹھ کر اپنے بستر میں چلی گئی اور دیر تک اس بات پر حیران ہوتی رہی کہ آج وہی جملے کہنے اماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں۔ اسی حیرت میں وہ سو گئی۔

چند ہی دنوں بعد اس کا باپ اور بھائی دونوں گھر آ گئے۔

## ۲۔ آئی فو.....شوہر:

جب آئی فو اور اس کا بیٹا س ٹا جی گاؤں کے ہاف پر پہنچے، اس وقت ان کی پشتیں پسینے سے تر تھیں۔ باپ آگے بیٹھا پیچھے۔ آئی فو اپنی عادت کے مطابق چانگ چنگ کی دوکان کی طرف بڑھا۔ شنگھائی سے جب وہ گھر آتا اس کا معمول تھا کہ پہلے چانگ چنگ کی دوکان پر سانس لیتا اور چائے کا کپ پیتا۔ دوکان والا پہلے لیو حویلی والوں کے ہاں حساب کتاب رکھنے والا منشی تھا۔ جب تینوں لیو برادران نے جائداد تقسیم کر لی اب حساب کتاب اور منشی گیری کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ ملازمت کے دوران اس نے جو رقم بچائی تھی، اس سے مارکیٹ میں دوکان کھول لی۔ لیو چودھریوں کی ملازمت کے دوران اس کے اردگرد کے بہت سے لوگوں سے جان پہچان ہو گئی چنانچہ انہوں نے اس کی خوش اخلاقی کی بھی قدر کی اور دوکانداری میں بھی مدد کی۔ اب بڑے چودھری، ان کے دوست، عزیز رشتہ دار بھی اس کے گاہک تھے، جب آئی فو کی فیملی بعد میں آئی ہے تو اس کے بھی چانگ ہسنگ سے اچھے تعلقات استوار ہو گئے۔

بھائی چانگ ہسنگ.....کاروبار اچھا ہے؟ اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر دوکان کے مالک کو خطاب کیا جو گدی پر بیٹھا گولیوں کی مدد سے حساب کتاب کر رہا تھا۔

''ارے تم آئی فو'' اس نے گولیوں والا فریم ایک طرف رکھ دیا اور بڑے جوش کے ساتھ اسے ملنے کو آگے بڑھا۔ اس کے سفید سوتی گاؤن کے پلے کھلے، اس کی ٹانگوں سے لگ رہے تھے۔ ''آؤ اندر آؤ، بیٹھ، چائے کی ایک پیالی، تم بیٹی کی شادی کے لئے آئے ہو، ٹھیک؟''

''ہاں آنا تو مجھے جلدی چاہیے تھا مگر چھٹی نہیں ملی۔ سٹور پر کام بہت تھا اور بیٹا یہ چچا جانگ سینگ اور یہ میرا بیٹا تاچی۔''

ٹاچی نے آہستہ سے چچا کیا- اسے چچا اور باب میں بڑی مشابہت نظر آئی- وہی رنگ روپ، موٹے ہوں ٹ، چمکتی آنکھیں، آئی فو کی ناک بڑی تھی اور اس کے بائیں ابرو کے پاس انگوٹھے کے برابر نشان تھا- زخم کا یہ نشان اسے بچپن میں ملا تھا، جب ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے پر گر کر زخمی ہوا، زخم بڑا گہرا تھا- جب کبھی اس کا مزاج برہم ہوتا، اس نشان کا رنگ سیاہی مائل سرخ ہو جاتا اور بائیں آنکھ دائیں آنکھ کے مقابلے میں زیادہ جھپکتی- ٹاچی اور اس کی بہن باپ کی اس کیفیت سے ہمیشہ ڈر جایا کرتے تھے- مگر آئی فو کو خود پر بے پناہ قابو تھا، وہ کبھی برہم ہوا ہی نہیں تھا- بجز اس صورت کے اسے انتہائی اشتعال دلایا گیا ہو- قد اس کا درمیانہ تھا مگر مضبوط، چڑھی ہوئی آستینوں سے نکلتے ہوئے مضبوط بازو، ٹاچی باپ سے چار پانچ انچ لمبا تھا، اس کے کندھے بھی بڑے چوڑے تھے، لگتا تھا کہ اس کا سارا جسم سلٹ سے بنا ہوا ہے-

''یہ تمہارا ٹاچی ہے؟'' دوکان کے مالک نے پوچھا- ''ایک ہی سال میں یہ اتنا بڑا ہو گیا ہے اور جب اس کی شادی ہو گی تب تو یہ بہت بڑا ہو گیا ہو گا-'' اس نے میز کے پاس سے دو کرسیاں کھینچیں، انہیں بیٹھنے کا کہا اور چائے کا آرڈر دیا- خود گدی کے پیچھے جا کر پام کے بنے دو پنکھے لے آیا- پھر ایک پلیٹ میں تربوز کے بیج اور مونگ پھلی، خود بیٹھنے سے پہلے اس نے ایک سگریٹ آئی فو کو پیش کیا، اور دوسرا خود سلگا لیا-

''تاجی چاہتا ہے کالج میں داخلہ لے لے، میں نے حساب کیا تو میں بھی اسے دو ایک سال تک پڑھا سکتا ہوں- کیوں کہ بیٹی کی تو شادی ہو رہی ہے، چنانچہ میں نے اسے کالج میں داخلہ لینے کی اجازت دے دی ہے- بھائی چانگ ہسنگ، تم جانتے ہو زماں ہ بدل گیا ہے، تمہارے پاس جتنا علم ہو گا، تمہارے لئے اور بے وقوف بننے کی گنجائش کم ہو گی-''

''مسٹر آئی فو میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں، تم بھی کتنے خوش قسمت ہو بیٹا اور اتنا محنتی اور بیٹی بڑے اچھے گھرانے میں بیاہی جا رہی ہے-''

''عنایت ہے آپ کی-'' آئی فو نے کہا اور مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ پھیل گیا اور یہ مسکراہٹ اس کے دل سے اٹھی تھی-

''گاؤں کا کیا حال ہے، امن اماں؟''

''نہ زیادہ برا نہ زیادہ اچھا- جاپانی یہاں روز روز نہیں آتے مگر ان کی سرپرستی میں آئے بدکردار، بدکردار غدار اکثر ہمیں تنگ کرتے ہیں، پیسہ اور دوسرا مال ماں گتے ہیں-''

''اس لیو کا کیا حال ہے؟ کیا نام ہے اس کا، ہاں چانگ چنگ..... کیسا ہے؟''

دوکاندار حیرت سے خاموش ہو گیا- اسے یقین نہیں آتا تھا کہ آئی فو نے گاؤں میں اس کی دکان تک پہنچنے سے پہلے اپنی بیوی اور لیو چنگ چانگ کے بارے میں کچھ نہیں سنا؟ اگر اسے کچھ

MashalBooks.org

پتہ بھی ہے تو کتنا ہے؟ اس میں سے کتنے پر اسے یقین ہے؟ کیا وہ اس سے اس معاملے پر زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا- اس نے سگریٹ کا بڑا لمبا کش لگایا اور کہا: ''تمہارا کیا مطلب ہے.....تم اس کا کیوں پوچھتے ہو؟''

''میرا مطلب ہے لوگوں پر جبر کرتا ہے؟''

اب لگا کہ اسے اس واقعہ کے بارے میں کچھ علم نہیں- ''مجھے خبر نہیں-'' دوکاندار نے کہا- ''افواہیں ہیں کہ زیادتیاں کرتا ہے.....وہ.....لیکن افواہوں پر تو اعتبار نہیں کیا جا سکتا-''

''ابا چلو چلیں.....اماں انتظار کرتی بے چین ہو رہی ہوگی؟''

گھر کی طرف آتے آتے آئی فو حیرت میں رہا، جب پچھلی بار وہ آیا تھا تو اس دوکاندار نے اس بدمعاش

پر بہت ملامت بھیجی تھی، برا بھلا کہا تھا- اغوا، عصمت دری اور ہر قسم کے جرائم کرنے کا الزام لگایا تھا اور پیش گوئی کی تھی کہ کسی روز اس کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اسے ہزاروں لوگ مل کر مار دیں گے- مگر اس مرتبہ وہ اس کے خلاف کہنے سے ہچکچاتا ہی نہیں تھا، کچھ طرفداری بھی کر رہا تھا- ہوا کیا ہے؟ کیا دوکاندار اس غنڈے کا ساتھی بن گیا ہے؟ کیا وہ بھی پٹڑی سے اتر گیا؟ لیکن یہ شخص تو ان لوگوں میں نہیں جن کے نہ اصول ہوتے ہیں نہ سچ کا حوصلہ ہوتا ہے، تو پھر وہ کچھ بتانے سے گریز کیوں کر رہا تھا- وہ گھر پہنچ کر یہ بات لازماً اپنی بہن آئی فن سے پوچھے گا-

جیسے ہی وہ تالاب کے پاس پہنچے اس کے قدم سبک ہو گئے- گزشتہ سال وہ والد کی بیماری پر آیا تھا، جنہیں سروک ہو گیا تھا- جب وہ تالاب کے پاس پہنچا تو سب سے پہلے جس کو دیکھا وہ سیئو تھی، وہ کنارے پر بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی- اس نے پانی میں اس کے ہاتھوں کا عکس دیکھا، برسوں باورچی خانے میں کام کرنے کے باوجود وہ اب بھی نرم اور دودھیا تھے، وہ اس کے باقی جسم کی طرح سفید تھے اور پھر جب اتفاق سے اس نے سر اوپر اٹھایا- اسے وہاں کھڑے پایا- خوشی کی ایک زوردار لہر اس کے دل سے اٹھی اور اس نے چہرے کو اور بھی ملائم بنا دیا- ان بیس برسوں میں گاؤں میں رہ کر اس کے والدین کی خدمت کرنا، بچے پیدا اور بڑے کرنا، گھر کے اندر اور باہر کے معمول کے کام میں سب کچھ اس کے لئے آسان نہ تھا- سچ وہ بھی کبھی آ جایا کرتا تھا مگر ہر بار وہ صرف چند دن کے لیئے رکھتا- بہت مختصر عرصہ کے لیئے اور راتیں تو اور بھی مختصر ہوتیں، کیوں کہ سیئو کو الصبح اٹھ کر ساس اور سسر کے لیئے چاٹ تیار کرنا ہوتی-

اس کا ایک ساتھی وانگ تھا وہ بھی سٹور میں سویا کرتا، وہ آئی فو کو بار بار کہتا کہ چل تجھے شنگھائی کے فورتھ ایوں یو کی شاندار حسیناؤں سے ملواؤں- مگر وہ وانگ کے ساتھ کبھی نہیں گیا- جب اسے سیئو کی ریشمی جلد کا خیال آتا تو پھر کسی اور عورت سے ملنے کی خواہش تک پیدا نہ ہوتی- اب وہ

MashalBooks.org

لوگ بہن کے پاس رہ رہے ہیں، اب کے وہ بہن کو قائل کرے گا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے والدین کی خدمت کرے اور سیو کو کچھ عرصہ کے لئے شنگھائی میں میرے پاس آنے دے- اگر سیو اس کے پاس شنگھائی میں چند مہیں ے ہی گزار جائے تو اسے بھی اپنے گھر کی زندگی کے ذقئے کا پتہ چل جائے گا- سال میں گیارہ مہیں ے تن تنہا سونا تو خیر اور بات ہے اسے تو سونے کے لیے سٹو میں چارپائی بچھانا یا صبح کے وقت اسے اٹھانا بھی سر درد لگتا تھا- ہوسکتا ہے ماں بھی اس کی مشکلات سن کر ہمدردی کرے اور سیو کو اس کے ساتھ جانے دے- پھر تاچی پڑھائی کے لیئے شنگھائی جارہا ہے، گر اس کی ماں سیو بھی وہاں ہو تو وہ ان کے ساتھ رہ سکتا ہے- اس طرح کچھ پیسہ بھی بچ جائے گا، اس کی ماں بچت کی ہر سکیم کو بہت پسند کرتی تھی-

''میں تمہاری ماں کو کچھ عرصہ کے لئے شنگھائی لے جانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں- تمہاری بہن کی شادی ہو جائے گی- پھوپھی تمہارے دادا دادی کا خیال رکھ سکتی ہے، اس طرح تمہیں ہاسٹل کے کمرے میں نہیں رہنا پڑے گا-''

''ابا مجھے ہاسٹل کی ذرا میٹری میں ضرور رہنا چاہیے، ورنہ تو کالج کے طالب علم ہوں ے کا آدھا مطلب فوت ہو جائے گا- لیکن ماں کو شنگھائی لے جانے پر میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں، آپ اور ماں گزشتہ کئی سالوں سے اکٹھے نہیں رہے، یہ بات ہے بھی غیر فطری- اب جبکہ بہن کی شادی ہو رہی ہے تو اب ماں کو روکنے کا، میاں بیوی کی حیثیت سے ایک فطری زندگی گزارنے کے حق سے محروم رکھنے اک کوئی جواز نہیں ہے-'' تاچی نے جواب دیا-

تاچی خاندان کے باقی افراد سے مختلف انداز میں بات کرتا تھا- اس نے دیہاتی بولی بھی ترک نہیں کی، اسنے تو زیادہ مہذب طبقوں کی طرح باب کو پالدر، ماں کو ماہی کہنا شروع کر دیا تھا، وہ ایسے الفاظ اور جملے بھی بول جاتا جو اس کے گھر والوں کی سمجھ سے باہر ہوتے- اس کا باپ اس کی باتوں اور لب ولہجہ کو زیادہ نہیں سمجھتا تھا مگر اندر ہی اندر اپنے بیٹے پر فخر بھی کرتا تھا-

''مجھے تم سے اتفاق ہے مگر خدا جانے تمہاری دادی کیا کہیں گی؟''

''انہیں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، میں یہ بات خود انہیں کہوں گا-''

''تاچی بڑوں کے معاملے میں تم اس میں دخل نہ دو- یہ مت خیال کرو کہ تم نے دوسروں سے کچھ کتابیں زیادہ پڑھ لی ہیں تو بڑے بزرگوں کا احترام ہی چھوڑ دو- میں نے جو کچھ تمہاری ماں کے لیئے سوچا ہے تم اس کے بارے میں دادی سے کیوں بات کرو گے، کنفیوشس کہتا ہے: 'آ والدین زندہ ہوں تو اولاد دور کا سفر بھی نہ کرے- میں نے بڑی ہچکچاہٹ اور حیض بیض کے بعد روٹی کماں ے کے لئے شنگھائی جانے کا فیصلہ کیا تھا، تم سمجھتے ہو کہ میں انہیں چھوڑنا چاہتا تھا؟ ایک بہو کا اصل مقام ساس اور سسر کے ساتھ ہے- تم اسے کیسے نامعقول کہتے ہو؟ اب جب ہم گھر

پہنچیں تو وہاں اس قسم کی بیہودہ باتیں مت کرنا، سن رہے ہو؟''

تاجی نے کافی وقفے کے بعد بڑبڑاتے ہوئے اپنی رضامندی دی- پھر اس نے باپ سے اپنا فاصلہ بڑھانے کے لئے رفتار سست کر لی تا کہ مزید گفتگو ہی نہ ہو سکے- جب وہ تالاب کے قریب لیو حویلی کے سامنے پہنچ گئے تو آئی فو نے سکھ کا سانس لیا-

''آخر کار، آخر کار ہم پہنچ گئے، یہاں گاؤں میں تو شنگھائی کے مقابلے میں بہت ٹھنڈک ہے-''

دونوں نے تیز تیز قدم اٹھائے، تالاب کے قریب والے راستے پر پہنچ گئے- نوکرانی چانگ ساؤ تیسری حویلی کی ملازمہ سے باتیں کر رہی تھی، اس نے انہیں دیکھا تو زور سے نعرہ مارا- ''مالک چن اور چھوٹے مالک آ گئے- مالک چن گھر آ گئے-'' پھر وہ خبر دینے کے لیئے اندر کو دوڑی- آئی فو اور تاچی راستے سے ہوتے پچھلے دروازے پر آن پہنچے- آئی فو کو امید تھی کہ سیو دوڑتی ہوئی استقبال کرنے آئے گی مگر دیکھا تو صرف ژن ژوئی اس کی طرف اچھلتی کودتی آ رہی تھی- اس کے پیچھے بہن آئی فن اور والدین تھے- اسے دھچکا سا لگا، مگر بہن اور والدین کی خاطر چہرے پر مسکراہٹ پھیلالی-

''تین دن بعد تمہاری شادی ہوں ے والی ہے اور تم یوں دوڑتی کودتی آئی ہو-'' شرم کرو، تاچی نے بہن کو چھیڑا- ''میں شرط لگاتا ہوں تم تو چانگ کے گھر پہنچنے کے لیئے چھلانگ لگانے سے بھی گریز نہیں کرو گی-'' اب ژن جوئی اسے مارنے کے کے لیئے اس کے پیچھے بھاگی اور بھاگتا ہوا دروازے سے گزر کر اندر دالان میں جا کر چیخا- ''ماں کہاں ہیں؟''

عین اس وقت سیو باورچی خانے سے باہر آئی، اب بھی چہرے سے پسینہ صاف کر رہی تھی اور مڑ کر چانگ ساؤ کو پھر کچھ ہدایات دینے لگی: ''اسے ہلکی آنچ پر پکنے دینا، تیز آگ سے تو یہ سالن خراب ہو جائے گا-'' اور جیسے ہی اس نے سر گھمایا اسے اپنا خاوند نظر آیا- اس نے سبز رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، بلاؤس پسینے سے تر بتر اس کے جسم سے چپکا ہوا تھا- چہرہ گرمی سے تمتمایا، ہاتھوں اور بازو پر بھی پسینے کے قطرے تھے- کالر کھلا تھا اور مڑا ہوا، اس کی سفید گردن نظر آ رہی تھی، آئی فو کو دیکھتے ہی سرخی اس کی لوؤں تک پھیل گئی-

''لو آ گئے آپ-'' پھر اس نے ساس کی آنکھیں دیکھیں، زہر میں ڈوبے تیر جو اس کے خاوند کی پشت سے اس پر چل رہے تھے- اس نے جلدی سے بلاؤز کا کالر اوپر کیا اور بٹن بند کیے- ''آپ جائیں ابا کے کمرے میں ریسٹ کریں، میں منہ دھونے کے لیئے پانی لے کر آتی ہوں-'' پھر وہ کچن کی طرف واپس مڑی- آئی فو نے ایسے ہی نظر جھکائی تو وہ اس کے بھرے بھرے کولھوں پر جا پڑی جو باریک سبز پاجامے میں جھولتے جاتے تھے-

MashalBooks.org

آئی فو کے آنے سے ایک قبل والدین اور آئی فن نے ایک خفیہ کانفرس میں فیصلہ کیا کہ وہ بچی کی شادی تک اس واقعہ کے بارے میں آئی فو کو کچھ بھی نہیں بتائیں گے- چنانچہ کھانا کھانے کے بعد ژن ژوئی کی شادی کی تیاریوں کے ابرے میں باتیں ہوتی رہیں اور اسے کہا کہ پورے دن کے سفر کے بعد اسے آرام کرنا چاہیے، جن دنوں باپ شنکھائی میں ہوتا ژن ژوئی ماں کے کمرے سے ملحقہ چھوٹے کمرے میں سویا کرتی تھی، تا کہ ماں کا ساتھ بھی ہو، اب وہ مشرقی حصے میں اپنے بھائی کے ساتھ ڈبل روم میں آ گئی-

جب آئی فو اپنے کمرے میں آیا ہے تو سیئو نے سرخ رنگ کے لکڑی کے ٹب میں گرم پانی رکھا ہوا تھا- جب وہ بنا رہا تھا وہ پھر باورچی خانے میں گئی کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، پھر ساس سسر کے کمرے میں کہ انہیں کچھ چاہیے تو نہیں، پھر تاچی کے کمرے میں اس کے گندے کپڑے لینے اور سکول کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں سننے کے لیئے، جب وہ یہ سب کچھ کر کے اپنے کمرے میں واپس آئی ہے تو آئی فو نہا کر بستر میں گھس گیا تھا اور پنکھے سے خود کو ہوا دے رہا تھا اور بیوی کے باورچی خانے سے واپسی کے انتظار میں تھا-

اگلا دن شادی سے پہلے کا انتہائی مصروف دن تھا- عزیز و اقارب اور دوست تحفے تحائف لے کر آئے اور شام ڈھلے تک جم کر بیٹھے رہے- ان کی خاطر تواضع کے لیئے تین میز بچھائے گئے، سیئو کو باورچی خانے سے ہی ایک پل کی فرصت نہ ملی- س نے ژن ژوئی کو اس گھر میں قیام کے آخری روز کام میں ہاتھ بٹانے سے روک دیا تھا- جب آخری مہماں رخصت ہوا، اس وقت اس کے پاؤں اتنے سرخ تھے کہ جرابیں تک نہ اتار سکی- پھر بھی چانگ ساؤ کی مدد سے اس نے باورچی خانہ صاف کیا اور لونڈی کے کام کی بھی نگرانی کی جو بڑے ڈائننگ ہال کا انتظام کر رہی تھی، جب تک وہ ان کاموں سے فارغ ہوتی ساس سسر کے کمرے کی بتی بجھ چکی تھی، فراغت کے بعد وہ بیٹی کے کمرے میں گئی-

ژون ژوئی نے بروکیڈ کا لباس صبح کے وقت پہنا تھا، قمیض بے آستین تھی، ابھی تک وہ اسی لباس میں تھی، لیمپ کے پاس بیٹھی باپ کی ہدایات اور نصیحتیں سُن رہی تھی- تاچی اپنے کمرے میں تھا اور مصروالا باجا بجانے کی مشق کر رہا تھا- اس سے نکلنے والی سُر رات کی خاموشی میں اداسی پھیلا رہی تھی- سیئو بیٹی کے پاس بیٹھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی- تھکی ہوئی بھی تھی، بیس برس کی شادی شدہ زندگی کی یادداشتوں کے ساتھ ساتھ اب اسے اپنا مستقبل غیر یقینی نظر آ رہا تھا-

MashalBooks.org

# چیئر میں ماؤ......گندہ انڈہ

(چن جوہسی، ب 1938)

ستمبر 1971ء کے شروع میں میرے میاں نے شمالی کیانگسو کے مے سیوں تھ کیڈر سکول [1] سے خط لکھا کہ اس کا مزدوروں کے بارے میں تدریسی کام جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس مہینے کے وسط میں تانکنگ میں پہنچ جائے، بیٹے چنگ چنگ کی ۱۳ تاریخ کو سالگرہ سے پہلے۔ جہاں وہ بیٹے کو سن یات سن کے مقبرہ پر بھی لے جائے گا، اس بارے میں اس نے خط میں لکھا تھا۔ ''تانکنگ میں ہمیں آئے تین برس ہونے کو ہیں، مگر چنگ خاندان کے مقبروں یا سن یات سن کے مقبرے اور ایسے ہی تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے ہم کبھی نہیں گئے۔''

اگر میرا میاں چنگ چنگ کی سالگرہ کی یاد نہ دلاتا تو میں یہ سالگرہ بالکل ہی بھول گئی تھی۔ اصل میں ہم جب سے چین واپس آئے ہیں اپنی سالگرہ بھی بھول گئے ہیں۔ سالگرہ صرف اس وقت یاد آتی ہے جب میری سہلیاں یاد کراتی ہیں اور وہ بھی سال کے آخر میں، کہتی ہیں کہ اپنا راشن کارڈ لاؤ اور ترقی وہمت براٹھ سویوں کا ایک پیکٹ خریدو۔ یہ سویاں چیئر میں ماؤ کی سالگرہ سے منسوب ہیں۔

میں نے چ ن کو کنڈر گارٹن سے ساتھ لیا اور راستے میں اسے باپ کے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ باپ سے ایک عرصہ کے بعد ملے گا اور پھر باپ کے ساتھ سیر وتفریح بھی کرے گا۔ میرے ساتھ چلتے چلتے اس کا چھوٹا، گول سا خوبصورت چہرہ مسکراہٹ سے بھر گیا۔ اچانک اس نے اوپر دیکھ کر پوچھا: ''اماں یہ سالگرہ کیا ہوتی ہے؟''

''تمہاری سالگرہ اس روز ہوتی ہے جو تمہارا یوم ولادت ہے یعنی جس روز تم پیدا ہوئے تھے۔'' میں نے بغیر سوچے جواب دیا۔ جب میں نے اس کے سوالیہ سے چہرے پر پریشانی کے تاثر دیکھے، تب مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے لیئے یہ لفظ سالگرہ بالکل ہی بے معنی ہے۔ اس وقت مجھے آٹھواں مہیں ہ تھا، میں نے اس کا ہاتھ اپنے پھولے ہوئے پیٹ پر رکھا اور کہا: ''ایک مہیں ے بعد بچہ پیدا ہوگا اور جس روز یہ آئے نا وہی دن یوم پیدائش کہلائے گا۔

میں نہیں کہہ سکتی کہ میں بچے کو جو کچھ بتانا چاہتی تھی وہ بتا سکی تھی کہ نہیں مگر وہ زور زور سے چلاتا ''یوم پیدائش، یوم پیدائش'' کہتا آگے نکلتا گیا۔ میں بڑی مشکل سے اس کا ساتھ دے رہی تھی مگر گھر تک پہنچتے پہنچتے تو میرا سانس بری طرح پھول گیا۔ اس علاقے کا نام ناگر پاس ڈارمنیری ہے۔ یہ آبادی ایک پہاڑی پر ہے جہاں کئی ایک منزلہ عمارتیں قطار در قطار کھڑی ہیں۔ ہائیڈرالک انجینئرنگ انسٹی ٹیوٹ کے دوسو کے قریب استاد یہاں رہتے ہیں۔ ہمارا مکان پہاڑی کے درمیان میں ہے، اس لئے گرمیوں میں، میں اترتے اور چڑھتے وقت پسنہ پسنہ ہو جاتی ہوں۔ چنگ چنگ رستے میں کسی بھی دوست سے بات کرنے کے لیئے نہیں رکا اور بھاگتا ہوا سیدھا اپنے کوارٹر پر پہنچ گیا اور پھر اس نے ''دادی اماں'' کہہ کر سامنے آنے والی بوڑھی خاتون کو خطاب کیا، جو اسی کی خاطر باہر آئی تھیں۔

میری ہمسائی آنٹی وانگ نے اس عورت کو بلا کر چ گ چنگ کی دیکھ بھال اور میری بیماری کے دوران کام کاج کے لیئے بلایا تھا۔ اس کا معروف نام اَن تھا اس کا تعلق شمال کیانگسو سے تھا، وہ بڑی ہی صاف گو قسم کی عورت تھی اور اگرچہ اسے آئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، مگر ہم تینوں ایک دوسرے سے بڑی گھل مل گئی تھیں۔

''دادی اماں، میں جنم دن مناؤں گا، ابا آئیں گے، مجھے سن بات سن کے مقبرے پر بھی لے جائیں گے۔''

''سن سن کیا؟'' اماں ساٹھ سے اوپر کی تھی اور سنتی بھی اونچا تھی۔

''سن بات سن کے مقبرے۔'' میں بھی وہاں پہنچ گئی تھی اور میں نے لفظ الگ الگ سے ادا کیئے۔ مجھے افسوس ہوں ے لگا کہ میں چنگ چنگ کو سیر کی بات کیوں بتائی۔ اب اگر اس نے سب کو بتانا شروع کر دیا کہ اس کی سالگرہ منائی جا رہی ہے تو لوگ کہیں گے کہ اس کے ماں باپ اب بھی زوال پذیر سرمایہ دارانہ خیالات کے مالک ہیں۔ چنانچہ میں تیزی سے اسے اندر لے گئی اور اسے کہا کہ اب وہ کسیا ور سے سالگرہ کا ذکر نہ کرے، ورنہ اسے بھی ایک روز انقلاب دشمن یا رجعت پسند بنا دیا جائے گا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ اپنی سالگرہ کی بات کیوں نہ کرے۔ مگر اسے یہ پتہ تھا کہ پرانا انقلاب دشمن کون ہوتا ہے، ایک دم اس کا چہرہ تن گیا اور اس نے بڑی سنجیدگی سے

Mashalbooks.org

سر ہلایا- مجھے بھی گھبراہٹ سے رہائی ملی اور پھر اماں اسے کے ہاتھ صاف کرنے اور کھانا کھلانے کے لئے لے گئی-

مگر چنگ چنگ سالگرہ کی خوش خبری کو دوسروں سے چھپا کر نہ رکھ سکا- کھانے کے بعد وہ آنٹی وانگ کے گھر ان کے سات سالہ بیٹے ٹنگ ٹنگ سے کھیلنے کے لئے گیا اور اسے یہ بات بتا دی، وہ تو ابھی پہلے گریڈ میں آیا تھا- وہ دونوں بڑے دوست بن گئے تھے، ایک تو اس لیئے کہ اتنے قریب قریب رہتے ہیں، دوسرے دونوں کنڈر گارٹن میں پڑھتے اکثر کھیلتے بھی ساتھ ساتھ ہیں، چنانچہ دوست بن گئے ہیں- اسی شام آنٹی وانگ بھی آئی تو سب سے پہلے بات جو اس نے کی یہ تھی: ''میں نے سنا ہے چنگ چنگ کی سالگرہ آ رہی ہے- سچ ہے؟''

''جی ہاں-'' مجھے خفت ہوئی مگر ماں لیا-

آنٹی وانگ کنڈر گارٹن میں تین سے چار سال تک کی عمر کے بچوں کی انچارج ہے اور چنگ چنگ اسی کے گروپ میں آتا ہے، بچے آنٹی وانگ کو بہت پسند کرتے تھے، ایک تو وہ گاتی بڑا اچھا تھی، دوسرے بڑی ہی متحمل مزاج تھی- کینٹین کے رہنے والوں کی طرح وہ بھی بہت زندہ دل اور باتونی تھی- اسے شہرہ غریب کے فرد بھی نامزد کیا گیا- (مجھے آج تک غریب فرد یا فرد غریب کی اصطلاح کی سمجھ نہیں آئی، لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب وہ شخص ہے جو بے روزگار ہے، تاہم مجھے خود آنٹی سے اس بارے میں بات کرنے کی ہمت نہیں پڑی اور اس طرح وہ معاشرے کے پانچ اہم سرخ طبقوں میں شامل کر دی گئی- اسی وجہ سے آنٹی میں بڑا اعتماد تھا اور وہ ہمیشہ اونچی آواز میں بات کرتی- ظاہر ہے وہ مجھ پر بھی مہربان تھی اور اپنا معمول کا کام ختم کرنے کے بعد وہ شام کو میرے ہاں آ جاتی- آنٹی کا خاوند اور میں ایک ہی ٹیچنگ یونٹ سے منسلک تھے اور ان دنوں مے سیوں تھ کیڈر کے ساتھ دھان کے کھیتوں میں یہی کام کرتا تھا- چونکہ آنٹی اور مجھے پڑھانے کے علاوہ ایک ایک بچے کی پرورش بھی کرنا ہوتی، اس لیئے ہم شاپنگ اور اسی قسم کے دوسرے کاموں میں ایک دوسرے کی مددگار بن گئی تھیں- میں تو خیر اس جگہ نئی تھی، اس لیئے اگر آنٹی نے مجھے کام کے لیئے تائی نہ ڈھونڈھ کر دی ہوتی تو میں بڑی بے بس ہوتی-

ٹنگ ٹنگ کی سالگرہ چند روز پہلے اگست کی انتیس تاریخ کو تھی، مگر میں نے سالگرہ منانے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا-''اس کی آواز میں تاسف نمایاں تھا- اب جب اس کا باپ گھر آئے گا تو میں کہوں گی کہ اسے پیپلز پارک کی سیر کرا دے-''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے-'' میں نے کہا- موسم خزاں کے ان دنوں میں آپ سب جا کے بوٹنگ کریں اور اگر اس موقع کی تصاویر بھی بنائی جائیں تو کیا کہنا-

''افسوس ہمارے پاس تو کیمرہ ہی نہیں-''

MashalBooks.org

براجی چاہا کہ میں اسے اپنا کینن والا کیمرہ دے دوں مگر اس ڈر سے خاموش رہی کہ کہیں انکار نہ کر دے- پانچ سرغ عناصر یا طبقوں سے مراد ہے، کارکنوں کے بچے، غریب اور نچلے درمیانے طبقے کے کسان، انقلابی صف، لبریشن آدمی کے لوگ اور شہدائے انقلاب-

لفظ میری زبان پر تھے مگر میں نے کچھ نہیں کہا- کوئی ایک سال پہلے میں نے پارٹی سکیشن لیڈر کو بھی کیمرے کی پیش کش کی تھی، اس نے کیمرے پر ایک نظر ڈالی اور پھر صاف انکار کر دیا- تب سے اب تک میں کیمرہ باہر نکالنے سے بھی ہچکچاتی تھی، کیوں کہ ان کی نظر میں یہ کیمرہ دشمن ملک میں بنا تھا-

آنٹی وانگ نے جماہیاں لینا شروع کر دیں- وہ بہت تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی، اس لیئے میں نے پوچھ لیا: ''رات ڈیوٹی کرنے کے بعد آج دن بھر آپ نے آرام نہیں کیا؟''

اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور پھر سر ہلایا- اس کے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے-

'آسارا دن بستر میں لیٹی رہی ہوں مگر نیند نہیں آئی- اس نے اردگرد دیکھ کر کہا- اس وقت اماں اَن باورچی خانے کے بند دروازے کے پیچھے نہا رہی تھی اور چنگ چنگ دوسرے کمرے میں سو رہا تھا- وہ آگے جھکی اور سرگوشی کی: ''تم شہید لاؤشی کی بیٹی ہسیاؤینگ کو جانتی ہو؟''

''ہاں ہاں چنگ چنگ کی کلاس میں ہیں؟'' میں نے کہا-

سیاؤینگ کا باپ اور میں ایک ہی محکمے میں تھے- اس کا پس منظر بڑا اچھا تھا وہ کئی سال سے پارٹی کا رکن چلا آ رہا تھا- ثقافتی انقلاب میں اس نے خاص کردار ادا کیا، اب وہ ایک سٹڈی کلاس کا انچارج ہے، جس کا کام ہماری صوبائی حکومت کے درمیانے درجے کے اہل کاموں کا محاکمہ کرنا ہے- اس کی بیوی بھی استانی تھی اور سیوں تھ کیڈر سکول میں کام کرتی تھی- دونوں میاں بیوی تانگلنگ سے باہر تھے، اس لیئے بیٹی شب و روز کنڈرگارٹن میں رہنے لگی- بڑی خوبصورت بچی تھی، گلابی گلابی خوبصورت گالوں والی، میں بھی گرمیوں کے موسم میں ایک بار اسے گھر لے آئی تھی، تاکہ یہاں آ کر کھیلے-

''میں تمہیں کچھ بتاؤں- مگر تم نے کسی سے ذکر نہیں کرنا-'' آنٹی وانگ نے میرے کان میں سرگوشی کی-

''بالکل-'' میں نے وعدہ کیا- پھر آہستہ سے دروازہ بند کیا اور پھر اسے نیچے ڈیسک کے ساتھ بیٹھا لیا اور میں خود پلنگ کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی-

''گزشتہ رات دس بجے-'' وہ میرے اوپر اور بھی جھک کر سرگوشی کرنے لگی کہ کوئی سن ہی نہ لے- ''جب سب بچے سو گئے- سیاسی سلیکشن کا لاؤ وانگ آ گیا- وہ اپنے ساتھ براڈ کاسٹنگ سلیکشن کا ٹھوستاؤ اور ایک ٹیپ ریکارڈر بھی لے آیا- ان کے ساتھ کنڈرگارٹن کا ڈائریکٹر بھی تھا-

MashalBooks.org

مجھے کہنے لگے کہ ہسیاؤ ینگ کو جگاؤ- وہ بچاری گہری نیند سو رہی تھی، میرا جی اسے جگانے کو نہ چاہا، میں اسے اٹھا کر ڈِننگ روم میں چلی گئی اور ٹھنڈے گیلے کپڑے کے ساتھ اس کا منہ صاف کیا- مگر وہ اب بھی آدھی سوئی اور آدھی جاگی ہوئی تھی- لاؤ ساؤ نے ٹیپ ریکارڈر کھول دیا، سیکشن چیف وانگ نے دروازہ بند کر دیا- اس کے بعد اس نے اور ڈائریکٹر نے ہسیاؤ ینگ سے پوچھ گچھ شروع کر دیا- تمہارے باپ کا نام کیا ہے، تمہاری ماں کا کیا نام ہے- کسی نے تمہیں رجعتی نعرے لگانے کے لیئے کہا یا سکھایا- یہ نعرہ کیسے لگایا جاتا ہے؟ ہسیاؤ ینگ کی آنکھیں تو اب بھی بند تھیں مگر سوالوں پر سر ہلاتی چلی گئی- کچھ دیر بعد ڈائریکٹر کی بے تابی بڑھی اور اس نے زور سے پوچھا: ''تمہاری ایک سہیلی نے بتایا ہے کہ تم نے رجعتی نعرہ لگایا تھا-'' اب آنٹی وانگ کے ہونٹ میرے کان کے تقریباً ساتھ لگے ہوئے تھے- نعرہ تھا: ''چیئر میں ماؤ..... گندا انڈا-'' تم نے یہ نعرہ لگایا تھا؟ لگتا ہے کہ لڑکی کو نازک صورت حال کا اب پتہ چلا- اس نے اپنی آنکھیں کھولیں- تم بھی تو جانتی ہو- اتنی روشن، اتنی چمکدار، اس نے پہلے سیکشن چیف وانگ پر نظریں جمائیں پھر ڈائریکٹر کو دیکھا اور اس عرصہ میں اس نے بار بار سر کو جھٹکا دیا-

انہوں نے باری باری اسے چیئر میں ماؤ کی اچھی بچی، اچھی بچی کہہ کر اسے سچ بولنے اور جرم کا اعتراف کرنے کے لیے کہا- انہوں نے یہ بھی اسے یقین دلایا کہ اگر وہ اقبال کر لے گی تو معاملہ یہیں ختم ہو جائے گا- آخر میں ڈائریکٹر نے لڑکی کے اس دوست کا نام لیا جس نے بتایا تھا کہ لڑکی نے چیئر میں ماؤ کا نام اس طرح سے لیا ہے- اسی دوران اسے باتیں یاد آئیں تو وہ زور زور سے چیخنے لگی- پھر بہت دیر تک ہم اسے چپ کراتے رہے، پیار کرتے رہے، میں نے سوچا چلو معاملہ ختم ہو گیا، مگر انہوں نے پھر لڑکی کو سوال کرنے شروع کر دیئے- ''تم نے یہ رجعتی نعرہ کیوں لگایا؟ تم نے یہ نعرہ پہلے پہل کہاں سے سنا تھا؟ تمہارے والد نے یہ نعرہ لگایا تھا؟ تمہاری ماں نے لگایا تھا؟ کیا تمہارے استاد نے یہ نعرہ لگایا تھا؟ ہسیاؤ ینگ ہر سوال پر سر ہلاتی گئی- اژیا وَن لاؤ شیر تمہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ میں کس قدر ڈری ہوئی تھی، مجھے تو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے-

اب آ کر آنٹی وانگ سیدھی ہو گئی، اس کی آنکھیں یوں گھوم رہی تھیں گویا وہ ابھی بے ہوش ہوں ے والی ہے- ساتھ ساتھ وہ سینے پر آہستہ آہستہ ایک ہاتھ مارتی بھی جاتی تھی-

''جب میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو مجھے جھٹکا سا لگا، آدھی رات ہو گئی تھی- آپ سب کچھ غریب بچی کے بس سے باہر تھا، اس کی آنکھیں بند ہو گئیں- جب انہوں نے پھر سوال کیا: ''تم نے سنا تمہاری ماں نے یہ نعرہ لگایا تھا؟'' اس نے بس آنکھیں بند کیں اور سر ہلایا- انہوں نے پوچھا: ''تمہاری اماں نے یہ نعرہ کب لگایا؟ اور تم نے کب سنا؟'' مگر اب تو وہ کسی بھیس وال کا

جواب نہیں دے سکتی تھی- آخر کار لمبی، بے کار پوچھ گچھ کے بعد انہوں نے مجھے لڑکی واپس اپنے کمرے میں لے جانے کی اجازت دے دی- جیسے ہی وہ میرے بازوؤں میں آئی وہ گہری نیند میں چلی گئی-مگر میں ایک پل بھی نہیں سو سکی- آج سارا دن یہی واقعہ میرے ذہن میں چھایا رہا-''

بلاشک وہ سو بھی نہیں سکتی تھی-

اس کی ابتیں سن کر مجھے بھی بڑا صدمہ ہوا اور چپ لگ گئی

''آپ نے کیا کہا انہوں نے سب کچھ ٹیپ کر لیا-''

''بالکل، اور یہ اس لڑکی کے سارے عمر کے ریکارڈ میں رہے گا-'' آنٹی وانگ نے جواب دیا-

''اس کا ریکارڈ'' اور میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی-''میرے مولا وہ تو اتنی سی بچی ہے-''

''ابھی تو وہ چار برس کی بھی نہیں ہوئی-تمہارے چنگ چنگ سے بھی چھوٹی ہے-'' وانگ نے آہ کھینچی-

''میں نے ایسے سر مارا جیسے میں اس بات پر یقین ہی نہیں کرتی- میں نے یوں محسوس کیا جیسے ہسیاؤ ینگ نے محسوس کیا ہو کہ وہ شائد خواب دیکھ رہی ہے- مجھے یاد ہے شیہ لاؤ شیہ کا بڑا اچھا ماضی تھا اس کی بیوی زمیں دار خاندان سے تھی، چنانچہ اسی وجہ سے وہ یہ کام بڑی محنت اور جذبے کے ساتھ کرتی- اب ان کی بیٹی اس مصیبت میں پھنس گئی ہے اور ان دونوں کو کچھ خبر ہی نہیں- بے چاری چار سال کی ہسیاؤ ینگ اور اس کی زندگی کے ریکارڈ میں، اسی عمر سے باب شامل ہو گیا ہے- یہ ٹیپ کہیں بہت محفوظ رکھ دی جائے گی اور اگر اس لڑکی نے آئندہ کوئی ایسی حرکت کی تو یہ ٹیپ نکال لی جائے گی اور ثابت کیا جائے گا کہ یہ لڑکی تو بچپن سے ہی رجعت پسند تھی-

سچ ہے آنٹی وانگ نہیں سوئی ہوگی، خود میں اس قدر پریشان تھی کہ رات بھر بستر میں پہلو ہی بدلتی رہی- ہسیاؤ ینگ کی روشن آنکھیں اور گلابی رخسار میری آنکھوں کے سامنے رہے-

اس کے بعد میں نے آنٹی وانگ سے روز کی کارروائی کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا، اس نے بتایا کہ پہلے اس نے تحریری رپورٹ تیار کی- پھر کنڈر گارٹن کے ڈائریکٹر نے سکول کے باقی عملہ سے صلاح مشورہ کیا- آخر میں کسی کو ہسیاؤ ینگ کی ماں کے وطن صوبہ تیان چنگ میں تفتیش کے لئے بھیجا گیا- اب ماں کے بارے میں پریشان ہوں رہے لگی اور بے چارہ شیہ لاؤ شی وہ سارا سال پورے میں گھوم کر دوسروں لوگوں کے بارے میں تفتیش کرتا پھرتا ہے- اس کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوگا کہ ایک دن اس کی بیوی کی تفتیش بھی ہو رہی ہوگی-

اتوار کی شام ماسی اَن باورچی خانے میں برتن دھو رہی تھی ، میں چنگ چنگ کو بچوں کی

کتاب سے ایک کہانی سنا رہی تھی- کتاب کے نام تھا ''جاسوس کو کیسے قابو کیا جائے؟'' آنٹی وانگ آ گئی- وہ بہت بے چین نظر آ رہی تھی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، جوش اور سربستہ راز سے روشن ہو رہی تھیں- ہسیاؤ ینگ کی ماں کے ساتھ کوئی انہونی ہوگئی ہوگی- میں نے چنگ چنگ کو کینڈی کے دو ٹکڑے دیئے اور اَن ماسی کے کمرے میں کتاب پڑھنے کے لئے بھیج دیا اور پھر آہستہ سے دروازہ بھی بند کر دیا-

''ہسیاؤ ہیں گ کی ماں کی کیا خیر خبر ہے؟'' میں نے بے چین ہو کر پوچھا، میں نے آنٹی وانگ کو سینٹ بھی پیش نہیں کی، صرف ڈیسک کے پاس کی کرسی کی طرف اشارہ کر دیا، میں نے پیٹکو تھاما اور خبر کے انتظار میں پیٹ کے بل پلنگ پر لیٹ گئی-

''ہسیاؤ ینگ کی ماں؟'' آنٹی وانگ نے سر ہلاتے، ہاتھ براتے میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے کہا- ''نہیں ہسیاؤ ینگ کی ماں نہیں- یہ تو چنگ چنگ کا شعبہ ہے؟'

''چنگ چنگ'' میں ہکا بکا رہ گئی اور میں نے حیرت سے دہرایا-

''آبا میں کیا کہوں.....'' میں کرسی پر ڈھیر ہوگئی- پھر اسے میری طرف کھینچا اور سرگوشی کرتے ہوئے اس کی ٹھوڑی میرے پیٹ سے لگ رہی تھی- ''ننگ ٹنگ نے مجھے بتایا کہ آج شام جب وہ چنگ چنگ کے ساتھ کھیل رہا تھا تو اس نے ایک رجعتی نعرہ لگا دیا-''

''کیا رجعتی نعرہ؟ کیا نعرہ؟ میں کچھ نہیں سمجھی؟''

''بی بی'' وہ بھی کہاں بیٹھی رہ سکتی تھی، اس نے چھلانگ لگائی- ہوں ٹ میرے کان کے ساتھ لا کر ''ایک ایک لفظ میرے کان میں ڈال دیا-'' بچے نے کہا: ''چیئر میں ماؤ..... گندا انڈا ہے؟''

''کیا؟'' میں چیخ کر اچھل پڑی-

''شی شی، اتنا اونچا نہ بولو-''

آنٹی وانگ نے مجھے تھام لیا اور واپس پلنگ کے کنارے پر بٹھا دیا- کاٹو تو لہو نہیں بدن میں- میرا دماغ بالکل خالی تھا- میں بار بار بڑبڑائی: ''رجعتی نعرے..... رجعتی نعرے-''

''وہ ابھی بچہ ہے، چھوٹا ہے، اس کی اصلاح ہو سکتی ہے، اس سے باتیں کرو، مگر اسے جھاڑنے، مارنے کی ضرورت نہیں-'' آنٹی وانگ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور مجھے تسلی دینے لگی-

مجھے سنبھلنے میں خاصی دیر لگی اور پھر میں نے اپنی طاقت اکٹھی کر کے کہا: ''ننگ ٹنگ کے علاوہ کس کس نے اسے نعرے لگاتے دیکھا یا سنا-''

''مجھے خبر نہیں-'' اس نے غصے سے کہا اور اس کا سر کسی اندر کے خیال کے باعث ہلتا رہا-''

میرے خیال میں صرف یہ دونوں ہی کھیل رہے تھے-

MashalBooks.org

میں نے طے کرلیا کہ معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے میں ٹنگ ٹنگ سے بات کروں گی- عین اس وقت مائی اَن باورچی خانے سے آرہی تھی، ہاتھ اپرن سے پونچھتی ہوئی، اس وقت میں آنٹی وانگ کو کھینچ کر کمرے سے باہر لے جارہی تھی- اپنے اندر بچے کا وزن بھی میں محسوس کررہی تھی- مائی نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟''

''ابھی آتے ہیں-'' میں نے انٹی وانگ کے گھر کی طرف جاتے ہوئے کہا- جب ٹنگ ٹنگ نے میرے چہرے کا ڈھنگ دیکھا تو وہ بری طرح خوف کھا گیا- اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں پھٹ گئیں- اس نے ہاتھ برائے اور بڑے زور سے سر کو جھٹکا دیا- ''میں نے کچھ نہیں کیا..... میں نے کچھ نہیں کیا..... چنگ چنگ نے کہا تھا-

پھر کچھ دیر پوچھ گچھ سوال جواب کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ ہوا کیا تھا- اس سہ پہر باغ میں کھیلتے کھیلتے دونوں نے گندے انڈے کے لفظ استعمال کرنے کے بارے میں سوچا، پھر جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے، چنگ چنگ نے کہا: ''اماں گندا انڈا ہے، ابا گندا انڈ ہے-'' اور پھر اس کے منہ سے ایسا نام پھیل گیا جو لیا ہی نہیں جانا چاہیے تھا-

''میں اسے جوتے ماروں گی-'' میرا خوف اترا تو میرے اندر غصہ پھنکارنے لگا- پیٹ کو پکڑ کر میں زور زور سے پاؤں پٹکتی واپس آنے لگی-

''ون لاؤشی، جوتے مارنے سے بات نہیں بنے گی-'' آنٹی وانگ نے اپنی دلیل دی- ''کام شروع سے کرنا ہوگا اور اسے چیئر میں سے محبت کرنا سکھانا ہوگا- اسے اپنے لیڈر سے محبت کرنا سکھاؤ-''

''جیسے کہ میں ایسا نہیں کرتی رہی.....'' میری آواز بھرا گئی اور الزام تراشی کی بے انصافی کے سبب میرے آنسو بہہ نکلے-

''چیئر میں ماؤ سے محبت نہ کرو، میں آنٹی وانگ کو کیسے بتا سکتی تھی کہ یہ جملہ میں کہہ ہی نہیں سکتی تھی- میرا خاوند تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بچہ اجنبی سرزمیں پر پیدا ہو کر اپنی سرزمیں سے اتنی محبت تھی کہ وہ غیر ملک کو چھوڑ کر یہاں آنا چاہتا تھا تاکہ بچہ یہاں پیدا ہو، پھر اس کے پیدا ہوں ے سے پہلے ہی اس کا نام بھی رکھ دیا گیا تھا- وائی تنگ..... یعنی ماؤزے تنگ کا محافظ-'' جب وہ چند مہیں ے کا ہوا تو ہم اسے اٹھا کر چیئر میں ماؤ کی تصویر کے سامنے لے جاتے تاکہ بڑا ہوں ے تک انہیں اچھی طرح پہچان لے- یہ چھوٹا تھا تو اس تصویر کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا، ہاتھ پاؤں زور زور سے مارتا اور ماں کو ماما کہہ کر پکارنے سے پہلے اس نے ماؤ ماؤ کہنا شروع کر دیا تھا- کون کہتا ہے کی یہ بچہ چیئر میں ماؤ سے محبت نہیں کرتا- ہم اس کے ماں باپ کسی سے پیچھے نہیں رہے- 1969ء میں جب سارے ملک میں وفاداری کی لہر چل رہی تھی، میں سارے دن کے کام کے

بعد رات کو چار چار گھنٹے چیئر مین ماؤ کی بہت بڑی تصویر لے کر کشیدہ کاری کرتی، اور پھر ہم نے باغی گروپ کے جواب میں گھر کے در و دیوار کی تصویروں اور اقوال شاعری سے رنگ ڈالا۔ صرف کچن اور غسل خانے کی دیواریں چھوڑ دیں اور سب کچھ اس وقت ختم کیا جب چیئر مین ماؤ کی بیوی چیانگ چنگ نے یہ کہہ کر یہ مہم ہی بند کرادی کہ یہ سب کچھ بہت بے ہودہ ہے۔

بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ ہم چیئر مین ماؤ سے محبت نہیں کرتے؟ ہم نے اس کی قیادت کو قبول کرتے ہوئے اپنے خاندان تک چھوڑ دیئے اور یہاں چیین میں آ گئے، جہاں نہ ہمارے دوست تھے، نہ رشتہ دار، میرا خاوند بارہا چنگ چنگ کو یہی بتاتا ہے کہ ہمارا کوئی خاندان نہیں، ہمارا صرف چیئر مین ماؤ کا خاندان ہے۔

''ون لاؤشی، اب مت روؤ۔'' آنٹی وانگ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ تمہارا پیٹ والا بچہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اب تم زیادہ حرکت نہ کرو، نہ پریشان ہو۔ میں نے کہا ہے نا کہ چنگ چنگ بہت چھوٹا ہے اور اسے سدھارا جا سکتا ہے۔''

آنٹی وانگ نے اس انداز میں بات کی، جیسے چنگ چنگ کا معاملہ تو ہمیشہ کے لئے بگڑ گیا ہے۔ لیکن میرا جی چاہتا تھا کہ میں رو رو کر کلیجہ باہر نکال کر رکھ دوں۔ مگر ڈر تھا کہ ہمسارے سنیں گے اور یہ خبر دور تک پھیل جائے گی۔ چنانچہ کچھ آہیں بھریں، خاموشی کے ساتھ آنسو صاف کئے، جو مسلسل بہتے چلے تھے۔ پھر اچانک میرے پیٹ کے اندر بچے نے حرکت کیا اور پھر بڑھتے ہوئے درد نے مجھے خوشی اور حیرت سے بھر دیا۔ آنسوؤں کو بھول کر میں دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبانے لگی۔

''ٹنگ ٹنگ'' آنٹی وانگ نے اپنے بیٹے کی سرزنش کی۔ ''تم کسی کو چنگ چنگ کی بات نہیں بتاؤ گے، اگر تم نے یہ بتائی تو تمہاری جوتوں سے پٹائی ہوگی اور چنگ چنگ بھی آئندہ تم سے کبھی نہیں کھیلے گا۔''

ٹنگ ٹنگ نے اپنی ماں کی طرح کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ماں کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھا، اس نے بڑے بوڑھوں کی طرح بار بار اپنا سر ہلایا۔

''میں غصے میں گھر آئی۔ ماں اُن نے ابھی ابھی چنگ چنگ کو نہلایا تھا اور اب کپڑے پہنا رہی تھی۔ میں تیزی میں آئی تو اُن سے پوچھا: ''ون لاؤشی کیا بات ہے؟'' میں نے اُن کو جواب دیئے بغیر چنگ چنگ سے سوال جواب شروع کر دیے، اس نے اپنا گول سا بھرا بھرا چہرہ اٹھایا، اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں جھپکتا جا تا تھا۔ گیلے بالوں کو کھینچ رہا تھا اور اسے وہ واقعہ یاد ہی نہیں آ رہا تھا جس کا ذکر اس کی ماں کر رہی تھی۔

''ٹنگ ٹنگ کہتا ہے تم نے چیئر مین ماؤ......'' اس مقام پر میں جھجکی اور پھر روایت اور عادت

کے مطابق آواز اتیرائی، گندا انڈا ہے۔'' یہ تم نے کہا تھا؟

''میں مرجاؤں۔'' اَن نے ڈر کر زور سے پاؤں زمیں پر مارتے ہوئے حیرت سے کہا۔

اب اسے کچھ یاد آ رہا تھا اس کا چہرہ تن گیا اور اس نے خوفزدہ ہو کر مجھے مسلسل دیکھنا شروع کر دیا۔

''تم نے کہا تھا یا نہیں کہا تھا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''ہاں میں نے کہا تھا۔'' اس کی آواز بڑی ہی ملائم اور مدہم تھی۔

''کیوں؟'' میں غصے سے چیخی۔

اب اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔ اس کا منہ بیوقوفوں کی طرح کھلا رہ گیا اور اس کی آنکھیں ایسے جیسے مردہ مچھلی کی آنکھیں۔ مجھے شدید غصے کے باوجود اس پر ترس آیا، مگر میرا دل تو طرح طرح وسوسوں میں گھبرا رہا تھا۔ مجھے بے شمار والدین نے ایک ہی بات کہی تھی کہ بچہ چوری کر لے کسی کو لوٹ لے، لیکن اس سے کوئی سیاسی غلطی نہیں ہوں ی چاہیے۔ اس خیال کے آتے ہی اس پر جھکی اور دونوں گالوں پر زور سے تھپڑ مارے۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس نے منہ ہاتھوں میں چھپا کر زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

''بچے پر اتنا ظلم نہ کرو۔'' خوفزدہ بوڑھی عورت نے بچے کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

چنگ چنگ نے اور بھی زور زور سے رونا شروع کر دیا اور دونوں ہاتھ آنسو بھرے گالوں پر رکھ لیئے۔ ''اب دوبارہ نہ کہنا؟'' اَن نے منہ بنا کر اس کو سرزنش کی۔ صرف انقلاب دشمن ہی ایسی باتیں کرتیں ہیں۔ اگر تم نے دوبارہ یہی کچھ کہا تو تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ دیکھو تمہاری وجہ سے ماں کا کیا حال ہو گیا ہے۔ وعدہ کرو اب پھر وہ لفظ نہیں کہو گے؟''

''نہیں..... کہوں گا.....'' سسکیوں میں یہ لفظ اس نے کہے۔

''آؤ دوبارہ تمہارا منہ صاف کر دیں اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اَن اسے کھینچ کر باورچی خانے کی طرف لے گئی۔

''کیا کروں؟ میں بار بار اپنے آپ سے یہی سوال کرتی تھک گئی، پھر آہستہ آہستہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ دروازہ بند کیا، دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی اور آنکھوں کو سختی سے بند کر لیا۔ میں نے چاہا ہر شے بھول جاؤں اور کسی بھی شے کے بارے میں پریشان نہ رہوں۔ میرے ذہن میں جو اضطراب تھا، وہ بپھرے ہوئے سمندر کی ماں ند تھا کہ اس میں اٹھتی ہوئی موجیں ساحل کی تلاش میں ٹکریں

مار رہی تھیں۔ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں زیادہ پریشان اپنے لئے تھی یا چ گ چنگ کے لئے۔ اچانک خیال آیا کہ میں اپنے شوہر کو فوراً خط لکھوں مگر ڈر گئی کہ اگر خط پکڑا گیا تو یہ تو بڑی

ہی خوفناک گواہی ہوگی - پھر طے کیا کہ نہیں واپس آنے کا انتظار کرنا چاہیے، اس طرح وہ بھی پریشانی سے بچا رہے گا- مجھے خیال تھا کہ یہ پریشانی تو خیر ہوں اہی تھی اور یہ ختم بھی ہو جائے گی، مگر پریشانی کی بات یہ بھی ہے کہ کہیں وہ اپنے بیٹے سے ہی مایوس نہ ہو جائے- یہ اس کیف لیے بہت بڑا جذباتی دھچکا ہوگا- ہزاروں میل کا سفر کر کے وہ واپس چین آیا تھا اور بیٹا تھا کہ سرخ جھنڈے تلے پلی دا ہو کر وہ پروان چڑھے گا اور اسی کی طرح افراد کی ملت کے رکن کی حیثیت سے پرامن زندگی گزارے گا- اس پر پرانے نظریوں اور رواجوں کا کوئی بوجھ نہیں ہوگا- اس وقت چنگ چنگ کی عمر صرف چار سال ہے اور اس کے بارے میں باپ کی امید اور توقع بھی خطرے سے دوچار ہے، میرا شوہر بھلا ایسا صدمہ کیسے برداشت کر سکے گا؟

بہت سوچ بچار کے بعد میں نے طے کیا کہ خاوند کو گھر آنے پر بھی اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی- مگر دوسروں کو اس کا ذکر کرنے سے کیسے روکا جا سکتا ہے- مجھے یہ تو خیال تھا کہ مائی اَن کو منع کیا جا سکتا ہے- آنٹی وانگ سے بھی کہا جا سکتا ہے- آنٹی وانگ اور میرا شوہر صوبہ کنٹسن کے رہنے والے ہیں اور ان کی وعدہ کی پاسداری اور وفاداری ضرب المثل ہے- اس لیے مجھے یقین تھا کہ آنٹی وانگ سکول والوں کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی- مگر مجھے اس کے شوہر پر ایسا اعتماد نہیں تھا- وہ میرا ساتھی تھا اور بڑے ترقی پسندانہ نظریات کا مالک بھی- اس کے پارٹی کے ممبروں اور اعلیٰ حکام سے اچھے تعلقات تھے- ہر چند اس کی بیوی اور میں دوست تھیں مگر اس نے مجھ سے ہمیشہ سرد مہری سی اور فاصلہ رکھا- شائد اس لیے کہ امریکی سامراجیوں کی تعلیم نے میرے اندر ایک خاص قسم کا زہر بھر دیا ہے- تب میں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اس کے بارے میں بہت محتاط رہنا ہے اور اسے کسی بات پر بھی ناراض نہیں کرنا- آنٹی وانگ کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا ازسرنو اور ٹنگ ٹنگ کو بھی خوش رکھنا لازمی تھا-

جب مجھے یہ خیال آیا کہ مجھے یعنی ایک پوری عورت کو صرف سات سال کی عمر کے بچے سے ہوشیار رہنا ہے تو میرے رخسار سرخ ہو گئے- یہ سب کچھ چنگ چنگ کی وجہ سے ہوا- یہ سوچ کر میں دیوار سے ڈیسک کی طرف گئی تو سخت غصے میں تھی- اگلے کمرے میں آنے والی سرگوشیوں سے بچنے کے لئے میں نے کان بند کر لیئے- میرے پیٹ میں بچے نے ایک بار پھر حرکت کی- یوں لگا بجلی کی رو سارے جسم میں سرایت کر گئی ہے- جسم کو سمیٹ کر جلدی سے زمین پر بیٹھ گئی-

ڈیسک کے اوپر کتابوں کا انبار پڑا تھا، ماؤزے تنگ کے اقوال، شاعری اور مضامین کے بارے میں کتابیں، مختلف ایڈیشن تھے- پکی جلد والے اور دوسرے جس قسم کے جتنے بھی ایڈیشن چھپے تھے، وہ موجود تھے- میرے سامنے دیوار پر چیئرمین ماؤ کی تصویر تھی، میں نے تصویر کو دیکھنے کے لیے سر اٹھایا اور سانس لیا- تصویر کے چہرے پر مسکراہٹ سے لگتا تھا کہ جو کچھ ہم پر گزر رہی

ہے اس سب سے وہ بالکل بے خبر ہے- اس کی سرد مہر بے نیاز نظروں نے لمحہ بھر کے لیے مجھے ڈرا دیا-

اس لمحے بچہ پھر ہلا- پہلے مجھے سن ہوں ے کا احساس ہوا، پھر تھوڑا سا درد- میں نے پھر خود کو سنبھالا، پیٹ کو پکڑا، گویا پیدا ہوں ے والے بچے کو تحفظ کا احساس دلانے کے لیے- پریشان مت ہو، جب تم دنیا میں آ ؤ گے میں دیوار سے یہ تصویر اتارنے کے لئے ایک بہانہ ڈھونڈلوں گی-

یوں میں اپنے کمرے میں بیٹھی سوچتی رہتی، منصوبے بناتی رہی اور گزشتہ رات کے بارے میں بھی دل جلاتی رہی اور پھر اس دھبدا میں بتی بجھا کر بستر پر لیٹ گئی-

صبح مائی اَن ناشتہ بنانے کے لیے اٹھی- مجھے مارکیٹ جانا تھا، اس لیے میں چھ بجے اٹھی- میں رات بہت ہی کم سوئی تھی، میں تھکی تھکی لگتی تھی- آنکھیں سوجی ہوئی، منہ خشک- مجھے اپنا جسم بھاری بھاری لگا، جو پاؤں پر بوجھ سا بنا ہوا ہے- مجھے یہ بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ بڑھیا بھی پریشان ہے-

''آپ صحیح طرح سوئی نہیں؟'' اس نے کہا- ''آپ سو جائیں، میں خود چیزیں خرید لاتی ہوں-'' میں نے سر ہلا دیا اور بے خبری میں منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی- ''اس کا باپ جلدی ہی واپس آنے والا ہے-''

''تو آپ ان کو، یہ واقعہ مت بتائیں-'' اس نے مجھے زور دے کر یہ مشورہ دیا- اسے اندازہ تھا کہ میرے ذہن کی کیفیت کیا ہے- ''آپ کو اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیے- اگر اس چوٹے سے بچے نے کوئی غلط بات کہہ بھی دی ہے تو وہ اس کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں، اسے ماردیں گے؟ ہمارے علاقے ہویوں ان میں کسان جب کوئی وعدہ کرتے ہیں یا قسم اٹھاتے ہیں تو پہلے چیئر میں ماؤ کا نام لیتے ہیں، مگر جب وہ گالی دیتے ہیں تو بڑے زور کی- ان میں سے اکثر کسانوں کی حالت گزشتہ تین نسلوں سے نہیں بدلی اور کسی نے ان کے لیے کیا بھی کچھ نہیں-''

مائی اَن کی سادہ سی معصومیت سے میرا دل بڑا راضی ہوا مگر میرے لیے یہ مشکل آ پڑی تھی کہ میں اسے وہ فرق نہیں سمجھا سکتی تھی جو سیاسی طور پر دانشوروں اور کسانوں کے معاملے میں روا رکھا جاتا ہے-

جب چنگ چنگ جاگا ہے تو اگرچہ اس کی آنکھیں تھوڑی سی سوجی ہوئی تھیں مگر وہ معمول کی طرح مسکرا رہا تھا- اس نے جو مصیبت کھڑی کی تھی، اسے بھول چکا تھا-

''اماں آج میری سالگرہ ہے-'' اس نے پورچ کا پیالہ اٹھاتے ہوئے پوچھا-

''میں نے دھیان نہیں دیا، میرا چہرہ سخت تھا، میں انراض تھی مگر مزا بھی لے رہی تھی- بچہ آخر بچہ ہی ہوتا ہے- اس کے پھولے ہوئے چھوٹے سے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے مجھے اس کی ہم جماعت ہنسیا ہنگ کا خیال آیا- میرے ذہن میں تصویر چل رہی ہے، رات کے آخری پہر میں

ایک چھوٹے سے بچے سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے- مگر ہسیا ہنگ کی جگہ یہ کارروائی چنگ چنگ کے ساتھ ہو رہی ہے- یہ خیال آتے ہی میری بھوک مٹ گئی، جو میں کھا رہی تھی اس کا ذائقہ تک ختم ہو چکا تھا- مائی اَن مجھے کچھ کھلانے کی خاطر پھلیوں کے بنے ہوئے دی کی بوتل کھول دی- کبھی کسی نے اَن کو یہ بوتل دی تھی- اس مہربانی سے میں نے پورج کا پیالہ کسی نہ کسی صورت اندر انڈیل لیا- اس نے جو خوبصورت اشتہا انگیز سے مجھے کھانے کے لیے دی تھی، میں دراصل اس سے انصاف نہ کر سکی-

پو نے آٹھ بجے کے قریب میں چنگ چنگ کو لے کر گھر سے باہر نکلی، دوسری طرف ہمارے ہمسائے بھی گھر سے باہر آ رہے تھے- مسٹر چو نے صاف شفاف ماؤ ٹیکٹ پہن رکھی تھی- وہ سر اٹھائے بڑی زندہ رفتار سے چل رہا تھا، جبکہ اس کی دبلی پتلی بیوی اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی- جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا مسکرا دی-

''صبح بخیر ون لاؤ شی-''

''صبح بخیر-'' میں نے تیزی سے جواب دیا اور ان کے چہروں کا غور سے جائزہ لیا- مسٹر چو نے بے معلوم مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا- پھر سر اٹھا کر اسی رفتار سے چلنے لگا- مسٹر چو رکی، چنگ چنگ کے سر کو پیار سے تھپتھپایا اور پھر تیزی سے خاوند کے پیچھے چل دی- میں نے بالارادہ رفتار کم کر لی، اسی دوران ان کے دو بیٹے آ گئے- وہ مڈل سکول میں پڑھتے تھے، انہوں نے بڑے فخر سے کندھوں پر سرخ فیتے لگائے ہوئے تھے- وہ بھی رکے، انہوں نے مسکراتے ہوئے چنگ چنگ کو بلایا اور تیزی سے چلے گئے- ان دو ریڈ گارڈز کا رویہ بالکل معمول کا رویہ تھا، کوئی تبدیلی نہیں تھی، جس سے میں یہ سمجھتی کہ انہیں چنگ چنگ والے واقعے کا علم نہیں- میرے سر سے بوجھ سا اتر گیا لیکن یہ بھی خیال آیا کہ چو خاندان کے بارے میں مجھے خبردار رہنا ہوگا-

سکول کے حکام نے ہم تین خاندانوں کو ایک ڈرامنیری میں رکھا تھا اور یہ کوئی بالارادہ کی گئی کارروائی نہیں تھی- اس وِنگ میں تین خاندان تھے، ہمارا اور وانگ کا دروازہ آمنے سامنے تھا اور چونا کا ہم دونوں کے درمیان- مسٹر وانگ کا تعلق تانگ کے ایک عالم فاضل خانوادے سے تھا- اس کا باپ پروفیسر تھا- مگر وانگ کا دادا نیشنلسٹ حکومت کا ایک افسر تھا، اس لیئے وانگ کو پارٹی سے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیے ضرورت سے زائد سرگرمی دکھانا پڑتی- لوگ کہتے ہیں کہ ریڈ گارڈ کی تحریک کے آغاز میں پوسٹر لگائے گئے کہ گھریلو نوکر رکھنے کی مماں عت ہے تو مسٹر وانگ نے فوری طور پر ٹنگ ٹنگ کی آیا کو ملازمت سے نکال دیا- ٹنگ ٹنگ جب پیدا ہوا تھا، اس کا وزن تشویش ناک حد تک کم تھا مگر اس کی آیا نے اس کی انتہائی دیکھ بھال کی اور یہ سلسلہ چار سال تک جاری رہا- اب ان میں علیٰحدگی ایک ظالماں ہ کارروائی تھی- چار سال بڑا لمبا عرصہ ہوتا ہے، اس

میں سب لوگ ٹنگ ٹنگ اور آیا ایک دوسرے سے بڑے امیوس ہو گئے تھے- چنانچہ جب آیا کو برطرف کیا گیا تو تینوں آیا، ٹنگ ٹنگ اور مسز وانگ بہت روئے تھے، صرف مسٹر وانگ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ خاموشی سے منہ بنا کر پھرتا رہا-

ہمارے احاطے میں مسٹر وانگ کا خاندان پہلا تھا جس نے ریڈ گارڈ کی ہدایت پر لبیک کہا اور ملازمہ کو نکال دیا مگر اس ضمن میں اس کے دروازے پر جو پوسٹر لگا تھا، ریڈ گارڈز نے سنکھ اور ڈھول کی تھاپ پر وہ پوسٹر پھاڑ دیا- جب بوڑھی عورتوں کی بہت بڑی تعداد بے روزگار ہو گئی تو انہوں نے وزیر اعظم چو (این لائی) کو درخواست گزاری- اس کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ نوٹس بڑی خاموشی کے ساتھ جاری کر دیا گیا کہ مخصوص حالات کے تحت گھریلو کام کے لیے بوڑھی عورتوں کو ملازم رکھا جا سکتا ہے- اس وقت تک مسز وانگ مے سیوں تھ تحریک میں شامل ہو کر مزدوروں کے اصلاحی پروگرام کے سلسلے میں شمال کیانگسو میں جا چکا تھا- آنٹی وانگ کو اکثر رات کے وقت اپنی ڈیوٹی کرنا پڑتی، اس لیے وہ آیا کو دوبارہ ملازم رکھنا چاہتی تھی مگر مسٹر وانگ اس کے خلاف تھا- جن دنوں درجہ حرارت صفر سے بھی کم ہو جاتا آنٹی وانگ سو قسم کے کپڑوں میں ٹنگ ٹنگ کو لپیٹ کر لے جاتی اور وہ بالکل فٹ بال سا دکھائی دیتا- آنٹی وانگ کی پشت پر جب کبھی برف باری ہو رہی ہوتی، مجھے بچے پر ترس آ جاتا اور میں اسے اپنے پاس رکھ کر چنگ چنگ کے ساتھ سلا دیتی- اس واقعہ کی بنا پر میں مسٹر وانگ سے خوفزدہ تھا-

مسٹر اور مسز چو دونوں ہی پارٹی کے اہم رکن تھے- وہ اکثر اوقات پارٹی کے اجلاس میں حاضری دیتے رہتے یا پھر مشتبہ قسم کے پارٹی ممبروں یعنی اپنے ساتھیوں سے پوچھ گچھ کا کام ان کے سپرد کر دیا جاتا، چنانچہ انہیں کھیتوں میں جا کر کام کرنے کا کبھی وقت ہی نہیں ملا- یہی وجہ تھی کہ وہ زراعت کے اصلاح پروگرام کے زبردست اور پرجوش حامی تھے- وہ چیئر مین ماؤ کے مے سیوں تھ کے پڑات نامے کی بڑھ بڑھ کر تعریف کرتے اور بتاتے کہ کس طرح اس پر حرف بحرف عمل کیا جانا چاہیے- یہ بات مسٹر چو پر زیادہ صادق آتی کیوں کہ اسے سیاسی اصلاحات، محاوروں وغیرہ پر بڑا زبردست عبور حاصل تھا اور ایسے مسائل پر بے دھڑک بولے چلا جاتا- لوگ اس کی غیر موجودگی میں اسے ''سپر بفٹسٹ'' کہتے، مگر کسی کو اس کے منہ پر یہ پوچھنے کی جرات نہ ہوتی کہ وہ خود ذاتی طور پر کب سے مے سیوں تھ کے ہدایت نامہ پر عمل کرے گا- چو کے بیٹے ایسے جوش و خروش میں اپنے والدین سے بھی آگے نکل گ ءے تھے- کلچرل ریولیوشن کے شروع میں جب یہ بچے ابھی پرائمری کلاسوں میں تھے، انہوں نے محلے میں بچوں کو اکٹھا کر کے انقلاب دشمنوں کو پکڑنے اور ان کی جائداد ضبط کرنے کے ڈرامے بھی کیے- وہ بڑے سکت گیر اور منہ زور تھے، اس لیئے اس احاطے میں ہر جوان اور بوڑھا ان سے سخت تنگ تھا-

MashalBooks.org

میں نے چنگ چنگ کو متنبہ کیا: ''جنگ چنگ یاد رکھو، تم آنٹی چو کے گھر کبھی بھی کھیلنے کے لیے نہیں جاؤ گے۔'' لیکن مجھے خبر ہے کہ بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ اسے گھر سے باہر جانے نہ دیا جائے۔

11 ستمبر کی صبح میں بڑے جوش کے ساتھ اٹھی، آج دوپہر میرا شوہر آ رہا تھا۔ میں نے اتنے دنوں سے اس کے آنے کی امید لگا رکھی تھی اور اب وہ آ رہا تھا، تو مجھے کچھ وسوسے سے آئے، میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور بھاری بھاری سا لگا، جیسے مجھے بھی یہ بوجھ نیچے کھینچ رہا ہو۔

میں منہ ہاتھ دھو کر بیٹھی تھی کہ مائی اَن مسکراتی ہوئی آ گئی، جو کچھ خرید کر لائی تھی وہ دکھانے کے لیئے۔ وہ صبح چار بجے اٹھ کر ڈریگن وے ادوین مارکیٹ سے تازہ سبزیاں اور مچھلی خریدنے گئی تھی۔ اس کی خریداری اور اس کی مسکراہٹ سے میں بڑی خوش بھی ہوئی اور کچھ کچھ شرمندہ بھی، میں کئی سالوں سے چین میں رہ رہی ہوں مگر خود کو صبح اٹھ کر خریداری کرنے کی عادت نہیں ڈال سکی، نیندان باتوں سے اب بھی زیادہ پیاری ہے۔

میں معمول کے مطابق چنگ چنگ کو ساتھ لے کر اپنے کام پر جانے والی تھی کہ مائی اَن نے کہا: ''اس کا ابا آج گھر آ رہا ہے، تو پھر تم اسے کیوں سکول بھیج رہی ہو؟''

''اماں، میں نے نہیں جانا۔'' چنگ چنگ نے بھی احتجاج کیا۔

میں نے پھر غور کیا اور کہا: ''نہیں تمہیں سکول جانا ہے، تمہارے جانے کے بعد اماں اپنا کام اچھی طرح کر لے گی۔''

اسے بڑی مایوسی ہوئی مگر جیسے ہی وانگ کا دروازہ کھلا اور ننگ ننگ باہر آیا، ہاتھ میں پستہ لیئے چنگ چنگ کی مایوسی دور ہو گئی اور دونوں نے فوراً ہی باتیں شروع کر دیں۔ پھر چو خاندان والے نکلے، ہم سب نے جلدی جلدی سلام دعا کی اور پھر اپنے اپنے رستے پر چل نکلے۔

دھوپ سے بھرا خوبصورت دن تھا۔ ہر شے روشن اور صاف۔ سکول کے راستے پر دونوں طرف فرانسیسی درخت لگے تھے۔ دھوپ ان درختوں کے پتوں اور شاخوں سے چھن چھن کر پتھریلے راستے پر آ رہی تھی اور جب ہوا چلتی تو دھوپ سائے کے ملاپ سے بڑی خوبصورت شکلیں بنتیں، جب میں سکول کو جا رہی تھی تو ذہنی طور پر اب بھی اپنے ان ہمسایوں کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی، جو ابھی ابھی ملے تھے۔ سپر بعفشٹ نے تو اپنا سر پر غرور اس طرح اٹھایا تھا کہ کوئی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکس کتا۔ اس کی بیوی البتہ چنگ چنگ کے سر کو تھپتھانے کے لیے رکی تھی اور دونوں لڑکے تو تیزی سے ''آنٹی ون'' کہہ کر چلے گئے تھے۔ کیا وہ سکول جانے کی جلدی میں تھے یا مجھ سے آنکھ بچا رہے تھے۔ آنٹی وانگ نے بھی مختصر سی علیک سلیک کے بعد مسٹر چو کی طرف تیزی سے بڑھی اور موسم کی باتیں کرنے لگی۔ آنٹی وانگ کا پارٹی ممبروں سے اتنا

کھل مل کر بات کرنے سے حیرت ہوئی اور سب نے سوچا کہ وہ چنگ چنگ کا قصہ بھی انہیں بتا دے گی۔

جیسے جیسے میں سوچتی اور حیران ہوتی چلی گئی، چنگ چنگ دوڑ دوڑ کر مجھ سے آگے آگے چل رہا تھا۔اس کے پیچھے پیچھے چلتے، میری پیشانی پسینے سے شرابور ہوگئی، اور پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے۔ میں نے ایک ہاتھ سے پیشانی صاف کی اور دوسرے سے پیٹ کو پکڑ لیا۔جب میں کنڈر گارٹن پہنچی تو وہاں سارے بچے آ چکے تھے، میں نے ہسیاؤ ہنگ کو دیکھا، فرش پر بیٹھی لکڑی کے بلاکوں سے کھیل رہی تھی۔اس نے کسان عورتوں کا گلابی فراک پہن رکھا تھا، جس پر اس کی ماں نے محنت سے ''محبت'' لفظ کشید کیئے ہوئے تھے۔اچانک اس نے سر اٹھایا اور پکاری: ''چنگ چنگ کی امی ہیں؟'' میں نے اس کی طرف مسکرا کر منہ دوسری طرف کر لیا کیوں کہ میری آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

جب دوپہر کو میں گھر آئی تو تعجب ہوا کہ چنگ چنگ باپ کی گود میں بیٹھا ہے اور چہرے پر مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں ہیں۔

''تمہیں کیا ہوا، بڑی کمزور نظر آ رہی ہو؟'' میرے شوہر کی کیفیت رونے والی تھی۔اس نے چنگ چنگ کو گود سے اتارا اور بھاگ کر مجھے تھام لیا اور پھر پلنگ کے کنارے پر بیٹھا دیا۔

''کچھ بھی نہیں ہوا، بس ذرا تیز چل کر آئی ہوں۔'' میں نے کہ۔

اب چنگ چنگ کرسی پر کھڑا تھا اور میز پر پڑی بچوں کی کتابوں کے ورق الٹ رہا تھا۔خوش ہو کر کہنے لگا: ''اماں دیکھو ابا یہ ساری کتابیں میرے لیئے لائے ہیں۔''

میں ایک نظر دیکھ کر بتا سکتی تھی کہ یہ وہ وی کا مکس ہیں جن میں جاسوسوں یا ایجنٹوں کو پکڑنے کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔میں خاموش رہی،

اگر چہ مجھے ایسی کتابیں ناپسند ہیں جو بچوں کے ذہنوں میں جاسوسوں اور ایجنٹوں کی باتیں بھر دیتی تھیں۔چنگ چنگ کے ذہن میں صرف دو قسم کے لوگ تھے اچھے لوگ اور جاسوس اور یوں لگتا تھا کہ چین جاسوسوں کی قوم بن گیا ہے۔

ہم میاں بیوی کو پہلے باتیں کیئے ایک عرصہ ہو گیا تھا جبکہ ہمیں بہت سی باتیں کہنی اور سننی تھیں، مگر اس وقت ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے اور یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ بات شروع کہاں سے کریں۔اسکے بال کٹے ہوئے تھے چھوٹے چھوٹے چہرہ بہت سنولایا ہوا، مگر صحت منداور مضبوط نظر آ رہا تھا۔اس کے پیوں دلگے میلے کپڑے بار بار دھونے کے باعث سلیٹی رنگ کے ہو گئے تھے اور ان پر مزید پیوں دبھی لگے تھے۔نانلنگ شہر کے بیرون کمپنیوں میں میں کام کرنے والے مزدوروں سے وہ کوئی مختلف نظر نہیں آ رہا تھا۔

MashalBooks.org

مائی ان کچن میں دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھی۔ ساتھ کے گھر میں شراب پکنے والی مچھلی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میرا خاوند ہلکا سا مسکرایا پھر میرے بڑھے ہوئے پیٹ کو دیکھ کر صرف اتنا کہا: ''کھانے کی خوشبو اچھی ہے۔''

مائی ان نے ان کو کہا: ''کھانا تیار ہے چنگ چنگ چلو منہ دھو کر آؤ۔ چنگ چنگ بادل ناخواستہ کتابوں کو چھوڑ کر کرسی سے اترا اور باورچی خانے میں چلا گیا۔

''بچوں کی کتابیں خریدتے وقت ذرا خبردار رہا کرو۔'' میں نے جلدی سے شوہر سے بات کی۔ ''مزید ایسی کتابیں کم ہی خریدا کرو جس میں چیئر میں ماؤ کی تصویریں بہتات کے ساتھ ہوں۔''

''فکر نہ کرو'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا فہم کے ساتھ۔ ''میرے ساتھیوں نے بھی مجھ سے کہا ہے کہ جن کتابوں می لی فنگ اور وانگ چبہ جیسے ہیرو لوگوں کا ذکر ہوتا، ان میں ہر دوسرے صفحے پر چیئر میں ماؤ کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ایسے کامکس نہیں خریدنے چاہئیں۔ جب بچے کتابوں کو کلر کرتے ہیں تو چیئر میں کی تصویریں بھی خراب کر دیتے ہیں اور یوں مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔''

اس نے جھک کر آواز مدہم کی، گویا سرگوشی میں کہا: ''میرے ساتھی تو کتابیں اپنے بچوں کو دینے سے پہلے ہی چیئر میں ماؤ کی تصویریں نکال لیتے ہیں۔'' میں نے بھی یہی کیا ہے مگر کسی سے کہنا نہیں۔ چنگ چنگ سے محتاط رہنا ہے۔ اب وہ عمر کے اس مرحلے پر ہے جہاں ہمارے کہے ہوئے لفظ سمجھ تو لیتا ہے مگر ان کے معنی پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔

اسے نہ زمیں پر تصویریں بنانے دو، نہ یہ اسے چاک یا پنسلیں دو اگر وہ ہمارے خاص حلات اور پس منظر کی وجہ سے کسی مصیبت میں پڑ گیا تو ہم آنے والے الزامات کی سیاہی کو سمندروں کے پانی سے بھی دھونے کو کوشش کریں گے۔ تب بھی بے گناہ ثابت نہیں کر سکتیں گے۔ اب یہ بزرگ عورت بھی ہمارے ہاں رہ رہی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہمیں اور بھی محتاط رہنا چاہیے ان دنوں ہو کسی کو ہوشیار رہنا چاہئے۔

''ہاں ہاں'' میں نے جلدی سے کہا۔ میرے پیٹ میں پھر درد اٹھا اور میں نے اس سے آنکھیں چرا لیں۔ کھانے کے دوران میرا شوہر اور مائی ان دونوں چنگ چنگ کے پیالے میں مچھلی اور سبزیاں ڈالتے ہیں۔

''چنگ تم گھر پر تو بڑے ٹھیک ٹھاک قسم کے بچے ہو تم نے کہیں کوئی شرارت تو نہیں کی۔''

''نہیں'' چنگ چنگ نے فوراً ہی کہا اور مچھلی منہ میں ٹھونستا رہا۔

MashalBooks.org

پھر اماں ان نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک لفظ کہے بغیر کھانا کھاتی رہی۔ میاں شوہر مجھے اور مچھلی کھانے پر اسرار کرتا رہا۔ حاملہ عورت کو مچھلی ضرور کھانی چاہیے اس میں کیلشیم اور فاسفورس کی تعداد خاصی ہوتی ہے۔

جب میں نے اس کا رشن خوشی سے چمکتا ہو چہرا دیکھا وہ گھر آنے کے باعث بڑا خوش تھا تو مجھے ایک عجیب برح کا احساس جرم ہوا۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ کس طرح اس نے بال راشنے اور کپڑوں پر جوڑ لگانا سیکھا تھا میں نے کھانا ختم کیا اور اٹھنے کے لئے تیار ہوں ے لگی۔

سہ پہر کو جب میں پھر کام پر گئی تو ننگ ننگ کے باپ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ایک ہاتھ سے سائیکل چلا رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے کھانے کی ٹرے پکڑی ہوئی تھی۔ ایک نظر دیکھنے سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مسکراتا سان روان ریستوران سے بھی ہوئی بطخ لایا ہے۔ میں نے سلام کیا تو اس نے عجلت کے ساتھ سر ہلا کر جواب دیا۔ اس کے کالے چہرے میں اس کے سفید دانت بڑے نمایاں نظر آئے۔

اس شام ڈنر کے بعد میرا خاوند نہانے کے پانی کے گرم ہوں ے کے انتظار میں تھا کہ میں اور چنگ چنگ معمول کے نطابق باغ میں کچھ دیر بیٹھینے کے لیے اپنے اپنے سٹول لے کر آ گئے۔ نانکنگ میں ستمبر کا مہیں ہ شروع ہوتا ہے جس میں شامیں ٹھنڈی ہوں ے لگتی ہیں اور رات کے کھانے کے بعد باہر بیٹھنے کا بڑا مزا آتا ہے۔ گرمیوں میں تو بعض خاندان کھانا بھی باہر باغ ہی کھانے لگتے ہیں۔ ہر شام ہمارے کھلے احاتے میں لوگوں کا ہجوم ہو جاتا کرسیاں بچھی ہیں استادلو گ نیکریں ٹی شرٹ پہنے ایک ہاتھ میں پنکھا اور دوسرے میں چاپ سٹکس لیے ہوئے ہیں اور پھر ان کے قہقہوں اور پر جوش گفتگو سے فضا بھر جائی ہے۔

اس شام بھی ہم معمول کے مطابق آنٹی وانگ کے باورچی خانے کی کھڑکی تلے بیٹھے تھے۔ آنٹی وانگ چونکہ کام سے ہمیشہ دیر سے واپس آتی ہے اس لئے اسی وقت ہی کھانا تیار کرنے لگی تھی۔ کھڑکی سے سبزیوں اور ساس کی خوشبو باہر آ رہی تھی۔ وہ باورچی خانے میں کچھ گنگنا رہی تھی مگر ایسا گانا جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ آنٹی وانگ ایسا کیا نہیں کرتی تھی وہ تو ہمیشہ سے صرف انقلابی گانوں سے واقف تھی۔ میں باہر سے صرف اس کے جسم کا اوپر حصہ دیکھ سکتی تھی۔ اس نے آج چمک دار سرخ رنگ کا بے آستین بلاؤز پہن رکھا تھا۔ بالوں کی راش خراش تازہ تازہ ہوئی تھی اور مسکرا مسکرا کر کام کر رہی تھی۔ وہ روائتی قسم کی عورت تھی ہمیشہ نئے فیشن کپڑے پہنتی مگر میں پہلی بار اسے ایسے شوخ رنگ پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے اتنا خوش دیکھ کر مجھے حوصلہ نہ ہوا کہ اسے آواز دے کر سلام کروں ۔ بہت سے استاد تو ابھی ابھی کام سے فارغ ہو کر آئے تھے اور باہر صحن میں ایک دوسرے سے سلام دعا کر رہے تھے۔ آج تو چھٹی کے روز سے ہی زیادہ شور لگ رہا تھا۔

Mashalbooks.org

نو بجے کے قریب چنگ چنگ اور انان ان سونے کے لیے چلے گئے اور میں اور میرا شوہر بھی سونے ہی والے تھے کی ایک دم سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی، میں نے آواز سے پہچان لیا کی ٹنگ ٹنگ ہے۔ میں ٹھٹک گئی اور ابھی جو بلاؤز میں نے اتارا ہوا تھا وہ پھر پہننے لگی۔

میرے شوہر نے کہا: ''ان لوگوں کے معاملے میں نہ آیا کراو۔''

''پھر دیکھ کر آئی۔'' یہ کہتے ہوئے میں دروازہ کھولنے کے لیے بڑھی۔ میں نے دیکھا کہ مسز چونے قصہ سننے کے لیے پہلے ہی سر دوازے سے باہر نکال رکھا ہے۔''

کیا ہو رہا ہے میں نے اس سے پوچھا: ''ٹنگ ٹنگ اتنے زور سے کیوں رو رہا ہے؟''

ٹنگ ٹنگ کا باپ اونچی آواز میں بول رہا تھا اور پھر اچانک جیسے کسی نے ریڈیو کا پلگ آف کر دیا ہو۔ مکمل خاموشی ہوگئی حتی کہ ٹنگ ٹنگ کا رونا بھی سسکیوں میں بدل گیا۔ مسز چو اور میں کچھ دیر کان لگا کر سنتی رہیں مگر ہمیں نہ کچھ سنائی دیا نی کوئی بات سمجھ میں آئی، ہم نے دروازے بند کر لئے۔

''کیا تھا؟'' جب واپس بستر کے قریب آئی تو میرے خاوند نے پوچھا۔'' کچھ بھی ٹنگ ٹنگ رہ رہا تھا۔''

لیکن میں پریشان تھی۔ ہم کئی سالوں سے ہمسائے چلے آ رہے تھے اور میں نے شاید ہی کبھی ٹنگ ٹنگ کو روتے سنا ہو۔ اس کی ماں باپ اس سے ٹوٹ کر پیار کرتے تھے اور اس بات کرتے وقت آواز اونچی نہیں کرتے تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں یہ سلسلہ بھی چنگ چنگ والا ہی نہ ہو۔ اس خیال سے میں بھی اچھی طرح نہ سو سکی۔ میں زیادہ تر جاگتی رہی اور میرے پیٹ میں بچہ بھی پریشان لگ رہا تھا۔ وہ اتنا بوجھل لگ رہا تھا کہ مجھے سانس لینے میں دشواری تھی۔

اگلا دن اتوار کا تھا۔ میں نے باہر والا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تا کہ ٹنگ ٹنگ کھیلنے آئے تو دروازہ بند نہ پائے مگر وانگ خاندان میں سے نہ تو کوئی نظر آیا اور نہ کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے شوہر سے کہا کہ وہ چنگ چنگ کو چنگ خاندان کے مقبرے اور سن پات من کا مقبرہ دکھانے لے جائے۔ وہ کہنے لگا کہ اتوار ہے اس لیے وہاں بڑی بھیڑ ہوگی۔ وہ کل چلا جائے گا اور وہی اس کا یوم پیدائش یا سالگرہ کا دن ہے۔ دریں اثنا اسے پرانے شہر گئے ہی بہر عرصہ ہو گیا تھا اس لئے دوپہر کے کھانے کے بعد وہ چنگ چنگ کو لے کر خوشی خوشی شہر چلا گیا۔

سہ پہر کو کوئلے والا آیا ور ہمارا راشن ایک سو کوئلے کی اینٹیں یا بال باہر دروازے کے ساتھ ڈھیر کر گیا۔ اماں ان نے مجھے چین نہ لینے دیا اور اس نے چار چار کر کے یہ بلاک باورچی خانے میں لے جانے شروع کیے۔ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی اس لیے صرف کوئلے کی دھول کو صاف کر دیا۔ وانگ والوں کا دروازہ تھوڑا سا کھلا اور ٹنگ ٹنگ مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ٹنگ ٹنگ تمہاری اماں کدھر ہے؟'' کوئلہ کا چورا صاف کرتے ہوئے میں نے بچے سے کہا

۔''سو رہی ہیں۔''میں نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔وہ مجھے خاموشی سے تکتا اور آنکھیں جھکا تا رہا۔

''تمہارے ابا نے تو نہیں مارا، کیوں؟''

جھجکا اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا:''مجھے کمر میں جوتے مارے ہیں۔اس نے ایسے آنکھیں جھپکیں جیسے وہ اب بھی وہی درد محسوس کر رہا ہو۔

''سچ؟''میں چیخ کر کہا مجھے حیرانی بھی ہوئی میرے ہاتھ سے جھاڑو بھی چھوٹ گیا اور کوکلا کا بلاک بھی گر کر ٹوٹ گیا۔

''دیکھو آپ نے کیا کر دیا۔''مائی ان بھاگی آئی اسے نقصان پر بڑا افسوس ہوا تھا۔اس نے جھاڑو لے لیا اور اس سے خود صفائی کرنے لگی۔

''تمہارے ابا نے تمہیں کیوں مارا؟''میں اس کے پاس گئی اور دروازے سے لگ کر میں نے سرگوشی میں کہا:''تم نے کوئی بری حرکت کی۔''

''میں نے رجعتی نعرہ لگایا تھا۔''اس نے بڑے بھول پن سے اعتراف کر لیا۔

''کیا؟''میری سانس پھول گئی:''تو تم نے یہ نعرہ لگایا تھا،اچھا سچ سچ بتاؤ یہ نعرہ تم نے لایا تھا یا چنگ چنگ نے؟''

اس نے سر اعترافاً ہلایا پھر جھٹک دیا۔

''میں دوبارہ نہیں کہوں گا۔۔۔۔ڈیڈی نے کہا تھا کسی کو بتانا نہیں۔۔۔۔''

''ننگ ننگ۔''مسز وانگ نے اندر سے ایک دم اسے آواز دی۔بچہ ڈر گیا،ننگ ننگ نے سر اندر کیا اور دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

''کیا ہوا؟''مائی ان نے ہماری گفتگو کا تھوڑا سا حصہ سنا تھا۔وہ صفائی بھول کر سیدھی کھڑی ہو گئی اور بڑے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی:''کس نے کیا تھا؟''

''ممکن ہے چنگ چنگ نے کیا ہو۔''مجھے روشنی کی نازک سی کرن نظر آنے لگی۔ننگ ننگ نے دروازہ زور سے بند کیا وہ میرے پیٹ کے ساتھ لگا اس لیے اب مجھے شدید درد ہوا۔

''کیا بات ہے؟''بوڑھی عورت نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو دباتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔''کچھ بھی نہیں۔''میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔تب مجھے لگا کہ میرا جسم سکڑ کر ایک سخت گیند کی صورت اختیار کر گیا ہے میں ڈر گئی۔''میں کچھ دیر جا کر لیٹ جاتی ہوں۔''

مگر آرام کیسے کروں گی؟ میں نے شوہر اور بیٹے کا شدت سے انتظار کرنا شروع کر دیا اور پیٹ پکڑ کر ایک دیوار سے دوسری دیوار کے درمیان چلنا شروع کر دیا۔مجھے خبر نہیں کتنا عرصہ یہی کیفیت رہی پھر چنگ چنگ کی آواز آئی:''پھر مائی ان نے بھاگ کر دروازہ کھولی دیا۔وہ بھاگتا ہوا آیا اس کے ہاتھ میں ایک ڈبہ تھا۔''اماں، نئے جوتے ابا کل میری سالگرہ پر مجھے مقبرہ پر لے جائیں گے۔''

MashalBooks.org

میں نے بھی بھاگ کر اسے پکڑ لائی، ''آؤ میرے ساتھ میں کھینچی اور اسے کھینچ کر بیڈ روم میں لے آئی۔'' میرا شوہر بھی بار بار یہ سوال کرتا کہ کیا بات ہے کیا بات ہمارے پیچھے پیچھے آتا گیا۔

میں چنگ چنگ کو کھینچ کر ڈیسک پر لے گئی اور پھر کڑی نظر سے اسے چیئر مین ماؤ کی تصویر دکھاتے ہوئے بڑی آہستہ سے پوچھا: ''چنگ چنگ مجھے سچی بات بتاؤ۔ ٹنگ ٹنگ کہتا ہے کہ رجعتی نعرہ اس نے لگایا تھا، تم بتاؤ کہ یہ نعرہ اس نے لگایا تھا یا تم نے؟''

جیسے ہی اس نے رجعتی نعرہ سنا، اس نے چیئر مین ماؤ کی تصویر پر نظر ڈالی تو اسکا چہرہ جم سا گیا۔

''رجعتی نعرہ؟ کون سا رجعتی نعرہ؟'' میرا شوہر اضطراب میں تھا۔ اس نے ہیجانی کیفیت میں بچے کے کندھے زور سے پکڑ لیے۔

''میں نے نہیں کہا۔'' چنگ چنگ نے کئی بار اپنا سر انکار میں ہلایا اور مسلسل باپ کی طرف دیکھتا رہا۔ ''میں نے نہیں کہا، ٹنگ ٹنگ نے کہا تھا۔

''ہو'' میں نے سکھ کا سانس لیا مجھے افسوس ہوا کہ میرے دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا ہے اور میرا دل بلندی پر اڑنے لگا۔

''اس نے کیا کہا تھا چنگ چنگ مجھے جلدی بتاؤ؟'' باپ نے اسے کندھے سے جھٹکنا شروع کیا۔'' اس نے کیا کہا اور کب کہا۔

''صحن میں۔'' چنگ چنگ کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ٹنگ ٹنگ نے مجھے کہا نعرہ لگاؤ۔ ''چیئر مین ماؤ۔۔۔۔ گندا انڈا ہے۔'' مگر میں نے نہیں کہا، ٹنگ ٹنگ نے کہا تھا۔''

''یہ کب ہوا تھا مجھے ابھی بتاؤ۔'' میں نے بے صبری سے پوچھا

''میرے خیال میں کل سہ پہر کے وقت۔'' مائی ان نے مداخلت کی۔ وہ ہمارے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی تھی مگر ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا یہ کچھ دیر صحن میں کھیل رہے تھے۔''

''کل؟'' میں حیران اور بے حد مایوس ہوئی۔ مجھے لگا جیسے میں بادلوں سے نیچے زمین پر گر پڑی ہوں۔ ''کیا بچے اس قسم کے رجعتی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔'' میرے شوہر نے بچے کو زور سے جھٹکا دیا اور اس کا اپنا رنگ غصے سے سیاہ ہو گیا۔

''رونا بند کرو۔'' میرا شوہر چیخا بتاؤ تم نے یہ لفظ کہے تھے یا نہیں کہے تھے۔ اسی وقت صحیح صحیح جواب دو۔

چنگ چنگ نے اور بھی زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ ان مائی نے چیختے ہوئے مجھے پکڑ لیا۔'' ادھر۔۔۔۔ اوئے ادھر اس کے چہرے کو دیکھو!'' اسی روز مجھے ہسپتال لے جایا گیا اور پھر رات بھر درد والام کے بعد میں نے کئی ہفتے پہلے ہی دوسرے بچے کو جنم دیا۔ میرے اکثر ساتھی برے رشک کے ساتھ کہتے ہیں: ''ون لڈوشی تمہارے دونوں بیٹوں کا جنم دن ایک ہے۔'' اور میں ہمیشہ

MashalBooks.org

مسکراتے ہوئے صرف ایک جواب دیتی ہوں: ''چیئرمین ماؤ کا شکریہ۔''
اور سچی بات یہ کہ میں تب سے چیئرمین ماؤ کی شکر گزار ہوں، کیوں کہ تب سے آنٹی وانگ میری پکی سہیلی بن گئی ہے اور تو اور اس کا شوہر بھی جہاں کہیں ملتا ہے مسکرا کر سر کے اشارے سے سلام کرتا ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.org

# گلدان

اوَیانگ زو، (ب1939)۔ ہیروشیما، رہائش امریکہ)

شی چی چوان نے چاپ سٹکس نیچے رکھیں اور میز پر سے سوپ کا پیالہ اٹھالیا۔ اس نے پیالہ دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا اور اس کی انگلیاں ذرا ذرا لرز رہی تھیں۔ اس کے سامنے بیٹھی فنگ لن نے چاولوں کا آخری نوالہ بھی لے لیا۔ شی نے سر جھکایا اور سوپ کی چسکیاں لینا شروع کر دیں۔

اسے اپنی بے قراری سے بھی تکلیف ہو رہی تھی کیوں کہ قصور تو اس کا نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کی جو کچھ اس نے گزشتہ شام منصوبہ بندی کی تھی اگر اس پر عمل نہ کیا تو وہ ساری زندگی اپنے آپ کا سامنا بھی نہیں کر سکے گا۔

''آج شام فارایسٹ میں چل کر فلم دیکھیں گے۔'' آخر کار اس نے کہہ ہی دیا مگر یہ لفظ منہ سے نکالنے کے فوراً بعد اسے افسوس سا ہوا کہ اس کا لہجہ موقع کی مناسبت کے مطابق نہیں تھا وہ دراصل اس بات کو حاکمانہ انداز میں نہیں کہنا چاہتا تھا۔

فنگ نے ایک منٹ تک کوئی جواب نہیں دیا۔ شی نے اپنی آنکھیں کے کونوں میں فنگ کو دیکھا

جس نے اپنی چاپ سٹکس تو رکھ دی تھیں، مگر تاڑ لگا کر میز کو دیکھتی جا رہی تھی اور پھر اس کے ہونٹوں کے کناروں پر ایک نا قابل بیان قسم کی مسکراہٹ کھلنے لگی۔

''عرصہ ہوا ہم کبھی فلم دیکھنے ہی نہیں گئے۔'' شی نے کہا۔ اس کا سوپ کا پیالہ نیچے رکھا اور اوپر دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا تھا، ناک تھوڑی سے اوپر کو اٹھی ہوئی لیکن جبڑا اور رخساروں کی ہڈیاں اچھی تھیں اسے خوبصورت تو نہیں کہا جا سکتا تھا مگر قبول صورت ضرور تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ فنگ اسے مبازانہ انداز میں دیکھ رہی ہے۔ فنگ کی آنکھوں میں مخاصمت کا رنگ دیکھ کر شی کے جسم میں عجیب سی لہر اٹھی۔ ''مجھے بہر حال اس پر فوقیت حاصل ہے۔'' اسے خیال آیا۔ ''اس کا خیال تھا کہ وہ مجھ سے برتر ہے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ وہ مجھ سے بلند مرتبہ ہے، مگر اصلاً فاتح تو میں ہوں، ترپ کا پتہ تو میرے پاس ہے۔''

اس نے بڑے صبر کے ساتھ فنگ کے جواب کا انتظار کیا۔ اپنی ہیجانی کیفیت کو چھپانے کے لیے سوپ کا پیالہ پھر منہ سے لگا لیا پھر اسے یہ بھی تسلی تھی کہ اب جواب اس کی بیوی کو دینا ہے اگر ہو کچھ نہیں بولتی تو پھر یہ قصور اس کا نہیں ہوگا۔

''اس مرتبہ میں نے کامیابی سے اسے گھیر لیا ہے کہ اب اسے ناممکن کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔'' اس نے سوچا۔ دراصل وہ بڑی بے تابی سے انتظار کر رہا تھا کی اس کی بیوی کیا جواب دیتی ہے۔ کیا وہ اسے قبول کرے گی؟ یا وہ کہے گی: ''نہیں میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی، میں نے کسی اور کو وقت دیا ہوا ہے؟'' شی کو احساس ہوا کہ اب صورت حال پر اس کا کنٹرول ہے اور اب وہ جس طرح کا سلوک چاہتا اپنی بیوی کے ساتھ کر سکتا تھا۔ اسے یہ بھی گماں تھا کی اب بیوی اس کے گھیرے سے نکل بھی نہیں سکے گی۔

گزشتہ دو سال میں شی کو سب سے زیادہ رنج اس بات کا تھا کہ اس نے فنگ سے ٹوٹ کر محبت کی ہے۔ اس نے اس قدر شدید محبت کی ہے کہ اب وہ اس نفرت کرنے لگا ہے۔ اس کی موجودگی ہر لمہ اس کیلئے عذاب بنی ہوئی تھی۔ اسے کسی پہلو چین نصیب نہو ہوتا تھا۔ فنگ کی عمر اٹھائیس برس تھی۔ اس سے صرف دو برس چھوٹی مگر لگتی بیس اکیس کی تھی۔ سر پر گھنے سیاہ بالوں کے ساتھ اس کی دودھیا سفید جلد دو برس چھوٹی مگر انتہائی دلکش نظر آتی اور اس کے بہت ہی باریک ہونٹ اور بھی غضب ڈھاتے تھے۔ اس کے دائیں گال پر ''نشان حسن'' بھی تھا وار فنگ کو اس پر بڑا ناز تھا۔ فنگ حقیقتاً بڑی خوب صورت عورت تھی اور دوسری خوب صورت عورتوں کی طرح چاہتی تھی کہ وہ جہاں بھی ہو سب پر چھائی رہے۔ وہ نہیں بلکہ دوسرے اس کے پابند ہوں اور زیر نگین رہیں۔ شی اپنی بیوی کے سامنے نہ تو خود کو مرد سمجھتا، نہ ہی اس کا شوہر لگتا۔ اسی وجہ سے اسے بیوی سے بھی نفرت تھی اور اپنے آپ سے بھی۔ فنگ کے سبب اس کی مردانگی مجروح ہوتی تھی اسی لئے

وہ فنگ کو بخشنے کے لئے تیار نہ تھا۔

شی کے دل میں بار ہا بغاوت کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، مگر یہ صرف خواہش ہی تھی اسے پورا کرنے کی طاقت اس میں نہیں تھی ۔ چنانچہ جب وہ ناراض ہوتا آپے سے باہر ہو جاتا جیسے گھرا ہوا درندہ۔

مگر اس کی سب سے بڑی خلش اور عذاب دہ کیفیت تو یہ تھی کہ فنگ کے سخت سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ جان جلانے والا یہ حسد تھا، اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اسے فنگ کی ہر حرکت ، ہر ادا سے حسد تھا۔ غصہ تھا ، چڑ تھی۔ حتی کہ اس کی مسکرہٹ تک شی کے لئے نا قابل برداشت تھی۔ اس کا خیال تھا کی اسے اس کی غیر موجودگی میں یا اس کی پیٹھ پیچھے خوش ہوں ے کا کوئی حق نہیں۔

''فار ایسٹ میں کون سی فلم لگی ہے؟'' فنگ لن نے پوچھا، مگر وہ اب بھی میز پر نگاہیں جمائے ہوئی تھی۔

''فیٹڈ لو'' چی نے سوپ کے پیالے کے کنارے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ سوپ کا پیالہ اب بھی اس کے ہاتھوں میں تھا۔

فنگ نے تھوڑی سی تیوڑی چڑھائی۔

شی نے دیکھ لیا اور پوچھا: ''اب اس تیوڑی کو دیکھو۔'' اس کے ذہن میں پھر ایک برقی روسی دوڑ گئی۔ اس وقت شی کی صرف اور صرف یہ خواہش تھی کہ اسے اضطراب میں مبتلا کر کے پچھلے دو چار دن میں اس نے اپنی محبت کی جو عقوبت برداشت کی تھی اس کا انتقام لے سکے۔ محبت۔۔۔۔۔۔ دہشت ناک محبت۔

پھر اسے چند روس پہلے والی خوف ناک رات یاد آ گئی۔ اس رات اس نے اپنے دوست کے گھر جی بھر کر شراب (وائن) پی تھی۔ چہرہ دمک رہا تھا اور پسینے کے قطرے بھی دمک رہے تھے وہ مدہوش تھا۔ جب وہ گھر واپس آیا تو فنگ لن نے اس پر ایک نظر ڈال کر کندھے اچکائے اور ہتک آمیز لہجے میں کہا: ''وہ بہت شراب پی کر آیا ہے۔'' چنانچہ وہ اپنا معمول کا سبھاؤ بھول گیا۔ اس نے ایک ہاتھ لباس پر ڈالا، دوسرا اس کے بازو پر رکھا اور کھینچ کر بیڈ روم میں لے گیا اور دھکا دے کر اسے بستر پر گرا دیا۔ ''مت سوچو کہ میں خاموش رہوں گا؟'' وہ بیٹھی آواز میں چیخا۔ جب شی نے فنگ کے چہرے پر حقارت کے تاثرات دیکھے تو اس کا غصہ ساتویں آسماں تک چلا گیا۔ پھر بڑے وحشیانہ انداز میں اس نے ایک ایک کر اس کے کپڑے اتارنے شروع کئے اور ایک ایک کر کے انہیں فرش پر پھینکتا رہا گویا یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ ''کون ہوتی ہو تم میری سبکی کرنے والی؟ کیا قصور تھا میرا، کیوں تم نے میری بے عزتی کی؟'' اس نے دانت پیسے پھر اس کی آواز کانپنے لگی

اور لفظ اور سسکیاں ایک دوسرے میں مدغم ہونے لگیں۔

واقعی وہ رات بڑی خوفناک تھی۔ اس نے ناقابل جرم کیا تھا۔ آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی اس نے دیکھا فنگ اس کے بازوؤں میں سوئی تھی اس کے عریاں جسم پر کھڑکی سے آنے والی آدھے چاند کی چاندنی پڑ رہی تھی۔ اسے یاد آیا کہ شراب میں وہ سب ادب آداب بھول گیا تھا۔ پھر اس کے دل میں شرم، خفت، افسوس کے احساسات ابھرے، لیکن فنگ لن بڑے ہی سکون کی نیند سو رہی تھی۔ سانس بڑی ہموار چل رہی تھی اور اسی لحاظ سے چھاتی کے زیر و بم تھے۔ اس لمحے اس کے چہرے پر کسی قسم کی حقارت نہیں تھی۔ اس لمحے وہ اس کی تھی، ثابت و سالم اس کی تھی، لیکن اگر وہ روتی (مگر ایسا کم ہی ہوتا تھا) تو اس کا رونا شی کے لئے اور بھی ناقابل برداشت ہوتا۔ اسے آنسوؤں سے بھی نفرت تھی جو اس کے لئے نہ بہائے جائیں۔

بہر طور اپنے وقار کو بحال رکھنے کے لئے وہ حسد اور نفرت کی اس غیر معمولی کیفیت کو دبائے رکھتا، اس نے بالارادہ فنگ کے معاملات سے چشم پوشی بھی کی اور کچھ کچھ بے تعلقی کا سا رویہ رکھا۔ شی چی چوان کو خود پر بڑا فخر تھا وہ بالارادہ بڑے غرور کا مظاہرہ کرتا تاکہ اندر کے شدید احساس کمتری کو دبایا جا سکے۔ یہاں تک کہ وہ خود کو اپنی بیوی سے بھی فاصلے پر رکھتا تھا تاکہ اسے اس کی خواہش کا اس کی حاجت کا شبہ تک نہ ہو، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر لحظہ خفیہ انداز سے اسے دیکھتا رہتا اور اس کی ہر ہر ادا اور ایک ایک انداز پر نظر رکھتا۔ پھر آہستہ آہستہ یوں ہوا کہ کہ شدید محبت کرنے کے بعد وہ اس کا حاسد بنتا گیا اور اس سے نفرت کرنے لگا۔ ایک طرف تو خود اس کے لئے اپنی بیوی پر غالب رہنا مشکل ہوا، دوسری طرف وہ یہ بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھا کہ باقی دنیا اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی تعلق ہو، کیوں کہ اس کے نزدیک دنیا بہت ہی وسیع تھی اور اس وسیع دنیا میں خدا جانے اس کی بیوی کیا کچھ کرتی پھرے۔

دوسری طرف فنگ لن کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے خاوند کے ان جذبات و احساسات کے بالکل بے خبر لگتی تھی۔ وہ ہمہ تن اپنے کاموں میں ہی مصروف رہتی، خط لکھنے اور دوستوں سے پہلی ملاقات میں۔ اسے بہت سرگرمیاں میں لطف آتا تھا، وہ مزے لیتی تھی۔ اس جوڑے کو یہ تو علم تھا کہ ایک میاں بیوی کی حیثیت سے انہیں ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے، مگر دونوں کو احساس تھا کہ ان کے درمیان ایک نادیدہ میدان جنگ میں نامعلوم تنازعہ پر سخت لڑائی چھڑی ہوئی ہے۔

''اس کا خیال ہے وہ مجھ سے بہتر ہے۔'' شی چی چوان نے سوچا، مگر وہ تو مجھے سمجھتی ہی نہیں اسے تو خبر ہی کہ میرے ذہن میں کیا ہے، میں اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ ذہین اور چالاک ہوں۔ اسے خبر نہیں کہ اس نفسیاتی معرکہ آرائی میں اس پر غالب ہوں وہ میرے کنٹرول میں ہے۔ اسے پتہ ہی نہیں کہ اسے چکر دیے جا رہا ہے۔ میں کبھی اس کے معاملے میں دخل نہیں دیتا مگر اس کا

یہ مطلب نہیں کہ میں نے نظر ہٹالی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں مجھے تو اس سے بھی زیادہ خبر ہے اور وہ ایک مرد تھا ایک مکمل مرد۔ شی چی چوان اٹھ کر بیٹھ گیا اور یک سو ہو کر اس نے چادر منہ سے ہٹائی، خوب صورت عورت کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کے جسم پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ پہلے پنڈلی پر پھر ہولے ہولے اوپر اس کی ہموار نرم ٹانگوں اور رانوں پر، اس کے پھولے ہوئے چوتڑوں پر اور پھر اس کی توجہ اس کی مثلث نما ابھری ہوئی ملائم چھاتیوں پر ہوئی اور آخر کار اس کے ہاتھ اس کی گردن پر آ کر رک گئے۔

اس کی گردن بڑی پتلی اور نازک تھی۔ اتنی پتلی اور نازک کہ اگر شی ذرا زور سے دبا دے تو چند منٹوں میں کام تمام ہو جائے۔ اسے خیال تھا وہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے اور یہ سارا عمل اس قدر سادہ اور آسان کہ وہ پھر کبھی بیدار نہ ہو گی ہمیشہ کی نیند سوئی رہے گی اور اس کی بیوی ہی کی حیثیت سے۔ وہ اس کے جسم کے ساتھ جس طرح چاہے اور جو چاہے کرے۔ جیسے دوسرے خاوند اپنی بیویوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ بغیر کسی شرم وحیا کے اور پھر ان عورتوں کے چہروں پر حقارت کی پرچھائیں بھی نہیں ہوتیں۔ اسے یہ خطرہ بھی نہیں رہے گا کہ اس پر اس کی بیوی غالب آ جائے گی اور یہ کہ اس کے سامنے اس کی مردانگی خم کھا جائے گی۔ جب اس جسم پوشیدہ ہوں ے لگے گا تو پھر وہ اسے کھو دے گا، مگر اسے آئندہ اپنی بیوی کو کھونے کا کوئی خوف بھی نہیں رہے گا اور صبح سے رات تک بغیر محفوظ ہوں ے کا ڈر بھی نہیں رہے گا۔ سب درد و آلام مٹ جائیں گے۔ وہ اس بندھن سے کٹ کر آزادی حاصل کر لے گا۔

مگر فنگ لن انتہائی سکون سے سو رہی تھی۔ اس کے مرمریں شہرے، اٹھی ہوئی ناک اور آنکھوں پر ابروؤں کے سائے۔ شی چی چوان کی انگلیاں لرزنے لگیں، سارے جسم میں آگ لگ گئی، آنکھیں خشک تھیں اور پیشانی کے کونوں سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور جیسے ہی وہ اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے وہ۔۔۔۔۔۔۔ کہ اچانک فنگ لی نے سانس لینا بند کر دیا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں بند ہی رہیں، مگر چاندنی کے سائے میں لگا کہ ان میں کچھ کچھ حرکت ہے۔ شی نے ایک دم محسوس کیا جیسے اسے فالج ہو گیا ہے اور وہ جو طاقت مجتمع کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک دم غائیب ہو گئی ہے۔ وہ پیچھے بستر پر گرا اور تکیے کے غلاف کو دانتوں کے کاٹنے لگا پھر آنکھوں سے بے بسی کے آنسو گرنے لگے۔

فنگ لن کے چہرے پر ایک پراسرار ناقابل بیان مگر توقع کے مطابق تاثر ابھرا۔ اس نے برتن اکٹھے کر کے رکھے۔ کھڑی ہوئی ڈائننگ روم سے نکل کر بیڈ روم میں چلی گئی۔ نوکرانی آئی اور برتن لے کر چلی گئی۔ پھر وہ صفائی والا کپڑا لائی اور ڈائننگ ٹیبل کو صاف کرنے لگی۔ کام ختم کرنے کے

بعد وہ جاتے ہوئے اس کا پوپلا جسم دیوار کے ساتھ پڑی چھوٹی میز سے ٹکرایا۔ شی چی چوان کے دل کو جیسے ہاتھ پڑ گیا ہو وہ تقریباً چلا اٹھا۔

گلدان ہلا ضرور مگر گرا نہیں۔

شی نے سکھ کا سانس لیا۔ آگے بڑھا گلدان کو بڑی احتیاط سے اٹھایا اور اپنے گال کے ساتھ دبایا۔

ایک برف جیسی ٹھنڈی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔

چینی کا گلدان نرم و نازک حسن اور وقار کا مجسمہ دو ماہ پہلے اس کا ایک دوست کیوٹو سے خرید کر لیا تھا۔ اس پر نایاب پھولوں کے نقش تھے جن سے طرح طرح کے روشن رنگ جھلکتے تھے۔ شی نے جیسے ہی یہ گلدان دیکھا تھا گویا اسے عشق ہو گیا۔ جب کبھی اس کی انگلیاں اس گلدان کی تہہ پر چلتیں شی ایک ناقابل بیان قسم کی سنسنی محسوس کرتا۔ تیز بھی اور دردیلی بھی، لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی دوست اسے دیکھے یا چھوئے۔ شروع میں تو وہ اسے تالے میں رکھنا چاہتا تھا مگر فنگ لن اس بات پر بڑے زور سے ہنسی تھی۔ فنگ لن نے اس کا مذاق نہیں اڑایا تھا لیکن اس نے محسوس کیا کہ فنگ لن کی آنکھیں اسی طرح ہنس رہی ہیں۔ وہ اتنا ناراض ہوا کہ ارادہ تبدیل کر دیا اور گلدان کو ڈائننگ روم میں ایک طعف چھوٹی میز پر سجا دیا مگر اس نے گلدان میں پھول سجانے کی اجازت نہیں دی۔ وہ خود ایک اونی کپڑا لے کر اس پر سے گرد وغیرہ صاف کیا کرتا۔ اگر کسی لمحے کوئی مہمان آ جاتا تو شی اکھڑ جایا کرتا اور دعا کرتا کی مہمان کو نظر کونے میں میز پر رکھے گلدان کی طرف نہ جائے اور اگر کسی کی نظر اس کے اس خزانے پر پڑ جاتی تو اسے برا لگتا۔ ''ارے کیا خوب صورت ہے، کہاں سے ہاتھ لگ گیا؟'' پھر مہمان اس کو ہاتھ میں پکڑ کر تعریفوں کا پل باندھتا ان لمحوں میں شی کو ایسے درد محسوس ہوتا جیسے کسی نے اس کے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہوں اور ان ٹکڑوں پر انگلیاں پھیر کر تعریف کیے جاتا ہو۔

شی چی چوان باتھ روم میں گیا۔ جلدی سے منہ صاف کیا اور بیڈ روم میں آ گیا۔ ڈریسر کے سامنے بیٹھی فنگ لن نے اچانک اوپر دیکھا تو شیشے میں اس کی آنکھیں شوہر کی آنکھوں سے چار ہو گئیں۔ دونوں کو جیسے دھچکا لگا ہو مگر یہ احساس بڑا لمحاتی تھا۔ فنگ لن نے فوراً نگاہیں نیچی کر لیں، برش اٹھایا اور بالوں میں پھیرنا شروع کر دیا۔ شی چی نے آنکھیں سکیڑ کر اسے نفرت سے دیکھا اور سوچا: ''اسے کوئی احساس مجرماں ہے،'' دیکھتا ہوں بھلا تیاری کا وقت کون سا بہانہ بناتی ہے۔

''شو نو بجے سے پہلے شروع نہیں ہوتا۔'' اس نے کہا ابھی سات بجے ہیں ابھی تیاری کا وقت نہیں تم جلدی کر رہی ہو۔

''بہر حال چلو ابھی سے تیاری شروع کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آج رات بہت ہی خوب

صورت نظر آؤ۔'' شی چی چوان نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہا کہ اب اس کا پلڑا بھاری ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر اسے جرم کا احساس نہ ہوتا تو اتنی خاموش نہ رہتی۔ فنگ لن اس کا مقابلہ کرنے کی اہل نہیں تھی وہ مایوسی کی گہرائی میں گری پڑی تھی۔ ایسے میں شی کو احساس ہوا گویا اس کی مردانگی لوٹ آئی ہے۔

''اچھا، میک اپ کرو۔'' اس نے کہا: ''ہم ایک لمبے عرصہ سے ایک ساتھ باہر نہیں گئے۔'' وہ اسے کچوکے لگانے پر تلا ہوا تھا اور اپنی طویل باہمی جنگ کو بھی اختتام پر پہنچانا چاہتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جیت اسی ہوگی۔

فنگ لین نے برش رکھ دیا اور آہستہ سے کندھے اچکا کر کہا:

''میں نے نہیں کہا تھا میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔''

''کیا؟ تم نہیں چل رہی ہو؟ تم فلم دیکھنے نہیں جا رہی؟'' شی چیخا وہ یہ جنگ لڑنے کیلئے پوری طرح تیار تھا۔

''میں نے فیصلہ نہیں کیا۔'' فنگ نے کہا اور پھر اپنی نازک نیلی انگلیوں سے کولڈ کریم لگانے لگی۔

''فیصلہ نہیں کیا؟'' کیوں کیا بات ہے؟ ایک طرف تم میک اپ کر رہی ہو، جانے کیلئے تیار ہو شی نے نظریں اس پر گاڑے رکھیں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے ماتھے اور گالوں پر کریم کا لیپ کیا اور اب وہ آہستہ آہستہ اسے جذب کرنا شروع کیا۔ اس نے قمیض پہن رکھی تھی جس میں دونوں ننگے بازو نکل رہے تھے جن میں بڑی جنسی کشش تھی۔ شی اسے گھورنے لگا اور اس وقت وہ یقیناً اسے کاٹ لیتا۔

''میرا مطلب ہے'' فنگ لن معمول کے مطابق اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگی۔ میرا مطلب ہے کہ میں نے تو یہ طے نہیں کیا کہ کون سا کام کروں۔

''کیا، واہ واہ! تو تمہارا آج رات ایک اور پروگرام بھی ہے۔'' شی اس کی طرف آنکھیں پھیلا کر دیکھتا چلا گیا اور تاثر حیرت اور مایوسی کا دینے لگا۔

فنگ نے تیزی سے آنکھیں اٹھائیں اور بغیر آنکھیں جھپکے نڈر ہو کر شیشے میں اسے دیکھا۔

''تم جانتے ہو۔'' اس کا ایک ایک لفظ بلند سر اور صاف تھا۔

شی دھڑکا،

تم جانتے ہو پھر مکر کیوں کرتے ہو۔ اس نے بات دہرائی اور اب اس کی آنکھوں میں واضح مخاصمت تھی۔ شی پیلا پڑ گیا۔ اس کے اندازے غلط ہو گئے اور اس لمحے وہ کوئی بھی نئی بات نہ سوچ سکا۔

MashalBooks.org

''میں۔۔۔۔۔۔میں، جانتا ہوں؟۔۔۔۔۔تم تمہارا مطلب کیا ہے؟''اس نے زور سے کہا،

فنگ نے کہا کچھ نہیں مگر ایک نامعلوم سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

پھر اچانک غصے کی بہت بڑی لہر اس پر غالب آ گئی۔ وہ غصہ میں اندھا سا ہو گیا وہ فنگ کی طرف بھاگا اور اسے شانوں سے پکڑ کر الٹا گھما دیا۔ فنگ پر اچانک حملہ ہوا تھا اس لیے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ شی نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کے جنسی کشش والے بازوؤں پر رکھے ہوئے تھے۔ فنگ نے چھڑانا چاہا، مگر پھر کوشش ترک کر دی۔ وہ دوبارہ چیخی بھی نہیں غیر معمولی طور پر پرسکون رہی تاہم رنگ پیلا پڑ گیا۔

''بولو تمہارا کیا مطلب ہے؟''غصے سے کانپتا شی دھاڑا۔

فنگ کی تپتی آنکھوں سے دو سرد شعلے نکلے۔

''تم واقعی جاننا چاہتے ہو؟''اس نے گھمبیر ہو کر کہا۔

''بتاؤ'' شی پھر گرجا اور اس کے بازوؤں پر انگلیاں کر گرفت اور سخت کر دی۔ پھر اس کے ہونٹوں کے کونوں میں حقارت کی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اچھا، تو پھر سنو۔''اس نے سرد مہری اور سختی سے کہا۔''تمہارا خیال ہے میں نہیں جانتی؟ تم مجھ سے حسد کرتے ہو۔ پاگل پن کی حد تک حسد، گزشتہ روز جب میرا کزن ملنے آیا، تم دروازے کے پیچھے بیٹھے جاسوسی کر رہے تھے۔ تم نے سنا کہ میرے کزن نے مجھے ڈرامہ دیکھنے کی دعوت دی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی؟ جب سے میرا کزن امریکہ سے واپس آیا ہے۔۔۔۔ چھ ماہ سے تم میری ہر ہر قدم پر نگرانی کر رہے ہو جیسے میں اس کے ساتھ بھاگ جانے والی ہوں۔ یہ انتہائی مضحکہ خیز بات ہے۔ اگر تمہیں حسد ہے تو سامنے آ کر صاف کہتے کیوں نہیں؟ تم ایک مرد بن کر مجھے اس سے ملنے سے روک نہیں کیوں نہیں دیتے؟ تم نے یہ کیوں نہ کیا؟ کیوں؟''وہ چپ ہو گئی اور اس کی پیلی رنگت میں قرمزی رنگ آ گیا۔

''تم۔۔۔۔۔تم''وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر ہکلا کر رہ گیا۔

''بات یہی نہیں''فنگ اس پر برستی رہی۔ میں دوستوں کی طرف آئے خط ڈیسک کے دراز میں رکھتی ہوں، تم میری غیر موجودگی میں یہ سب خط پڑھتے ہو، اگر تم اپنی یادداشت سے ان خطوں کی عبارتیں دہرا بھی دو تو تعجب کی بات نہیں ہو گی۔ تم جو بھی کر دیا کرتے ہو تمہیں یہی خوف رہتا ہے کہ میں ہنس دوں گی، ٹھٹھا کروں گی دوسرے بھی تم پر ہنسیں گے۔ چنانچہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو چھپ کر رازداری سے کرتے ہو۔ پیٹھ کے پیچھے کرتے ہو۔ غیر موجودگی میں کرتے ہو۔ جب

MashalBooks.org

میں باہر جاتی ہوں تم سائے کی طرح میرا پیچھا کرتے رہتے ہو۔ کہو ایسا نہیں؟ اور تم سمجھتے ہو مجھے اس کی خبر ہی نہیں؟

''شاید تم نے سوچا کی اس طرح تم میری کوئی چوری پکڑ لو گے، لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں مجھے خبر تھی کہ تم اس بات سے بے خبر ہو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو مجھے اس کا پتہ ہے۔'' میں تو تجاہل کرتی رہی اور تم یہ بات سمجھتے رہے کہ میں تمہیں سمجھتی ہی نہیں۔ تم ایسے حاسد کیوں ہو؟ میں تمہاری بیوی ہوں تمھارے مجھ پر کچھ حق ہیں۔ میں تمہیں کب کسی شئے سے انکار کیا؟ غلطی تو تمہاری اپنی ہے۔ تم بالا رادہ فاصلے پر رہے اور غلط فہمی میں رہے کہ مجھ سے برتر ہو جیسے تم بلندی پر ہو اور ہم تم تک پہنچ نہیں سکتے تھے کہ میں تمہارے کنٹرول میں رہوں تا کہ تم جب چاہو مجھے جیب میں رکھ لو مگر تمہیں ایسا کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ تم میں تو اتنی جرأت ہی نہیں۔ چنانچہ تم مجھ سے نفرت کرنے لگ پڑے اور انتقام لینے کی سکیمیں بناتے رہے تو چلیں، تو پھر تم نے اس مشق کی خاطر بھی اپنے ہمت وحوصلہ کو کیوں نہ اکٹھا کیا۔ تم جاسوسی کرتے رہے؟ تمہیں پتہ چلا کہ آج میرا کزن سے وعدہ ہے تو پھر تم نے مجھے فیڈلو نامی فلم دیکھنے کے لئے بالا رادہ اسی شام کی دعوت دی۔ کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ اس طرح تم مجھے اذیت دے سکو گے اور میرے لئے ہر بات ناممکن بنا دو گے؟ تم کس قدر برخود غلط ہو، کتنے غلط۔

جیسے جیسے وہ بات کرتی گئی اس میں فاتحانہ روانی آتی گئی۔ اب خاموش ہوگئی سانس لینے میں دشواری مگر چہرے پر جوش کے باعث سرخی۔

شی اپنے ساتھ ہی جنگ آزماؤ۔

''بکواس بالکل بکواس'' آخر کار یہی چند لفظ منہ سے لڑھکا کے اس نے دونوں ہاتھوں سے کرسی کی پشت پکڑی ہوئی تھی اور اس کا چہرا تڑ مڑ رہا تھا۔

''بکواس'' فنگ نے فاتحانہ انداز میں مسکرانہ شروع کیا۔ اس کے رویے میں ٹھہراؤ اور اعتماد تھا، لیکن لہجہ سراسر حقارت سے بھرا۔ ''تم کہتے ہو کہ میں بکواس کر رہی تھی، ہیں؟ یہ سب سے بڑا سچ ہے۔ تمہارا رویہ ہمیشہ ہی غیر مردانہ رہا۔ تم مجھ سے اس لیے نفرت کرتے ہو کہ میں تمہیں پوری طرح جان چکی ہوں تمہاری چوری پکڑ چکی ہوں، اس سے انکار مت کرنا، تم مجھے فریب نہیں دے سکتے۔''

فریبی۔۔۔۔۔ تم فریبی ہو۔'' بیٹھی ہوئی آواز میں شی بولا اور اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے۔

فنگ نے گستاخی سے کندھے اچکا دیئے، اسے نظر انداز کر کے شیشے میں رکھی ابروؤں کو رنگنے والی پنسل اٹھائی اور پھر بڑی احتیاط سے سے آئی پھر ابرو بنانی شروع کی۔

یہ سب کچھ دیکھ اور سن کر شی حیرت میں رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ نفسیاتی محاذ پر فتح اس کی ہے

MashalBooks.org

مگر شرمناک ہزیمت اور تذلیل تو اس کے خواب خیال میں ہی نہیں تھی۔ فنگ پرسکون اور باوقار طریقے سے ایک طرف بیٹھی ایک پنسل سے اپنا ابرو پینٹ کر رہی تھی۔ شی ہمیشہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ بڑا چالاک ہے۔ ذہنی طور پر فنگ سے بہت آگے، مگر اسے یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ سب کچھ جان رہی ہے۔ وہ ناکام ہو چکا تھا وہ ہمیشہ ناکام ہوا تھا۔ شی کو اب اپنے ہی تیز تیز سنائی دے رہے تھے۔ ڈریسر کے شیشے کے عکس میں اس نے دیکھا کہ فنگ اسے چوری چوری دیکھ رہی تھی۔

فنگ نے ہونٹوں پر سرخی لگالی کھڑی ہوگئی، الماری کی طرف گئی سرخ رنگ کا پھول دار لباس نکالا۔ دو سال پیشتر شادی کے موقع پر یہ لباس خاص طور پر سلوایا گیا تھا اور شی کا پسندیدہ تھا۔ فنگ نے قمیض ڈھیلی کی اسے اتار دیا۔ اب وہ وہاں عریاں حالت میں کھڑی تھی، شی نے تیزی سے نگاہ بدل لی۔ فنگ نے بڑے سلیقے اور قرینے سے نیا لباس نکالا۔ جسم کو لہرا کر لباس پہنا اور اپنے جسم کے پرکشش انگیز حصے کے ساتھ فٹ کیا۔

''اب چلیں؟'' اس نے خاموشی توڑ دی۔ اس کی آواز میں حیرت ناک ملائمت تھی۔

''ذرا جلدی پہنچ جائیں تاکہ ٹکٹ مل جائیں۔''

شی نے پیچھے مڑ کر بیوی کا سامنا کیا، اس کی رنگت سنہری مائل، ہونٹ سرخ اور آنکھوں سے خوف ناک شعلے نکل رہے تھے۔

''جاؤ! جاؤ۔'' وہ پاگل سا ہو کر دھاڑا۔ ''جاؤ اپنے کزن کے ساتھ جاؤ۔ یہاں تمہاری کیا ضرورت ہے۔ کون تمہیں چاہتا ہے؟ اس نے بے وقوف آدمی کی طرح بازو ہلایا۔ پھر اس میں سکت نہ رہی، اس نے چیخنا بند کیا اور سکتہ زدہ ہو کر کرسی میں دھنس گیا۔''

اسے چکر آ رہے تھے۔

اگرچہ اس کا سر چکرا رہا تھا، مگر اس نے محسوس کیا کہ فنگ اس کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی ہے۔

''شی چوان۔'' اس نے نرمی سے اسے پکارا اور ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا۔

وہ کرسی ایسے اچھلا جیسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔

''نکل جاؤ۔'' وہ پورے زور سے چیخا۔ ''بدکار عورت، یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ فنگ کا اتنا نرم چہرا اب بہت ہی پیلا پڑ گیا، مگر وہ اس کے سامنے بے جھجک کھڑی رہی، ہاں اس کی آنکھوں سے اب آگ کے شعلے نکلنے لگے۔

''کیا تم واقعی چاہتے ہو کہ میں چلی جاؤں۔'' اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''کتیا، یہاں سے فوراً نکل جا؟''

اس نے ایک دم اسے دھکا دیا، وہ لڑکھڑاتی بیڈ روم سے باہر آ کر گر پڑی۔ ''تم چاہتے ہو کہ

میں چلی جاؤں تم نے مجھے جانے کے لئے مجبور کر رہے ہو، مجھے بھاگ جانے کے لئے اغوا ہوں ے کے لئے مجبور کر رہے ہو۔'' اور پھر اچانک اس کے لگا تار قہقہے گونجنے لگے۔

''جاؤ۔۔۔۔۔۔جاؤ۔'' وہ پھر چیخا اور جیسے جیسے مارنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔۔ پریشان مت ہوں ا۔۔۔۔۔ میں اسی لمحے جا رہی ہوں، مگر یاد رکھنا، تم نے مجھے یہاں سے نکالا ہے۔'' وہ یہ کہتی ہوئی چلتی جا رہی تھی۔ رکی مڑی اور اس سے پوچھا: ''بتاؤ کبھی میں نے تم سے محبت کی؟''

''جاؤ۔'' آنکھوں سے دہکتی آگ نکلتی رہی اور وہ دھاڑا۔

اس نے اپنے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا ہاتھ اٹھا کر اپنے بالوں کو چھوا اور پھر ایک بے معنی سی مسکراہٹ۔۔۔۔۔ ٹھنڈی برف جیسی۔

''ہاں ہاں! میں نے ایک بار تم سے محبت کی تھی۔ افسوس یہ چند لمحوں کی بات ہے،۔۔۔۔۔۔ تب جب تم میرا گلا گھوٹنے والے تھے۔''

''نکل جاؤ۔۔۔۔۔۔۔''

اب فنگ جا رہی تھی، ڈرائنگ روم سے گزری، دروازہ کھولا، شی اپنی انگارہ آنکھوں کے ساتھ بیڈروم کی دہلیز پر ایک اب بھی غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس رات تم نے میرا گلا گھونٹ کیوں نہ دیا۔'' اس نے مڑ کر طنزاً سوال کیا۔

''تم چاہتے ہو میں بتاؤں؟ اس لئے کہ۔۔۔۔۔ اس لئے کہ خوف زدہ تھے۔۔۔۔۔ تم خوف زدہ تھے۔۔۔۔ خوف زدہ۔''

شی اچھل کر بڑھا مگر فنگ باہر نکل کر دروازہ بھی بند کر چکی تھی۔ وہ دروازے کے ساتھ سہارا لیکر جھکا، زور زور سے بیٹھی آواز میں سانس لے رہا تھا، ایسے لگتا تھا کہ ابھی آسماں گر پڑے گا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تقریباً پانچ منٹ تک بیٹھی آواز کے ساتھ زور زور سے سانس لیتا رہا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو سب سے پہلے اس کی نظر میز پر رکھے گلدان پر پڑی۔ پھر اچانک اس کا دل سکڑ سا گیا۔

گلدان کی چمک دار سطح سے روشنی منعکس ہو کر آ رہی تھی۔ اس کے پھولوں کے نقش و نگار اسے دعوت دے رہے تھے۔۔۔۔ کشش اسے کھینچ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا اور گلدان کو اٹھا لیا۔ ایک ٹھنڈی میٹھی لہر اس کے دل کے سیراب کر گئی، پھر اس نے دونوں ہاتھ گلدان کے گلے پر رکھ کر اسے پورے زور سے توڑنا چاہا۔ اسے ریزہ ریزہ کرنا چاہا، مگر یہ بہت ہی مضبوط تھا۔ بظاہر انتہائی نرم و نازک، مگر حیرت ناک حد تک ناقابل شکست۔

کل، پھر مہمان آئیں گے۔ وہ پھر اس گلدان کو ہاتھ میں لے کر اس کے گن گانا شروع کر

MashalBooks.org

دیں گے: ''دیکھو، کتنا خوب صورت۔۔۔۔۔کتنا نفیس ہے۔ وہ یہ باتیں مجھے خوش کرنے کیلئے کریں گے۔''

اور پھر کبھی نہ کبھی تو اس موٹی نوکرانی کی نظر اس گلدان والی میز سے ہوگی، گلدان ہلے گا جلد یا بدیر اسے توڑ دیا جائے گا۔ کون اسے توڑے گا، اس بات کی خبر اسے بھی نہیں تھی۔ اس لئے اسے اس قسم کے حادثے کے بارے میں پیشگی ہی بہت محتاط ہوں اچاہئے لیکن اس وقت اس کی اعصابی حالت بڑی خراب تھی۔ یہ خوب صورت قیمتی گلدان بھی اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ یہ گلدان خوبصورت تھا انتہائی خوب صورت کہ اس کی خوبصورتی اس کے ایک درد بن گئی تھی۔ اتنی دردناک کہ اب یہ ساری صورت حال اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ ہر شخص کی نظر اس گلدان پر پڑتی ہے۔ کوئی اس کو دیکھے بغیر رہ ہی نہیں سکتا کون جانتا ہے کہ وہاں سے یہ ایک دم غائب ہوجائے۔۔۔۔

چور چرا لے جائے یا گھر میں آگ لگے اور جل جائے۔ اسے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔۔۔۔۔مگر اس کے اعصاب۔۔۔۔۔بڑی بری حالت تھی ان کی۔۔۔۔۔۔۔

آخر کار یہ دن بھی آ ہی جائے گا کہ۔۔۔۔۔مگر اب کیوں نہیں؟ اس وقت کیوں نہیں؟ شی نے اپنے بازو اوپر اٹھایا، اس کا چہرہ تن گیا، اس نے گلدان کو ہوا میں گھمانا شروع کر دیا اور پھر بڑے زور سے فرش پر دے مارا۔

مگر ہوا یہ کہ یہ نرم و نازک خوب صورت فرش سے لگتے ہی صوفے کے پاس پڑے نائلن کے دبیز اور نرم قلین پر جا گرا تھوڑی دیر آہستہ آہستہ کبھی ادھر کبھی ادھر لگا پھر پانے پیر پر کھڑا ہوگیا، بڑے فخر اور غرور کے ساتھ اور اس پر ایک خراش بھی نہیں پڑی۔

شی کچھ دیر حیرت بے اعتباری اور بے یقینی کی حالت میں اس خوب صورت تاب دار گلدان کو گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، مگر گلدان پورے فخر اور وقار کے ساتھ کھڑا تھا جیسے اس پر مسکرا رہا ہو۔ آخر وہ گھٹنوں پر جھکا اور پوری یکسوئی سے پیٹ کے بل اس کی طرف بڑھنے لگا تا کہ پھر سے اسے پکڑے، مگر دلدان تک پہنچنے سے پہلے اس پر فالج گرا، وہ تھک ہار گیا اس کے ہاتھ زمین پر پھیل گئے اور اس نے بے بس بچے کی طرح رونا شروع کر دیا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

# موسمِ گل

لی انگ، (ب۔1932)

یہ چھوٹا سا واقع میری گزر گئی تابندہ جوانی کے دنوں کا ہے۔

اس وقت میں نوعمر تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جوانی کا شگوفہ پھوٹتا ہے اور کچھ پر یہی نوشگفتگی کا عالم ہوں اچا ہیئے تھا، مگر میرے پاس کچھ ترجمہ شدہ ناول تھے جو میں نے ہی خریدے تھے اور سفید گھوڑے پر سوار شہزادہ۔۔۔۔ جو صرف میرے خوابوں میں رہتا تھا۔

معاملہ بڑا سادہ سا تھا اب وہ بھی بڑا فرسودہ نظر آتا ہے۔ کرسمس سے کچھ پہلے ٹھنڈے دسمبر کے مہیں ے کی چمکتی دھوپ والی صبح تھی۔ سورج کی کرنوں نے ٹھنڈے اور خشک آسماں کو آئینہ پاش کر دیا تھا۔ بستر سے نکل کر میں پچھلے صحن یہ دیکھنے نکل گئی تھی کہ یہ صبح کا سورج کسی طور سوئے سوئے باغ پر ضوفگن ہوتا ہے۔

آہستہ آہستہ ابھرتا سردیوں کا سورج اب پورے باغ پر چمک رہا تھا۔ وقت سکول کا تھا مگر میرے اندر ایک زوردار جذبہ پیدا ہوا کہ ایسے موسم میں کلاس روم میں جا بیٹھنا تو بے زاری کا سودہ ہے، کیوں نہ آج چھٹی کر لی جائے؟ اماں اور ابا تو پہلے ہی فیکٹری چلے گئے تھے اس لیے کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ میں سکول گئی تھی یا نہیں۔

سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا رہا، پہلے سے سویرے سے گزر کر سورج کی حرارت میری پشت کو

MashalBooks.org

سہلاتی رہی اور میں خاصی دیر باغ میں پھرتی رہی۔ آہستہ آہستہ گشت کرتے، میں خیالوں کی دنیا میں چلی گئی اور مجھے لگا کہ دو کالی کالی خوبصورت آنکھیں درختوں اور پھولوں میں سے مجھے پیچھے سے بڑے پیار سے دیکھے جا رہی ہیں۔ ان آنکھوں میں کچھ اداسی بھی اور تھوڑا سا تضحیک کا پہلو بھی۔ میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا مگر یہ کالی آنکھیں کہیں نظر نہیں آئیں۔

بس دھوپ میں بیٹھے رہنا کچھ بورنگ سا لگا۔ میں اندر چلی گئی، تصویروں والی کتاب اٹھالی اور رواروی میں ورق الٹتی گئی۔ تصویروں میں جو چہرے تھے ایسے لگا کہ مٹی کے ذرے ہوں جو سورج کی کرنوں میں آگے پیچھے ہو رہے ہیں۔ آخری صفحے پر ایک شہزادے اور شہزادی کی تصویر تھی ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے مسکراتے ہوئے کرسمس کے بڑے درخت کے نیچے کھڑے تھے، نیچے عبارت لکھی تھی۔

ہوا میں درخت سرسرایا تو چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں بجنے لگیں
کرمس پر شہزادے اور شہزادی نے دائمی خوشی حاصل کر لی۔

آہ ''کرسمس'' میں نے آہستگی سے کہا اور آنکھوں میں آنسو سے تیرنے لگے۔ میں اس شہزادے شہزادی کی طرح تو کرسمس نہیں منا سکتی، مگر میں اپنا کرمس ٹری تو بنا سکتی ہوں اور ان میں چھوٹی چھوٹی سنہری گھنٹیاں سجادوں۔

میں مارکیٹ گئی اور لوگوں کے ہجوم میں گھومتی پھرتی، زمین پر بکھری سبزیوں اور پھلوں پر سے پھلانگتی، پھر مجھے ایک کونے میں پھول والے کی دکان نظر آئی۔

میں ایک ٹری خریدنا چاہتی، دو تین فٹ اونچا۔

کیسا ٹری؟

کسی بھی قسم کا، مگر اس پر بہت سے پتے ہوں ے چاہئیں۔

میں سمجھا۔

اچانک ایک قد آور عورت نے پھول والے کو پکڑ لیا۔ بڑے جوش کے ساتھ اس کے کان میں کچھ کہا اور پھر تیزی سے دکانداروں کے ہجوم میں غائب ہو گئی۔ میں اس کی صرف ٹانگیں دیکھ سکی جو مجھے مندر کے ستونوں سے لپٹے آژدہوں جیسی لگیں، مگر جلدی ہی یہ ٹانگیں بھی موٹی، پتلی، لمبی، چھوٹی ٹانگوں کے سمندر میں غائب ہو گئیں۔

میں وہیں کھڑی رہی۔ صبح سے لے کر اب یعنی سکول نہ جانے کے فیصلے سے لے اب تک جو کچھ بھی ہوا مجھے وہ بڑا مضحکہ خیز سا لگا۔ شہزادہ اور شہزادی، پھول والے کا عجیب انداز میں جانا چاروں طرف پھول ہی پھول ساتھ ساتھ لوگوں کا ہجوم کا شور۔

یوں لگتا تھا کہ ہر شئے غیر حقیقی قبل تمسخر، جیسے کوئی شرارتی روح ان سب چیزوں کو نا قابل

یقین قسم کی بے ترتیبی میں پھٹک رہی ہے۔

پھولوں والا سائیکل لے کر آ گیا۔

''اس پر بیٹھو۔'' کرخت آواز میں بولا۔

''کہاں؟'' میں نے پوچھا۔

''ٹری لینے۔''

ہیں، یہ کیسا پھول والا ہے۔

''تم چلے گئے تو کوئی تمہارے پھول نہیں چرا لے گا؟''

''نہیں۔'' اس کے لہجے میں بے صبری سی تھی۔

میں سائیکل پر اس کے پیچھے بیٹھ گئی''''کیا ٹھیک ہے؟''

اس نے آہستہ سے آہستہ سائیکل چلانا شروع کی۔ ایسے جیسے پیچھے بیٹھا شخص اس کا گاہک نہیں بلکہ اس کی بیٹی یا کوئی اور رشتہ دار ہو۔ میں لوگوں پر تمسخرانہ ہنستی رہی، اگر مجھے جاننے والے مجھے اس وقت دیکھ لیتے تو حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے اور ان کے سونے کے دانت چمک اٹھتے۔ مسکرانے کو تو میں مسکراتی رہی مگر جب ہم ہجوم سے باہر نکل آئے، میری مسکراہٹ فطری نہیں رہی تھی۔ مجھے کوئی بھی ایسا آشنا چہرہ نظر نہیں آیا، جو مجھے اس حالت میں دیکھ کر حیرت سے کوئی بے ساختہ جملہ کہہ دیتا۔ پھر میری مسکراہٹ مایوسی کا شکار ہو گئی۔

سائیکل پکی سڑک پر تیرتی ہوئی شہر کے نواح کی طرف چلتی رہی۔ میں نے سر اٹھایا تو دسمبر کی ٹھنڈی ہوا میرے رخساروں کو چھوتی، بالوں کو پیچھے کی طرف لہراتی گئی۔ میں نے سوچا کہ اس وقت میرا انداز بڑا ہی شاندار ہے۔ مجھے خیال آیا کہ کالی آنکھیں پھر مجھے دور سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں، پھر ان آنکھوں کے بارے میں میں اپنے ہی بنے خوابوں میں تیرتی پھری۔

تمہارا باغ کدھر ہے؟ اب سڑک پر کم کم لوگ تھے۔ ان کی جگہ سڑک کے دونوں کناروں پر قدم آدم گنے نے لے لی تھی۔ میں خوابوں سے واپس اس دنیا میں آ کر فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

''ابھی اور آگے۔'' پھولوں والے نے جواب دیا۔

ہم پہنچنے والے ہیں؟

بڑی جلدی۔

اس کے سرد لہجے سے مجھے کوئی تسلی نہیں ہوئی، کیوں کہ اردگرد بے آباد سے مناظر کے باعث فکر مند ہو رہی تھی کہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ شاید وہ سائیکل روکے گا، چہرے پر مکارہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دبوچ کر گنے کے گھنے کھیت میں لے جائے گا۔ وہاں اپنے کیچڑ لگے ہلکے رنگ کے ہاتھوں کے ساتھ میرے کپڑے زبردستی اتارے گا۔ یہی ہاتھ میرے کنورے جسم پر

MashalBooks.org

پھرنے لگے لگا۔ میرے نادر سخت بیزار کن صورت پیدا ہوئی ۔ میں نے سائیکل پر پہلو بدلا جیسے بدلتے ہی یہ آفت ٹل جائے گی۔

مجھے قربانی کا بکرا بننے سے بچنے کیلئے کیا کرنا چاہیئے، میں نے خود سے سوال کیا۔

میں ابھی نوجوان تھی اور اس نیم شگفتہ جوانی میں کو ایسے تو نہیں مرجھانا چاہیے؟

سامنے سے ایک کسان کنڈھے پر بانس رکھے آرہا تھا اس کے دونوں سروں سے ایک ایک ٹوکری بندھی تھی۔ پہلا خیال آیا کہ سائیکل سے اتروں، بھاگ کر کسان کے پاس پہنچوں، وہ مجھے بچالے گا لیکن یہ خیال آتے ہی کہ اگر میں سائیکل سے کودتے زخمی ہوگئی، میں نے ارادہ ترک کردیا۔ میں ایک لمحہ کے لئے سوچنے لگی کی زخمی ہوں ے سے مجھے درد ہوگا اور اسی لمحے سائیکل تیز ہوگئی اور کسان ہمارے پیچھے رہ گیا، یوں یہ منصوبہ بھی گیا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ چلو دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے۔ اگر پھولوں والے نے وہی کچھ کرنے کی کوشش کی، جس کا مجھے ڈر ہے تو بھاگ تو میں پھر سکتی ہوں۔ میں اپنے سکول میں تیز دوڑنے والوں میں شمار ہوتی تھی اور مجھے یقین تھا کی ادھیڑ عمر کا یہ آدمی دوڑنے میں میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

پھر میں وہیں بیٹھی بیٹھی اس مسرت آفری منظر کا خواب دیکھنے لگی۔ میں دوڑ رہی ہوں، بھاگتے بھاگتے پھولوں والا پیچھے رہ گیا ہے۔ اب ایک قدم بھی نہیں دوڑ سکتا، پھر جنگل کی پری کی طرح، جو اپنے عاشق کو چھڑتی جاتی ہے، میں بھی دوڑتی دوڑتے پیچھے مڑ کر کھل کر مسکرا دیتی ہوں۔ اس لمحے میں پھولوں والے کے چہرے کے تاثرات کو خیال میں لاتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ اس کے چہرے پر نا آسودہ خواہش کے باعث جھریاں پڑی ہوں گی۔

''ابھی اور دور جانا ہوگا؟'' میں نے پوچھا

''نہیں زیادہ دور نہیں۔'' اس نے تسلی بخش قسم کی مسکراہٹ چہرے پر مڑ کر کہا۔

جیسے اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے دھوپ کھائے چہرے پر مڑی ہوئی ناک اور پچکے گالوں کے نیچے باریک ہونٹوں پر میری جھکتی نظر پڑی۔ اس کے ابرو اونچے محراب نما تھے، ان پر جھریاں سی پڑی ہوئی تھی۔ نیچے گہری اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، جن میں دھوپ کی چمک تھی۔ صرف ایک ایسے بوڑھے شخص کی سیاہ گدی تھی، جس کی جنسی خواہش عمر رفتہ کے ساتھ شہ پارینہ بن چکی تھی، اسے دیکھ کر مجھے کچھ مایوسی ہوئی۔ سائیکل نے اچانک ہچکولا کھایا۔۔ پھولوں والے نے میری طرف مڑ کر دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو کہ کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ میں اچھل کر اتر آئی۔

مجھے احتیاط کرنی چاہیے، پھولوں والا منمنایا۔ اس نے نیچے جھک کر ہیں ڈل کو سیدھا کرنے کی کوشش کی، ہیں ڈل مڑ چکا تھا۔ میں ایک طرف کھڑی رہی اور ایک لمحے پہلے والی میری خوش مزاجی لوٹ آئی۔ مجھے یہ مضحکہ خیز صورت حال اچھی لگی۔ میں یہاں ایک غیر مرد کے ساتھ ایسی جگہ

پر جہاں میں کبھی نہیں آئی تھی، کھڑی اسے سائیکل ٹھیک کرتے دیکھ رہی ہوں۔ یہ منظر فرانسیسی فلموں کے منظر سے کم ہی ملتا تھا، جس میں جوان جوڑا سیر و تفریح کر لئے نکلا ہو۔

میں کہنے ہی والی تھی کہ چلو چھوڑو، میں اب گھر جانا چاہتی ہوں، مگر میں صرف اتنا کر سکی کہ سڑک پر چکر لگاتی رہی، کیوں کہ پھولوں والے کے چہرے کے واضح تاثر سے پھر اعتماد پیدا ہو گیا۔

جیسے ہی وہ مرمت شدہ سائیکل پر بیٹھا مجھے کہنے لگا: ''بیٹھو۔''

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے'' اور اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

''اب جبکہ میری فکرمندی بڑھ گئی، میں پھر تخیل کی دنیا میں چلی گئی۔ ممکن ہے یہ پھولوں والا پڑھا لکھا آدمی ہو۔'' میں نے سوچا۔ (اس کے ابرو مجھے اس کے پڑھے لکھے ہونے کا تاثر دے رہے تھے۔) شاید بدقسمتی سے اس شخص کی بیوی آوارہ قسم کی تھی، جو کسی دوسرے شخص کے ساتھ بھاگ گئی ہو اور حالات نے اسے پھول بیچنے پر مجبور کر دیا ہو۔ اب وہ مجھے باغ میں لے جا رہا ہے، جہاں ہر قسم کے نازک پھول اگے ہوئے ہوں درمیان میں ایک چھوٹا سا سفید گھر ہے۔ جس کی چھوٹے سے چمن سے غیر مرئی دھواں سا نکلتا ہے۔

اپنے اس تخیل کو حقیقت بنانے کے لئے میں نے پھر سر اٹھایا اور اپنے آگے بیٹھے شخص کو غور سے دیکھا، مگر اسکی سیدھی پشت کے باعث کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔

پھر میں سوچا کی شاید یہ شخص جیسا نظر آ رہا ہے، ویسا ہی ہو، پھول بیچنے والا، جنسی طور بے راہ۔۔۔۔۔ کسی شخص کی ظاہری شکل اور اس کے اعمال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے مجھے ایک انتہائی محترم بزرگ مرد کا قصہ سنایا تھا کہ اس نے ایلیمنٹری سکول کی بچی سے جنسی فعل کر ڈالا تھا۔

بریکوں کی آواز کے ساتھ سائیکل اچانک رک گئی اور میں نے یہ دیکھے بغیر کہ وہ سائیکل سے اترا ہے کہ اس نے زور سے چھلانگ لگا دی، گویا اگر ضرورت ہوئی فوراً بھاگ جاؤں گی۔ مجھے خبر تھی کہ اس سے پہلے کی چاروں طرف پھیلا گنے کا گھنا جنگل مجھے کھا جائے، مجھے بھاگ جانے میں پہل کرنی ہوگی۔

پھول والا سائیکل سے اتر کر آہستہ سے میری طرف آیا، مجھے لگا کہ میں گئی، اس لئے ایک قدم پیچھے ہٹی۔ میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور اب مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ اگر مشکل پڑ بھی گئی تو میں بھاگ سکوں گی کہ نہیں۔ اس کیفیت میں بھی میرے اندر تجسس کی نامعلوم سی لہر اٹھی۔ ابھی ایک دوڑ شروع ہونے والی تھی، روز کی بے معنی قسم کی ریس سے قطعی مختلف اس دوڑ کا ایک اپنا مقصد تھا۔ بندے میں خالی خالی ہونے کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب شہر کے اور سینما میں بیٹھا نئی فلم کا انتظار کر رہا ہوتا ہے، لیکن اس وقت میرے اندر جو احساس تھا وہ قطعی مختلف تھا۔

MashalBooks.org

پھول والے نے سائیکل ایک تنگ اور تقریباً چھپی ہوئی پگڈنڈی پر ڈالتے ہوئے کہا: ''ہمیں ادھر جانا ہے۔''

جب میں اس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی تو مجھے دل کی زور زور کی دھڑکن بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں اندر سے خود کو خالی خالی محسوس کرتی قدم گھسیٹتی جا رہی تھی۔

جیسے جیسے ہم چلتے گئے، پگڈنڈی اور بھی تنگ ہوتی گئی اور ہمیں اپنے ہاتھوں سے گنے کے ڈنٹھل اور پتے ہٹنے پڑے، جو پیلے ہو چکے تھے اور گنے کی ٹہنیاں پک چکی تھیں۔ جیسے ہی ہوا کا جھونکا آتا، پتوں میں سرسراہٹ ہوتی۔ گنا اس قدر گھنا تھا کہ سورج کی روشنی بھی ماند پڑ رہی تھی اور اس کیفیت میں خرابی کا خوف پیدا ہو رہا تھا۔ تی سانگ درگاہ میں اس نوعیت کی جو شکل موجود ہے مجھے وہ یاد آ رہی تھی۔

تنہائی کی وجہ سے میرے اندر جو فنا ہوں ے یا ختم ہوں ے کا خوف تھا، اب اس کی جگہ دوسرے خوف نے لے لی۔ اب میرے اور پھول والے کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گیا تھا کہ اگر ضرورت پڑتی تو میں بھاگ بھی سکتی تھی۔ گنے کے ان کھیتوں میں پھول والے کے بارے میں میرے ذہن میں جس قدر خدشات تھے ان کے باعث مجھے وہ تمام خوفناک کہانیاں یاد آنے لگیں جو میں نے کبھی پڑھ رکھی تھیں اور میری کیفیت ایسی ہو گئی کہ مجھ سے خاصے فاصلے پر آگے جانے والا پھول والا مجھے بھورا سا خرگوش لگنے لگا۔

میں نے اپنے ذہن کو ان عجیب و غریب باتوں سے صاف کرنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہیں ہوئی۔ پھر ہم گنے کے کھیتوں سے کھلے تین ایک پہاڑی دریا کے پاس نکل آئے تب جا کر مجھے خوف ناک بھورے رنگ کے بالوں بھرے خون آلود خرگوش کے ہیولے سے رہائی ملی۔

زمین اس قدر نرم اور بھری بھری تھی کہ میں بڑی مشکل سے چلتے چلتے پھسل جاتی۔ اب تیز دھوپ میرے منہ پر پڑ رہی تھی اور اس طرح اس پہاڑی پر چڑھنا اور بھی دشوار ہو رہا تھا اور پھر میری ہمت جواب دے گئی۔ پہاڑی پر آسرا لینے کیلئے نہ کوئی درخت تھا نہ کسی قسم کا سبزہ یا جڑی بوٹی آسمان صاف نیلا کہیں کوئی بادل کا ٹکڑا نہ تھا اور ہوا بالکل ساکت تھیں میرے پیچھے گنے کے کھیت تھے سوکھے پیلے اور سرخی مائل بھورے اور میرے ارد گرد سوائے سلیٹی ریت کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اس وقت مجھے ایک سہارے کی شدید ضرورت تھی کسی بھی سہارے کے جو مجھے اس جال سے نکال لے جس میں میں پھنس چکی تھی۔ سامنے پھول والا بڑی مشکل سے سائیکل کو گھسیٹ لئے جا رہا تھا اور اس کی موجودگی میں کسی کو مدد کے لیے پکار بھی نہیں سکتی تھی۔

آخر کار میں پہاڑی کی چوٹی پر جا پہنچی جہاں ٹھنڈی ہوا نے میرے پسینے میں شرابور چہرے کو سکون دیا، مگر یہ سکون ایک اور خوف لے آیا۔ پھول والے کو دیکھا، وہ مجھ سے بہت آگے جا رہا تھا،

MashalBooks.org

میں سانس لینے کیلئے بیٹھ گئی۔ اس لمحے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ میں اپنے سکول کی عمارت کو ہوا میں جھولتے درختوں میں سے دیکھ سکتی ہوں۔ میں نے گھڑی دیکھی، تقریباً دس بج چکے تھے اور جیسے سکول میں ابھی دوسرا پیریڈ چل رہا تھا۔ آج چینی ادب کی کلاس تھی۔ میں نے تصور میں اپنی چینی ادب کی نو بیاہتا ٹیچر کو سبق پڑھاتے دیکھا اور پھر مجھے یہ بات بڑی عجیب سی لگی کہ جیسے ہی ایک لڑکی بیاہی جاتی ہے۔ وہ خربوزے کی طرح پھیلنا شروع کیوں کر دیتی ہے اور پھر وہ ہمیشہ اسی خوشبو کو کیوں ہمہ دم بکھیرنے کی کوشش کرتی ہے جو اس کی زندگی میں داخل ہو چکی ہوتی ہے۔

جب پھول والا کھڑا ہوا تو کہنے لگا: ''اب ہمیں نیچے جانا ہے۔''

میں کھڑی ہوگئی اور پھر انتہائی پھسلن والی زمین پر گرتے ہوئے لڑکھنے لگی میں نے اب یہ حل نکالا کہ بھاگنا اور چھلانگیں لگانا شروع کر دوں۔

پھول والے نے نیچے اتر کر سائیکل سنبھالا اور بڑبڑانے لگا کہ اگرچہ یہ راستہ چھوٹا تھا مگر ادھر نہیں آنا چاہئے۔ لمبے راستے پر جانا چاہیے تھا۔

''اب پیچھے بیٹھ جاؤ۔'' اس نے کہا۔

میرے بیٹھتے ہی وہ چل پڑا۔ اب وہاں پر گنے کے کھیت نہیں تھے، دھان کے کھیت تھے۔ بانس تو پہلے ہی کاٹ لیا گیا تھا، کہیں کہیں خشک مڈھ سے رہ گئے تھے اور یہ باقی ماندہ خشک مڈھ مجھے آشنا آشنا سے لگتے تھے، اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو ہم اب سکول کی طرف جا رہے ہیں جیسے ہی ہم مٹی کے بنے مندر کا موڑ مڑیں گے، سکول نظر آنے لگے گا۔

اس وقت دوسری لڑکیاں سبق پڑھ رہی ہوں گی اور اگر میں اس وقت کلاس میں ہوتی تو میں یہ اندازہ لگا رہی ہوتی کہ چینی ادب کی ہماری ٹیچر کا پیٹ کتنا بڑھ گیا ہے اور یہ کہ کیا وہ شادی سے پہلے ہی حاملہ ہو چکی تھی یا شادی بعد حاملہ ہوئی ہے۔ لفظ حاملہ ایک لمحے کیلئے میرے ذہن میں اٹک گیا اور میں نے سوچا کہ اگر میں حاملہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ میں کیا کرتی؟ کیا میں سارا دن کڑھتی رہتی یا خودخوشی کر لیتی، ان ہیروئینوں کی طرح جن کا ذکر ہماری کہانیوں والی کتاب میں ملتا ہے؟ کیا ابارشن کرا لیتی؟ نہیں، یہ نہیں اور میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں بڑی تیز دوڑ لگاتی تھی اور اب ہم سکول سے زیادہ دور بھی نہ تھے۔

مجھے سکول والا تالاب نظر آ رہا تھا۔ اب ایک نئے خوف نے آلیا، اگر سکول کے دروازے پر کسی استاد سے مٹھ بھیڑ ہوگئی تو کیا جواب دوں گی کہ یہاں کیا کر رہی ہوں؟ اگر ایسا ہوا تو اس بھی مجھے اس کھیل سے نکلنے میں مدد ملے گی، جو میں نے خود شروع کر لیا تھا۔ اس لئے کہ اب یہ کھیل میرے بس میں بھی نہیں رہا تھا۔

مگر سکول کے گیٹ کے قریب کوئی بھی تو نہیں تھا، جس سے مجھے پریشانی بھی ہوتی اور خوشی

MashalBooks.org

بھی۔اس سے پیشتر کہ میں اگلا قدم اٹھانے کی فیصلہ کروں، ہم سکول سے دور نکل آئے۔

''اب کتنی دور ہے؟'' میں نے آگے جا کر بڑی تھکی آواز میں پوچھا۔

''آگے ذرا آگے، اس موڑ کے پاس۔'' پھول والے نے اسی ٹھنڈے سبھا میں جواب دیا۔

اب ہم قبرستان کے پاس پہنچ گئے تھے۔قبروں سے مجھے پھولوں والے درختوں کے جھنڈ یاد آ گئے۔قبروں پر لگی تختیوں پر چمکنے والی دھوپ کا عکس آنکھوں میں چبھنے لگا۔میں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ اس سفر کا کیا بنے گا؟ ہوسکتا ہے کہ میرے ساتھ زیادتی کرنے کے بعد یہ شخص مجھے قتل کر کے میری لاش اس دور افتادہ قبرستان میں ہی دبا دے اور پھر کسی کو میرے بارے میں کچھ پتا ہی نہ چلے گا۔ میں نے پھر ایک سنسنی سی محسوس کی اور اس طرح پہلو بدلا، جیسے چھلانگ لگانا آسان ہو جائے۔

''آگے ہے، بس اس موڑ پر۔'' پھول والے نے میری اضطراری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے موڑ مڑا، قبرستان پیچھے رہ گیا تھا۔میری دائیں طرف اور میں نے خود کو تھوڑا سا محفوظ سا محسوس کیا۔پھول والے نے سائیکل سے اتر کر بانسوں والے دروازے کے پیچھے کیا۔

''ہم پہنچ گئے۔'' آؤ اندر آ کر دیکھ لو۔

باغ بڑا تو نہیں تھا۔اس میں بہت سی بوٹیاں بوٹے قطار اندر قطار لگائے گئے تھے، مگر مجھے ان کے نام نہیں آتے تھے۔تاہم گل داؤدی کے پودے جا بجا کھل رہے تھے، مگر زیادہ شگفتہ نہیں تھے۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی، مجھے آس تھی۔اگرچہ سردیوں کی آمد آمد ہے اور کرسمس بھی آ رہی ہے، اس کے باوجود یہاں بہت اچھے گل بوٹے ہوں گے۔

پھول والے نے مجھے کئی درخت (پودے) دکھائے، مگر وہ بڑے چھوٹے اور مرجھائے مرجھائے سے تھے۔آرائش کے ناقابل۔میں نے چاروں طرف دیکھا مگر من مرضی کی کوئی شئے نظر نہ آئی۔

''اور بھی ہیں، وہ کیوں نہیں دیکھ لیتی؟''

ٹھیک ہے اور میں اس کے پیچھے پیچھے ایک اور باغیچے میں پہنچ گئی۔یہاں پھر فاصلے پر بکھری قبریں نظر آ گئیں اور یہ برا شگون تھا۔پھر میں نے دیکھا کہ یہ باغ چاروں طرف سے بند ہے، کانٹوں والی گھنی باڑ ہے اور آنے جانے کے لئے صرف وہی چھوٹا سا گیٹ ہے، جس سے ہم گزر کر آئے تھے،۔میں نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا کہ فرار کی کوئی صورت ہے۔ مجھے ایک جگہ نظر آ گئی، جہاں بیلچہ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا، پھر میں نے یہ ظاہر کرتے ہوئے ایک درخت مجھے اچھا لگا ہے، آہستہ آہستہ ادھر جانا شروع کر دیا۔

MashalBooks.org

''یہ درخت برے نہیں۔'' پھول والے نے میرے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

اب میں یہاں سے جلدی نکلنا چاہتی تھی، اس لئے دور ایک پودے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ چاہیئے اور پھول والے نے اسے کھودنا شروع کر دیا۔ میں خود دیوار کے پاس اس بیلچے کے قریب پہنچ گئی جہاں وہ بیلچے کی مدد سے مقابلہ کر سکتی تھی۔ اب پھر میرے جسم میں ایک کھلنڈرہ پن اور اس کے ساتھ ساتھ ایک خوف پیدا ہوا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ مجھے کہاں کہاں لڑنا پڑے گا۔

پھول والا ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اب بیلچے کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور بیلچے کو اپنی طرف کھینچ لیا، مگر پھول والے نے میری طرف کوئی دھیان ہی نہیں دیا اور وہ پھر سے درخت کھودنے کے لئے جھک گیا۔ بیلچہ میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میرے پیچھے اُگی ایک جھاڑی میں گر پڑا تھوڑی سی آواز پیدا ہوئی۔

''ہو گیا۔'' اس نے کہا۔ اس نے کٹے درخت کو لپیٹا اور باغ کے گیٹ سے باہر آ گیا، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

بانسوں کے چھوٹے گیٹ سے گزر کر میں باہر سڑک پر آ گئی۔ چند قدم چلی، پھر موڑ مڑا تو قبریں نظر آ گئیں۔ چھوٹے سے بوٹے کو میں نے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور بھاگ کھڑی ہوئی اور قبرستان کو بہت پیچھے چھوڑ آئی۔ میری سانس پھول گئی تھی۔

تو یہ تھا، سارا واقعہ جس میں کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا، مگر کیا میں واقعی یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ ایسا واقعہ ہو گا؟ مجھے اس کے بارے میں بھی اپنے آپ پر اعتبار نہ تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ابھی لمبا فاصلہ طے کرنا ہے اور میں چھوٹا سا پودا پکڑے پاؤں گھسیٹی آہستہ آہستہ گھر کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

# میرے جیسی عورت

ہسی ہسی (پ1938ء)۔اصل نام چانگ ژن

میرے جیسی عورت کسی بھی مرد کی محبت کی سزاوار نہیں۔ چنانچہ جب یہ خیال آتا ہے کہ ہسیا اور میرے درمیان اتنی جذباتی وابستگی پیدا ہو چکی ہے تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ میں جس جال میں پھنس گئی ہوں اور جہاں سے فرار ممکن ہی نہیں رہا۔ یہ سب میری تقدیر کا کیا دھرا ہے جس نے میرے ساتھ بڑا ہی ظالمانہ مذاق کیا ہے۔ میں مقدر کے ہاتھ میں بالکل بے اختیار ہو چکی ہوں میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ جب آپ کسی خاموش گوشے میں بیٹھے ہوں اور کوئی بڑی معصومانہ مسکراہٹ آپ کی طرف بکھیر دے تو پھر آپ کی روح پرواز کرنے لگتی ہے۔ ہسیا کے بارے میں میرے احساسات اسی قسم کے ہیں، جب اس نے مجھ سے پوچھا: ''تم مجھے پسند کرتی ہو؟'' میں نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اپنی رائے ظاہر کر دی۔ میں ایسی شخصیت ہوں، جس کے پاس تحفظ ذات کا کوئی تصور ہی نہیں اور میرے الفاظ اور اعمال ہمیشہ اس قسم کے رہے ہیں کہ وہ مجھے دوسروں کی نظر میں تمسخر کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ کافی شاپ میں ہسیا کے ساتھ بیٹھ کر لگتا تھا کہ بظاہر میں بہت خوش باش عورت ہوں، مگر میرا دل اندر ہی اندر غم سے بھرا ہوا تھا۔ میں اس لئے بہت ہی ناخوش تھی کہ مجھے خبر تھی کہ تقدیر مجھے کہاں لے جائے گی اور یہ کہ صورت حال کی میں خود ذمہ دار ہوں۔ غلطی میری ہی تھی کہ میں سکول کی ایک پرانی ساتھی کے ساتھ ہسیا کو ملنے چلی گئی۔ اسے ملے بھی ایک طویل عرصہ ہو گیا تھا۔ پھر کبھی اس کے ساتھ فلم دیکھنے سے بھی انکار نہ کیا۔ اب اس پر

اظہار تاسف کا وقت نکل گیا۔ مزید یہ کہ اظہار افسوس کرنے یا نہ کرنے کی اب کوئی بھی اہمیت نہیں رہی اور اب بھی میں کافی شاپ میں بیٹھی اس کا ہی انتظار کر رہی ہوں۔ میں اسے وہ جگہ دکھانے کے لیے تیاری ہوگئی ہوں جہاں میں کام کرتی ہوں اور یہ جگہ دیکھنے کے بعد ہسیا کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے پوچھا تھا میں کوئی نوکری وغیرہ کرتی ہوں، میں نے کہا تھا کئی سالوں سے کام کر رہی ہوں۔

''کس قسم کا کام لے۔'' اس نے پوچھا تھا۔

''کاسمیٹیشن، سنگھار کرتی ہوں۔'' میں نے کہا تھا۔

''واہ سنگھار کرنے والی۔'' اس نے تاثر دیا تھا۔

''مگر تمھارا اپنا چہرہ تو بڑا فطری ہے سنگھار کے بغیر۔'' اس نے کہا۔

اس نے کہا: ''وہ بناؤ سنگھار کرنے والی عورتوں کو پسند نہیں کرتا، فطری حسن کو اچھا جانتا ہے۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، کیوں کہ اس نے یہ بات میرے چہرے کو دیکھ کر کہی تھی جس پر میں نے کبھی میک اپ نہیں کیا اور میرا رنگ بھی عام لوگوں کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ پیلا ہے۔ میرے ہاتھوں کا رنگ بھی پیلا ہے۔ مجھے یہ بھی اندازہ تھا کی جیسے ہی میں اسے کام کے بارے میں بتاؤں گی وہ میرے سارے پرانے دوستوں کی طرح غلط نتیجہ نکال لے گا۔ اس نے پہلے ہی فرض کر لیا ہے کہ میرا کام عام لڑکیوں خصوصاً ہوں ے والی دلہنوں کا بناؤ سنگھار کرنا ہے اور جب میں نے اسے بتایا کہ ہفتے میں میری کوئی چھٹی نہیں ہوتی اور مجھے اکثر اتوار اور چھٹیوں پر سنگھار کرانے والی دلہنوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، لیکن میرا کام دلہنوں کا سنگھار نہیں ہے۔ میرا کام تو ان چہروں کو آراستہ کرنا ہوتا ہے جو زندوں کی یہ دنیا چھوڑ چکے ہیں، یعنی ان کی آخری رسوم پر ان کے چہروں کو ملائم اور پرسکون بنانا ہے۔ ماضی میں بھی میں نے اپنے دوستوں کو اپنے پیشے کے بارے میں بتایا اور انہوں نے یہی سمجھا کہ میں مشاطگی کا کام کرتی ہوں، لیکن میں فوراً ہی ان کی غلط فہمی دور کر دیتی تا کہ وہ یہ جان لیں کہ میں کس قسم کی انسان ہوں۔ میرے اس سچ کے باعث مجھے عملاً سارے دوستوں سے محروم ہوں اپڑا۔ وہ ایک دم مجھ سے خوف کھانے لگتے اور انہیں یوں لگتا کہ میں جوان کے سامنے بیٹھی کافی پی رہی ہوں، دراصل ان کے اندر کے خوف کی بھوت ہوں۔ میں نے انہیں کبھی الزام بھی نہیں دیا، کیوں کہ ہم سب ہی زندگی کی پراسرایت کے پیدائشی خوف اور بزدلی کا شکار ہیں۔ اسی باعث میں نے ہسیا کو اپنے پیشے کی تفصیل نہیں بتائی تھی کہ وہ اس سچائی سے ڈر نہ جائے۔ اب میں خود بھی اپنے پیشے کے اس پہلو کا انکشاف کر کے اپنے دوستوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ دوستوں کو جو پریشانی ہوتی رہی اس کے لئے میں اپنی ذات کو بھی معاف نہیں کرتی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں اپنی سوچ اور عمل کے بارے میں اپنے اظہار پر قادر نہیں، چنانچہ ایک

طویل عرصہ سے خاموشی میری عادت بن گئی ہے۔

''مگر تمہارا چہرا تو فطری ہے۔'' اس نے کہا

جب ہسیا نے یہ کہا تھا تو مجھے پتا تھا کہ جس جذباتی سفر پر ہم دونوں چل پڑے تھے اس کے لئے یہ برا شگون تھا۔ تاہم اس لمحے وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ عورت ہوتے ہوئے بھی میک اپ نہیں کرتی، لیکن میرا دل بڑا اداس ہو گیا۔

مجھے نہیں پتا ایک دن میرے چہرے کا میک اپ کون کرے گا۔ آنٹی ڑی فن؟ آنٹی ڑی فن اور میرے درمیان صرف ایک امید مشترک ہے کہ ہم جیتے جی کبھی بھی کسی جانے والے کے لئے اپنا میک اپ نہیں کر سکیں گی۔ اس میرے شگون کے باوجود نہ جانے میں کیوں ہسیا کے ساتھ سیر وتفریح کے لئے جاتی رہی۔ شاید اس لئے کہ آخر میں بھی انسان ہوں کمزوریوں اور جہاں مجھے قسمت لے جاتی ہے، بے قابو ہو کر ادھر کو چل دیتی ہوں۔ میرا ہر قدم میری قسمت کے تابع ہوتا ہے۔ میں اس طرز عمل کی کوئی منطقی وضاحت نہیں کر سکتی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ انسان ایسے موقع پر اسی قسم کے طریق اختیار کرتا ہے اور اکثر ہم اپنے رویے کی وضاحت خود اپنی ذات کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔

''جہاں تم کام کرتی ہو میں وہاں آ سکتا ہوں۔'' ہسیا نے پوچھا

''نہیں میرا نہیں خیال کہ کسی کو بھی اعتراض ہوگا۔'' میں نے کہا۔

جہاں میں کام کرتی تھی اس کے بارے میں ہسیا اس لئے بھی جاننا چاہتا تھا کہ میں اتوار کی صبح کو کام پر چلی جاتی تھی اور اس روز وہ بالکل فارغ ہوتا تھا۔ اس نے پیش کش بھی کی کہ وہ بھی میرے ساتھ ہی جائے گا اور یہ کہ جب وہ وہاں جائے گا تو کچھ دیکھنے کو بھی مل جائے گا۔ اس نے کہا کہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ دلہنوں کا سنگھار کیسے کیا جاتا ہے اور ان کے جانے والی ملازماؤں کی آرائش کس طور کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسے یہ دیکھنے کا بھی اشتیاق تھا کہ میں میک اپ کے ذریعے ایک خوب صورت چہرے کو اور بھی خوب صورت اور ایک پرکشش چہرے کو کس طور خوب صورت کو عام چہرہ کیسے بناتی ہوں۔ میں ایک لمحے کا توقف کئے بغیر تیار ہو گئی۔ مجھے خبر تھی کہ قسمت مجھے اس موڑ پر لے ہی آئی ہے جہاں جو کچھ بھی ہوگا اس کا مجھے پہلے ہی پتہ ہے۔ تو صورت احوال یہ ہے کہ میں کافی شاپ میں بیٹھی ہسیا کا انتظار کر رہی ہوں یہاں سے ہم دونوں وہاں جائیں گے جہاں میں کام کرتی ہوں۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچیں گے وہ سب کچھ جان جائے گا۔ ہسیا کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ اس کے خیال میں میں اپنے جسم پر جو خوشبو اس کی طرح خاطر استعمال کرتی ہوں دراصل وہ اس کے لئے نہیں، مُردوں کی بو کو چھپانے کے لئے لگاتی ہوں۔ وہ یہ بھی جان جائے گا کہ میں اکثر سفید لباس محض پاکیزگی کے مظاہرے کے لئے نہیں پہنتی بلکہ یہ اس کام کی ضرورت

ہے جو میں کرتی ہوں یعنی وہاں آنے جانے کیلئے مناسب لباس سفید رنگ کا ہی ہوسکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں کی عجیب سی دوائی جیسی جو اب میری ہڈیوں تک میں رچ گئی ہے، اس بو کی ختم کرنے کے لئے میری وہ کوشش ناکام ہوچکی ہے۔

چنانچہ اب میں نے اسے ختم کرنے کی کوشش ہی ترک کر دی ہے اور اب تو اس کی بو کی موجودگی کا احساس تک مٹ گیا ہے، مگر ہسیا کچھ بھی نہیں جانتا بلکہ اس نے ایک بار مجھے کہا بھی تھا کہ تم بہت ہی نادر قسم کی خشبو لگاتی ہو، لیکن اب ہر چیز آئینہ ہو جائے گی۔ میں اپنے کام میں ماہر ہوں ہر قسم کے بال بنا سکتی ہوں تو پھر کیا ہوا؟ میرے ان ہاتھوں کو دیکھیں، انہوں نے کتنے ہی ایسے لوگوں کے گلے میں بوٹائی باندھی جو ساکت وصامت تھے۔ تو کیا ہسیا مجھے ان لوگوں ہی کی طرح اپنے بال تراشنے دے گا؟ مجھے ٹائی باندھنے کی اجازت دے گا؟ دوسروں کی نظر میں میرے یہ نرم گرم ہاتھ ٹھنڈے ہو چکے ہیں، دوسروں کی نظر یہ ہاتھ جنہیں نومولود بچوں کی جھولا جھلاتا تھا اب انسانی ڈھانچوں کی سفید ہڈیوں کے لئے رہ گئے ہیں۔

آنٹی ژی فن نے مجھے یہ ہنر کیوں سکھایا؟ اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، جو باتیں وہ رازانہ کرتی ہے ان سے بھی ان وجوہات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایسا ہنر ہے کہ آدمی کو بے روزگار ہونے کا خدشہ ہی نہیں ہوتا اور اس پیشہ سے اتنی کمائی ہوتی ہے کہ آدمی خوشحال زندگی بسر کرسکے۔ چنانچہ میرے جیسی کم علم اور معمولی پڑھی لکھی عورت بھلا کسی دوسرے پیشے میں دوسری عورتوں کا بھلا کیسے مقابلہ کرسکتی ہے، جہاں دنیا وہ لالچ ہے، ہوس اور کتا کتے کا بیری ہے۔ ژی فن زندگی بھر کے گر مجھے محض اس لئے سکھانے کی خاطر تیار تھی کہ میں اس کی بھانجی تھی۔ آنٹی نے اپنے کام کے دوران کبھی کسی کو قریب بھٹکنے نہیں دیا، نہ کچھ بتایا تا آنکہ اس نے مجھے اپنا اپرنٹس رکھ لیا۔ پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ کر ایک ایک چیز بتائی اور سکھائی اور میرے اندر یہ خوف بھی ختم ہوگیا کہ میں ٹھنڈی اور ننگی لاشوں کے درمیان بالکل اکیلی ہوں۔ میں نے پھٹے ہوئے جسموں اور ٹکڑے کر کے کھوپڑیوں کو سینا اور جوڑنا بھی سیکھ لیا ور یہ اب ایسے لگتا تھا کہ جیسے بندہ کسی تھیٹر میں مختلف کرداروں کے لئے لباس تیار کرتا ہے۔ میں چھوٹی عمر میں ہی ماں باپ سے محروم ہوگئی تھی اور میری آنٹی ژی فن نے ہی مجھے پالا پوسا تھا اور عجب بات یہ کہ میری مشابہت بھی اب اس جیسی ہوگئی تھی اس کی طرح کم گو بھی ہوگئی تھی۔ اس کی طرح میرے ہاتھ منہ بھی تھے اور اس کی طرح ہی قسمت رو۔ کبھی کبھی مجھے شک ہونے لگتا کہ میں ایک اور آنٹی ژی فن بن گئی ہوں اور میرا کوئی وجود ہی نہیں۔۔۔۔ ہم دونوں دو نہیں صرف ایک ہی وجود رکھتی ہیں۔ میں آنٹی ژی فن کا تسلسل بن چکی ہوں۔

''اب تمہیں کبھی روزگار میں دوسری عورتوں کی طرح کبھی کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑے گا۔'' یہ

بھی آنٹی نے کہا۔

سچی بات ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ میں یہ بات بھی نہیں سمجھ سکی تھی کہ اگر میں وہ سب کچھ سیکھ لیتی ہوں جو وہ جانتی ہے تو پھر مجھے روزگار کے لئے پریشان نہیں ہونا پڑے گا اور یہ کہ کیوں مجھے زندگی بھر دوسری عورتوں کی طرح کسی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور کیا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا پیشہ بھی ہے جو مجھے روزگار کے فکر سے آزاد کر دے گا یا مجھے زندگی میں کسی سہارے کا محتاج نہیں بنے دے گا۔ میں بہت ہی کم عقل عورت تھی اس لئے یقیناً میں دوسری عورتوں کے مقابل تو نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ چنانچہ محض میرے ذاتی مفاد کی خاطر آنٹی ژی فن نے اپنا سارا کام سکھانے کی سر دردی مول لی تھی۔ دراصل ہمارے پیشے کی اہمیت اس قدر ہے کہ پورے شہر کے شہر کو ہماری ضرورت ہے۔ شاید ہی کوئی ہوگا جسے ہماری ضرورت نہ ہو۔ بڑے ہوں یا چھوٹے امیر ہوں یا غریب اگر قسمت انہیں ہمارے پاس لے آتی تو پھر ہم ہی ان کے آخری غم گسار ہوتے ہیں۔ ہم ان کی شکل وصورت کو یوں سنوارتے ہیں کہ وہ قبول صورت اور انتہائی شریف اور باوقار نظر آئیں۔ ژی فن اور میری اپنی اپنی انفرادی تمنائیں بھی ہیں لیکن ہم میں ایک امید مشترک ہے کہ ہمیں کبھی کسی اپنے پیارے کے چہرے کا بناؤ سنگھار نہ کرنا پڑے پچھلے ہفتے میرے دکھی ہونے کی وجہ یہی تھی۔ مجھے ایک احساس ہو رہا تھا کہ کوئی خوف ناک بات ہونے والی ہے اور یہ خوفناک واقعہ میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ پیش آیا، جو کچھ میں نے سنا اس کے مطابق میرے بھائی کی ملاقات ایک بہت ہی خوبصورت اور ذہین عورت سے ہوگئی، ہر کوئی اس کے حسن پر مر مٹنے کے لئے تیار تھا۔ وہ آپس میں بہت ہی خوش تھے اور یہی بات میری خوشی کو دوچند کر رہی تھی، مگر یہ خوشی بھی دیرپا نہ تھی۔ کچھ دیر بعد ہی میں نے سنا کہ اس خوبرو عورت کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی گئی ہے جسے وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ کیوں ہوتا ہے کہ جو لوگ آپس میں محبت کر رہے ہوتے ہیں ان کی شادی نہیں ہوتی اور وہ باقی ساری زندگی اس نامکمل محبت کی تلخی میں گزار دیتے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی تو بالکل ہی بدل گیا تھا اس نے مجھ سے بھی کہا: ''میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔'' اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں۔ کیا مجھے ایک دن اپنے چھوٹے بھائی کے مردہ چہرے کی بھی آرائش کرنا پڑے گی؟

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ معاملات کس طرح بگڑے تھے۔ نہ ہی میرے چھوٹے بھائی کو اندازہ ہوا، اگر اس لڑکی نے اسے یہی کہا ہوتا کہ اب تم مجھے پسند نہیں ہو وہ خاموش ہو جاتا مگر یہ دونوں تو آخر تک محبت کرتے تھے۔ یہ کوئی اظہار تشکر والی بات بھی نہیں، نہ قرضہ اتارنے والا معاملہ تھا اور نہ ہی یہ بات تھی کہ دونوں کو کوئی مالی مجبوری تھی۔ تو کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے اس جدید معاشرے میں بھی ایسے والدین موجود ہیں جو بیٹیوں کی شادی اپنی مرضی سے کرتے

ہیں؟ زندگی تو بڑی لمبی ہوتی ہے تو پھر بندہ تقدیر کے سامنے سجدہ ریز کیوں ہو جائے؟ کوئی میری خواہش سے دعا ہے، کہ مجھے اپنی زندگی میں اپنے کسی پیارے کے مردہ چہرے کو آراستہ نہ کرنا پڑے۔۔۔۔۔۔مگر کون پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہے؟ جب آنٹی ژی فن نے مجھے اپنا اپرنٹس بنایا تھا اور مجھے اپنے پیشہ کے گر بتانے شروع کیے تھے تو کہا تھا: ''اپرنٹس بنانے سے پہلے تمہیں میری کچھ خواہشت کا احترام کرنا ہوگا۔ مجھے پتا نہ تھا کہ وہ یہ بات اتنی سنجیدگی سے کیوں کر رہی ہے، مگر اس نے کمال سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی، جب میری باری آئے گی، تو تم نے کسی اور کو میری میت کے قریب نہیں بھٹکنے دینا نہ ہاتھ لگانے دینا ہے اور جو کچھ تم نے خود کرنا ہے۔'' میرے نزدیک یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ تو نہیں تھا مگر مجھے حیرت ہوئی کہ آنٹی اس معاملے میں بہت ہی سخت ہو رہی تھی۔ شاید ایک سوال ہے جب میری باری آئے گی، تو اس جسم سے جو میں چھوڑ جاؤ گی میرا کیا تعلق رہ جائے گا؟ بہرور آنٹی ژی فن کی یہی ایک ذاتی خواہش تھی اور اب یہ مجھ پر تھا کہ میں اس کے مرنے پر یہاں کہیں موجود ہوں تو اس کی خواہش کی تکمیل کروں زندگی کو اس طویل راہ گزر پر آنٹی ژی فن کو امید ہے کہ میں ہی مرنے کے بعد چہرے کی آرائش کروں گی اور میں یہ امید کرتی ہوں کہ میں اپنے کمال فن سے اسے انتہائی سکون کے ساتھ سوئی ہوئی شئے بنا دوں گی جو دوسرے سب کے مقابلے میں آنٹی پر زیادہ سکون نظر آئے گی اور یوں لگے کہ موت دراصل حسین ترین چیز کا نام ہے اور بات یہ ہے کہ اگر میں اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتی ہوں تو یہ بھی تو دراصل بیزار کن زندگی کی بے معنویت کی معراج ہے۔ میری ساری کی ساری کوشش سعی لاحاصل ہی تو ہوں گی، اگر میں کسی دن واقعی ایک لاش کو پرسکون چہرہ دے دوں تو کیا مجھے اس پر انعام مل جائے گا؟ مرنے والوں کے تو کچھ خبر نہیں ہوتی اور اس کے لواحقین کو میری کاریگری کا احساس تک بھی نہیں ہوگا۔ یہ بات بھی عیاں ہے کہ مردوں پر اپنی حسن آفریب صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے میں کوئی نمائش تو نہیں لگا سکتی۔۔۔۔۔اس بات کا بھی کوئی امکان نہیں کہ کوئی شخص میرے فن کی باریکیوں کا تجزیہ کرے ان کے حسن و فتح کو پرکھے اور مردوں کی حسن آرائی کے متعلق میرے فن کے بارے میں مجلس مذاکرہ کا اہتمام کرے اور اگر کر بھی لے تو پھر کیا؟ بس اتنا ہی شور ہوگا جتنا کیڑوں مکوڑوں کی بھنبھناہٹ کا ہوتا ہے۔ میرا کام تو خالصتاً ایک کھیل جیسا ہے جو میں اپنے فائدے کے لئے اپنی کارگاہ میں کھیلتی ہوں تو پھر بھلا میں اس قسم کی امید ہی کیوں رکھوں؟ میرے لیے تو سودمند یہ بات ہے کہ میں اپنے کام میں ہمہ تن مصروف رہوں کیوں کہ یہ تو پیشہ بھی تنہائی کا پیشہ ہے نہ مقرر نہ حاضرین اور سامعین اور نہ ہی داد و تحسین۔ جب میں لاشوں کے درمیان اپنے کمرے میں کام کر رہی ہوتی ہوں تو صرف اپنی سانس کی مدھم سی آواز سن سکتی ہوں۔ اس وقت عورتوں اور مردوں کے مردہ اجسام کے درمیان صرف میرا ہی سانس چل رہا ہوتا

ہے۔اپنی سانس کی ہلکی سی آواز سننے کا مرحلہ جب بھی آتا ہے، تب میں سوچتی ہوں کہ میرا دل بھی اپنی نامردی پر دھڑک رہا ہے۔ یہ دل اس وقت بھی دھڑکتا ہے جب دوسرے دلوں نے دھڑکنا اور فریاد کرنا چھوڑ دیا ہے۔ پھر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ گزشتہ روز میں نے عشق میں خودکشی کرنے والے ایک نوجوان جوڑے کے چہروں کا سجانے کا فیصلہ پھر میری نظر سوئے ہوئے نوجوان کے چہرے پر گڑ گئی، مجھے احساس ہوا کہ میں اس چہرے پر اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کر کے اسے بہت ہی سکون اور شانتی کا روپ دے سکتی ہوں، ۔۔۔۔۔۔اس کی آنکھیں بند تھیں آپس میں نرمی سے بھنچے ہوئے اور اس کی بائیں کن پٹی پر ایک پیلا نشان تھا۔ سچ لگتا تھا کہ بڑے سکون کی نیند سو رہا ہے۔ میں نے گزشتہ کئی سالوں میں ہزاروں ہی مردہ چہروں خوب رو بنایا، مگر اکثر چہروں پر پریشانی، خوف اضطرار کے اثرات ہی نظر آئے۔ ذرا ڈروَنے۔ میں نے ان کو بنانے سنورنے، دیکھنے کے قابل بنانے کے لئے جو کچھ کر سکتی تھی کیا، کبھی میک اپ اور کبھی سوئی دھاگے سے۔انہیں پرسکون اور سائشتہ بنانے کی بھرپور کوشش کی، مگر کل جس لڑکے کے چہرے سے جو امن اور سکون جھلک رہا تھا اسے لفظوں میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے سوچا کہ کیا خودکشی بھی ایک سرکشی کا فعل ہے۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میں تو چہرے سے دھوکہ کھا رہی ہوں، مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خودکشی تو انتہائی بزدلانہ فعل ہے۔ پھر میں نے اپنی حیثیت کے حوالے سے سوچا کی اگر کسی میں تقدیر سے لڑنے کا حوصلہ ہی نہیں تھا تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ میں اسے اپنی پوری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے اسے ایک بے مثال پرسکون چہرہ بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ میں نے ان دونوں پر کام کرنے سے ہی ہاتھ کھینچ لیا، یعنی اس لڑکی سے بھی جس نے اس لڑکے کے ساتھ مل کر خود کو تقدیر کے سپرد کرنے کی حماقت کی تھی، میں نے دونوں کی نعشیں آنٹی ژی فن کو دے دیں کہ وہ ان کے قاتل زہر سے جلے ہوئے رخساروں کے ٹھیک کر دے۔

آنٹی ژی فن کے حالات کے بارے میں سبھی جانتے ہیں۔ان میں سے کچھ ذاتی طور پر چشم دید گواہ بھی ہیں، آنٹی نے جب کام شروع کیا تھا تو ابھی جوان تھی وہ کام کرنے کے ساتھ گایا بھی کرتی تھی اور لاشوں کے ساتھ ایسے باتیں کرتی تھی جیسے وہ اس کی سہیلیاں اور دوست ہوں اور پھر عرصہ گزرنے کے بعد اس کو چپ سی لگ گئی۔ آنٹی ژی فن اپنے ان سوئے ہوئے دوستوں سے دل کی ساری باتیں کر لیتی، اس نے کبھی ڈائری نہیں لکھی، مگر یہی یک طرفہ مکالمہ ہی اس کی زندگی کا روز بروز کا روزنامچہ تھا۔ اس کی موجودگی میں سوئے ہوئے لوگ نسل انسانی کے بہترین سامعین تھے۔ وہ بڑی بڑی دیر تک اس کے دل کے ابال کی باتیں سنتے رہتے اور یوں آنٹی نے انہیں بتایا کہ کس طرح اس کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی اور کس طرح ہر ملاقات پر انہوں نے جوانی کا دن خوشیوں کی راتیں گزاریں۔ ان خوشیوں کے دنوں میں پیچ خم اور نشیب و فراز بھی آتے

رہے۔ آنٹی ژی فن دھوپ ہو یا بارش ایک سال کے باون ہفتوں میں باون بار فن آرائش سیکھنے جایا کرتی۔ اس نے اس فن پر اتنی قدرت حاصل کر لی کہ اب اس کے استاد کے پاس پڑھانے سکھانے کیلئے کچھ نہیں بچا تھا۔ جب سکول والوں نے اسے بتایا کہ اب پڑھائی سکھائی پوری ہوگئی ہے تو اس نے ان سے اصرار کیا کہ اگر کچھ بچ گیا ہے تو وہ بھی اسے سکھا دیا جائے۔ فن حسن آرائی میں اس کا ذوق وشوق پیدائشی لگتا تھا اور اس کے دوستوں کو یقین تھا کہ ایک دن وہ بہت بڑا بیوٹی سیلون کھول لیگی۔ لیکن اس نے اپنی صلاحیتیں صرف ان لوگوں پر آزمائیں جو اس کے سامنے سوئے پڑے ہوتے تھے۔ آنٹی کے نوجوان عاشق کو ان باتوں کو کچھ پتا نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جسمانی حسن برائی کو خواہش ہوتی ہے اور اس کا شوق بھی حسن آرائی تک محدود ہے۔ پھر وہ بدنصیب دن بھی آیا جب وہ اسے لے کر یہیں آ گئی اور کمرے میں پڑی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ: ''اس کا پیشہ تنہائی کا پیشہ ہے، یہاں نہ دنیاوی جھگڑے، گلا گزاری، نہ ذاتی شہرت اور مفادات وحسد نفرت اور کدورتیں ہیں۔ جب یہ لوگ اندھیرے کی دنیا میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے چہرے شرافت اور سکون چھا جاتا ہے۔'' اس نوجوان کو شدید صدمہ ہوا۔ اسے تو ابھی اپنے کسی خوفناک خواب میں یہ نظر نہیں آیا تھا کہ ایسی عورت اس قسم کے پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ اس نے آنٹی سے محبت کی تھی، وہ آنٹی کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ چاہے کچھ ہو وہ اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا اور وہ زندگی کا سفر آخر تک اسی طرح جاری رکھیں گے۔ ان کی محبت مرتے دم تک اسی رنگ میں رہے گی۔ مگر وہ حوصلہ ہار گیا، اس کے اعصاب جواب دے گئے اور ان لوگوں کے درمیان جو نہ بول سکتے نہ سانس لے سکتے تھے اس نے زور سے چیخ ماری اور وحشت میں انہیں پیروں بھاگ نکلا۔ راستے میں ہر دروازہ کھولتا، ہر رکاوٹ ہٹاتا۔ جب وہ وحشت میں اس گلی میں بھاگتا جاتا تھا تو اسے بہت سے لوگوں نے دیکھا، مگر آنٹی ژی فن پھر سے اسے کبھی نہیں ملی، نہ اسے دیکھا، لیکن لوگوں نے آنٹی ژی فن کو اپنے کمرے میں اپنے خاموش دوستوں کے باتیں کرتے کئی بار سنا۔ وہ نہیں کہتا تھا میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ اس نے نہیں کہا تھا، میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤں گا؟ مگر وہ کس بات سے اتنی دہشت کھا گیا؟ اس کے بعد آنٹی ژی فن کی باتیں کم سے کم ہوتی گئیں۔ ہوسکتا ہے اس نے جو کچھ کہنا تھا سب کہہ لیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے خاموش دوست اس کے بارے میں سب کچھ جان چکے تھے اور اب انہیں کچھ مزید بتانے کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔۔۔۔۔ پھر بہت سی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ کبھی کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ جب آنٹی مجھے لکھا پڑھا رہی تھی اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا تھا، اس نے میرے چھوٹے بھائی کو نہیں اس نے مجھے اپنا اپرنٹس بنایا اس کی وجوہات اور بھی ہوں گی۔ مگر یہ وجہ بھی تھی کہ میں بزدل نہیں تھی۔

MashalBooks.org

''تم ڈر گئی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''تم بزدل ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ہرگز نہیں'' میں نے کہا۔

آنٹی ژی فن نے مجھے اس لئے اپنا جانشین منتخب کیا کہ میں ڈرتی نہیں تھی۔ اسے اندر ہی اندر یہ بھی یقین تھا کہ جو کچھ اس کا مقدر ہوا وہی میرا بھی مقدر تھا اور ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا، نہ بیان کر سکتا تھا کہ ہم ایک جیسے کیسے ہو گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا اصل سبب یہ ہو کہ ہم میں سے کوئی بھی بزدل نہیں تھی۔ ہمیں کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ جب آنٹی ژی فن مجھے اپنی آپ بیتی سنا رہی تھی تو اس نے کہا: ''میرا یقین ہے کہ یہاں ہم جیسے اور لوگ بھی ہیں اور وہ بھی نڈر ہیں مگر یہ اس زمانے کی بات ہے جب آنٹی اتنی چپ چپ نہیں رہتی تھی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر کے کہا کہ اب دیکھتی جاؤ، پھر اس نے انہوں گھٹنوں کو بڑے سلیقے کے ساتھ سرخ اور گز از بنایا جو بہت ہی اکڑ چکے تھے، پھر اس نے دو کھلی اور ٹکٹکی بندھی آنکھوں پر بڑے پیار سے کام شروع کیا اور انہیں ایسا بنا دیا، جیسے واقعی وہ بڑے سکون سے نیند لے رہی ہیں۔ اس زمانے میں آنٹی اپنے خوابیدہ دوستوں کے ساتھ گاہے بگاہے باتیں کیا کرتی تھی اور تم۔۔۔۔ تم کیوں خوفزدہ تھیں؟ جو لوگ محبت کرتے ہیں ان پر اعتماد اور یقین اتنا کمزور کیوں ہوتا ہے؟ ان کی محبت میں جرأت اور حوصلہ کیوں نہیں ہوتا؟ آنٹی ژی فن کے سوئے پڑے دوستوں میں سے بہت سے کمزور اور بزدل ہوتے تھے اور یہ دوسروں کے مقابلوں میں نسبتاً خاموش ہوتے تھے۔ آنٹی ژی فن اپنے ان دوستوں کی چند مخصوص باتوں سے واقف تھی۔ ایک روز اس نے ایک لڑکی کے چہرے پر پاؤڈر لگایا، اس لڑکی کے ماتھے پر چوٹ کا نشان تھا۔ تب اس نے اسے کہا: ''آئی آئی، یہ بے حد کمزور لڑکی تھی۔'' اس نے محض اس کا طرح اپنی محبت کو چھوڑ دیا کہ اسے ایک تابعدار بیٹی سمجھا جائے۔ آنٹی ژی فن جانتی تھی کہ اس لڑکی نے والدین کی خدگزار ہو کر خود کو قسمت کے حوالے کر دیا ور اِدھر وہ جو ہے اس نے بھی انتہائی کمزوری کے ساتھ ایسا ہی مقدر قبول کر لیا۔ وہ ان کے بارے میں جب باتیں کرتی تو انہیں زندہ محسوس کرنے اور سوچنے والا انسان نہیں بلکہ محض تجارت کا مال سمجھتی تھی۔

''کیسا خوفناک کام تھا یہ!'' میرے دوستوں نے کہا۔

''مرنے والوں کے چہروں کو سنوارنے بنانے کا کام ہائے اللہ۔'' میرے دوستوں نے کہا۔

میں اس کام سے ہرگز خائف نہیں تھی، مگر میری سہیلیاں اور دوست ضرور خوفزدہ تھے۔ انہیں میری آنکھیں اچھی نہیں لگتی تھیں، کیوں کہ میں انہیں ہاتھوں سے مردوں کو دیکھتی تھی۔ انہیں میرے ہاتھ بھی ناپسند تھے، کیوں کہ میں انہیں ہاتھوں سے مردوں کو چھوتی تھی۔ شروع شروع میں وہ مجھے صرف عاجز کرتے تھے پھر انہیں مجھے سے خوف آنے لگا۔ بالکل خوف۔۔۔۔ پھر یہ ناپسندیدگی

اور خوف صرف میری آنکھوں اور ہاتھوں سے ہوتا، پھر میرے پورے وجود سے خوف آنے لگتا۔ میں نے ان سب کو دیکھ لیا تھا وہ مجھ سے ایسے بھاگتے جیسے درندے جنگل میں لگی آگ سے یا کسان مکڑی دل کے حملے سے۔ ''تم کیوں ڈرتے ہو؟'' میں ان سے پوچھتی۔ یہ ایک کام ہی تو ہے جو کسی نی کسی نے تو کرنا ہی ہے۔ کہیں یہ تو نہیں کہ میں یہ کام اچھی طرح کر ہی نہیں سکتی یا یہ کہ میں اپنے پیشے میں طاق نہیں ہوں؟ تاہم آہستہ آہستہ مجھے اپنی صورت حال سمجھ میں آنے لگی ۔۔۔۔۔ میں تنہا رہنے کی عادی ہوتی جاتی تھی۔ بہت سے لوگ ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جس میں شیرنی اور گرمی ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی پھولوں اور ستاروں سے بھر جائے، مگر یہ پھولوں اور ستاروں سے بھری زندگی انسان کو آگے بڑھنے اور مشیب وفرتاز سے گزرنے کی توفیق ہی کب دیتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج میرا کوئی بھی دوست نہیں رہا۔ میرے ہاتھ کا لمس انہیں ایک یخ بستہ جہاں دیگر کا احساس دلاتا ہے جبکہ میری آنکھوں میں جھانکنے سے انہیں خاموشی کے ساتھ تیرتی ہوئی بے شمار رونقوں کے ہیولے نظر آنے لگتے ہیں۔ چنانچہ وہ سب مجھ سے ڈر گئے۔ وہ کسی صورت بھی واپس نہیں آسکتے نہ میرے ہاتھوں کی گرمی نہ میری آنکھوں کی نمی اور نہ میرے دل کی گرم جوشی کوئی بھی شئے انہیں واپس نہیں لاسکتی۔ اب میرا حال بھی زیادہ تر آنٹی ژی فن جیسا ہوتا جارہا ہے اور میرے دوست صرف مرنے والوں کے جسم ہیں جو میرے سامنے پڑے ہیں اور پھر میں ان کو مخاطب کر کے اردگرد پر محیط خاموشی کو توڑتی ہوں اور خود بھی حیرت زدہ ہو جاتی ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ کل صبح سے اپنے ساتھ ہسیا نام کے ایک آدمی کو لاؤں گی، آپ سے ملانے کیلئے۔ اس نے پوچھا تھا کہ: '' آپ اس کے آنے پر اعتراج تو نہیں کریں گے۔'' میں نے کہا :''نہیں، آپ اعتراض نہیں کریں گے!'' میں نے ٹھیک ہی کیا تھا نا! تو کل ہسیا یہاں آئے گا اور میں جانتی ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس لئے کہ میرا اور آنٹی ژی فن کا مقدر ایک جیسا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ ہسیا جیسے ہی یہاں قدم رکھے گا؛ اس کی روح پرواز کر جائے۔ آئی، ہم ایک دوسرے کی روحوں کو پرواز کیلئے پر دیتے ہیں، مگر بالکل مختلف انداز میں۔ جو کچھ ہوگا، مجھے اس پر ہرگز حیرت نہیں ہوگی، کیوں کہ جو کچھ ہونا ہے اس کا شگون اور آثار پہلے ہی مل چکے ہیں۔ ہسیا نے ایک مرتبہ مجھے کہا تھا: '' تمہارا چہرہ تو بہت ہی فطری سا، اصل سا ہے۔'' ہاں میرا چہرہ فطری ہے، لیکن ایسے فطری چہرے کسی دوسرے کے خوف کو دور نہیں کر سکتے۔

ایک بار میں نے اپنا پیشہ بدلنے کے بارے میں سوچا بھی تھا۔ کیا واقعی مجھے وہ صلاحیت نہیں ہے، جو دوسرے پیشوں میں کام کرنے والی عورتوں میں موجود ہے؟ مانا کہ میری اہلیت نہیں ہے کہ میں استانی، نرس، یا کسی دفتر میں سیکرٹری یا کلرک بن سکوں، مگر کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ میں کسی دکان میں سیلز گرل بھی نہیں بن سکتی۔ بیکری کا سامان نہیں بیچ سکتی یا کسی گھر میں نوکرانی کا کام بھی

نہیں کرسکتی۔ میرے جیسی عورت کو تو صرف تین وقت کی روٹی اور سر پر چھت چاہئے ،یقیناً میرے لئے کہیں نہ کہیں تو اتنی گنجائش ہوگی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے جتنا کام آتا ہے اس کی بنا پر میں دلہنوں کی آرائش زیبائش کرنے والے سیلونوں میں کہیں بھی کام کرسکتی ہوں، لیکن جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ جن ہونٹوں پر میں سرخی لگا رہی ہوں، اگر تھوڑی دیر بعد وہ مسکراتے ہوئے کھل جائے تو میں اس تصور پر بھی کانپ جاتی ہوں۔ایسے لمحے میں میرے دل و جان پر نہ جانے کیا کچھ گزر جائے گی۔ اس قسم کے خیالات مجھے بیوٹی پارلروں میں کام کرنے سے روک دیتے ہیں، حالانکہ میں اب بھی اسی قسم کا ہی کام کر رہی ہوں۔ مجھے یقین نہیں کہ اگر میں وہ کام چھوڑ کر یہ کام شروع کر دوں تو میرے چہرے اور میرے اور میرے ہاتھوں کی پیلاہٹ ختم ہو جائے گی اور جو بوجھ میری ہڈیوں تک میں رچ جائے بس گیا ہے، مر جائے اور کیا میں ہسیا کو اپنے موجودہ پیشے کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں، اسے اندھیرے میں رکھوں۔ دنیا میں بے شمار ایسی لڑکیاں ہیں جو اپنی عمر چھپانے یا ماضی میں کئے گئے گناہوں کو اپنے آج کے چاہنے والوں سے چھپانے کے لئے سب کچھ کر گزریں گی، مگر میرے نزدیک اپنے ایک چاہنے والے سے اپنے ماضی چھپانا بد دیانتی ہے۔ مجھے ایسے لوگوں سے شدید نفرت ہے۔ مجھے ہسیا کو بتانا ہوگا کہ میں ایک طویل عرصہ سے مرنے والوں کے لب و رخسار کی آرائش کا کام کر رہی ہوں۔تب اسے پتہ چلے گا اور اسے ماننا بھی پڑے گا کہ میں کس قسم کی عورت ہوں۔ اسے خبر ہوگی کہ میرے جسم سے جو غیر معمولی سی خوشبو آتی ہے وہ نارمل ڈیمانڈ کی ہے، کسی پرفیوم کی نسبت اور یہ جو میں عموماً سفید لباس پہنتی ہوں یہ میرے کردار کی پاکیزگی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ میرے کام میں یعنی وہاں آنے اور جانے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ تاہم ان سب باتوں کی اہمیت ہی کیا ہے، سمندر میں چند قطروں کے برابر۔ اگر ہسیا کو یہ خبر ہو جائے کہ میرے ہاتھ تو لاشوں کو چھوتے رہتے ہیں تو کیا وہ تب بھی میرے ہاتھوں کو اتنی مضبوطی سے پکڑنے پر رضامند ہوگا جیسے تیز رفتار نہر کو تو عبور کرنے کے دوران ہاتھ پکڑے جاتے ہیں۔ کیا وہ مجھے بڑے بال تراشنے دے گا، یا ٹائی باندھنے دے گا؟ کیا وہ میرا ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا برداشت کرے گا؟ کیا وہ میری موجودگی میں کسی خوف کے بغیر لیٹ سکے گا؟ میرا خیال ہے کہ وہ خوف کھائے گا، سخت خوف کھائے گا اور جیسا میرے دوستوں کے ساتھ ہوا تھا، وہ پہلے مجھے ناپسند کرے گا پھر خوف کھا کر منہ موڑے گا۔ ایک بار آنٹی ژی فن نے کہا تھا: ''محبت میں ذہن میں کوئی خوف ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر چند بہت سے لوگ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ محبت میں ہار نہیں مانتی نہ اس پر غلبہ پایا جاسکتا ہے، مگر میں جانتی ہوں کہ حقیقت میں یہ بہت ہی کمزور اور نرم ہوتی ہے۔ حوصلے پر مزید بہادری کا غلاف ایسے ہی ہے جیسے شوگر کوٹنگ۔'' آنٹی ژی فن نے مجھ سے کہا: ''ہوسکتا ہے ہسیا بزدل نہ ہو۔ اس سے اپنے پیشے کے بارے میں تفصیل سے بات نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی

MashalBooks.org

ہے اور ایک اور فطری بات یہ بھی ہے کہ مجھے اظہار پر قدرت حاصل نہیں۔'' چنانچہ اپنے بارے میں باتیں کرتے وقت ہوسکتا ہے کہ میں اپنی کج بیانی کے باعث وہ کہہ ہی نہ سکوں جو کہنا چاہتی ہوں یا کہ غلط حرکت اور موقع اور غلط حالت میں غلط الفاظ کا استعمال میرے مافی الضمیر کو اس تک پہنچا ہی نہ سکے۔ میں نے اسے واضح نہیں کیا، حسن آرائی کا کام بیوٹی پارلر میں نہیں کرتی، کیوں کہ میں تجھی ایک طرح سے امتحان لینا چاہتی ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ مردوں کو دیکھ کر اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے، اگر وہ خوف کھا جاتا ہے تو ٹھیک، بات تو خوف والی ہے اور اگر وہ پچھلے پیروں بھاگ نکلتا ہے تو پھر کب اپنے سونے والے ساتھیوں سے کہوں گی: '' کچھ بھی تو نہیں ہوا۔''

''تم کیسے کام کرتی ہو، میں کبھی دیکھ سکتا ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''تو یہ کوئی مسئلہ نہیں۔'' میں نے کہا۔

تو یہ میں ہوں کافی شاپ کے ایک کونے میں بیٹھی ہسپا کے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ آج کچھ وقت میں نے بڑے غور سے ان معاملات پر سوچا ہے، ممکن ہے کہ میں نے ہسپا کے ردعمل کے بارے میں جو کچھ بہانہ لگایا وہ مناسب نہ ہو۔ میں جو کام کرتی ہوں، اگر وہ اس سے پھر جاتا ہے تو کیا یہ اس کا قصور ہے؟ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کیوں زیادہ حوصلہ مند ہو؟ جہاں محبت کا رشتہ ہو وہاں مردوں کے خوف اور بزدلی کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ ان دونوں کا آپس کوئی تعلق نہیں ہی نہیں ہے۔ جب میں ابھی چھوٹی ہی تھی تو میرے ماں باپ مر گئے تھے اور مجھے آنٹی ژی فن نے پالا پوسا۔ میرا چھوٹا بھائی اور میں دونوں یتیم تھے۔ مجھے اپنے والدین کے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں۔ ان کے بارے میں جو تھوڑی بہت باتیں مجھے معلوم تھیں وہ آنٹی ژی فن نے بتائی تھیں۔ مجھے یاد ہے آنٹی نے بتایا تھا کہ میری ماں سے شادی کرنے سے پہلے میرا باپ بھی مردہ خانے میں حسن آرائی کا کام کیا کرتا تھا۔ جب وہ شادی کی تیاریاں کر رہے تھے تو میرے باپ نے میری ماں سے پوچھا کہ: ''کیا وہ ڈرتی ہے؟'' تو اس نے کہا تھا کہ: ''نہیں، میں نہیں ڈرتی۔'' میرا خیال ہے، اگر میں بھی نہیں ڈرتی تو اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اپنے باپ پر گئی ہوں۔ میری رگوں میں میری ماں کا خون دوڑ رہا ہے۔ آنٹی ژی فن نے مجھے بتایا کہ اسے میری ماں اس لئے بھی یاد رہتی ہے کہ اس نے ایک مرتبہ کہا تھا: ''میں نہیں ڈرتی، کیوں کہ میں محبت کرتی ہوں۔'' اور شاید یہی وجہ ہے کہ میری ماں بھی میری یادوں میں رچی بسی ہے۔ اگرچہ مجھے نہ اس کی شکل یاد ہے نہ آواز، مگر اس کی یاد کے دھندلکے ضرور ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ میری ماں کو محبت تھی اس لئے وہ بے خوف تھی اور یہ کہ چونکہ وہ میری ماں تھی اس لئے مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں دوسروں سے بھی اس قسم کی بے خوفی کی توقع کروں، ہوسکتا ہے کہ میں نے بچپن سے ہی اس سخت کوشی کو اختیار کیا ہو اور تقدیر کے لکھے کو مانا ہو اور اس مشکل پیشے کو اختیار کیا ہو جو دوسروں کو بہت ہی مشکل نظر آتا ہے اور دوسرے میرے اس

کام کو بمشکل ہی قبول کریں۔ دنیا بھر میں مرد ایسی عورتوں کو پسند کرتے ہیں جو شریف، گرم جوش اور شریں سخن ہوں اور ایسی عورتوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایسی نوکری کریں گی جو باوقار، معروف اور پسندیدہ ہوگی، مگر میرا پیشہ میرا کام تو سخت ٹھنڈا اور ڈراونی تاریکی جیسا ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اب میرا جسم بھی اسی کی پرچھائی بن کر رہ گیا ہے۔ ایک مرد جو چمک دمک والی دنیا میں رہتا ہے، اندھیروں میں گھری عورت سے کیوں دوستی کرے گا؟ جب وہ اس عورت کے پاس لیٹے گا تو کیا اسے یہ خیال نہیں آئے گا کہ یہ وہ عورت ہے جو ہر روز لاشوں میں سیر کرتی ہے اور جب یہ عورت اپنے ہاتھوں سے اس کے جسم کو سہلائے گی تو کیا اسے یہ خیال نہیں آئے گا کہ ان ہاتھوں نے نہ جانے کتنے مردہ ہاتھوں کو سہلایا ہوگا۔ آئی آئی، میرے جسم جیسے عورت درحقیقت کسی بھی مرد کی محبت کی سزاوار نہیں ہوسکتی۔ میرا خیال ہے جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمہ دار میں خود ہوں تو پھر میں یہاں سے اٹھ کر اپنے کام پر کیوں نہیں جاتی۔ ہسیا نام کے شخص کی تو میں کبھی واقف ہی نہ تھی، وہ بھی بھول جائے گا کہ کبھی ایسی عورت بھی اس کی دوست تھی جو دلہنوں کا سنگھار کیا کرتی تھی، لیکن میرے اٹھنے میں دیر ہوگئی، میں کھڑکی میں اسے دیکھ رہی ہوں، وہ گلی عبور کر کے ادھر ہی آرہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کیا ہے؟ پھولوں کا اتنا بڑا گلدستہ! مگر موقع کیا ہے؟ کسی کی سالگرہ ہے میں دیکھ رہی ہوں وہ کافی شاپ میں داخل ہوا ہے۔ وہ ایک نیم تاریک گوشے میں نگاہ دوڑاتا ہے۔ باہر چمکیلی دھوپ ہے، کچھ دھوپ اس کے ساتھ اندر بھی آگئی ہے۔ کرنیں اس کی سفید قمیض پر منعکس ہو رہی ہیں وہ اسم بامسمہ بنا ہوا ہے۔ ہسیا۔ ابدی بہار۔

''ہاں بھئی اتوار مبارک۔'' وہ کہتا ہے۔

''یہ پھول تمہارے لیے ہیں۔'' وہ پھر کہتا ہے۔

وہ اس قدر خوش ہے، بیٹھ جاتا ہے، کافی کا کپ لیتا ہے۔ ہم نے ایسے کئی پرمسرت دن ایک ساتھ گزارے ہیں، مگر یہ مسرت آخر ہے کیا چیز؟ خوشی بھاگ رہی ہے۔ میرے دل میں سخت اداسی ہے، یہاں سے ہر کارگاہ تک صرف تھوڑا سا فاصلہ ہے اس کے بعد وہی کچھ ہوگا جو برسوں پہلے ہو چکا ہے۔ ایک شخص اسی دروازے سے ایسے واپس آئے گا، جیسے اس کی روح اسے چھوڑ کر جارہی ہے اور کئی متجسس آنکھیں اسے اس وقت تک دیکھتی رہیں گی جب تک کہ غائب نہیں ہو جاتا۔ آنٹی ژی فن نے کہا تھا: ''ہوسکتا ہے کہیں کوئی واقعی جرأت مند حوصلے والا نڈر کوئی ہو۔'' مگر میں جانتی ہوں کہ یہ صرف مفروضہ ہے اور جب میں نے اسے ہسیا کو بہت بڑا گلدستہ اٹھائے، گلی کے اس پار سے ادھر آتے دیکھا تھا تو مجھے خبر ہوگئی تھی کہ یہ برا شگون ہے۔ آئی آئی، میرے جیسی عورت کسی بھی مرد کی محبت کی سزاوار نہیں۔ شاید مجھے اپنے سونے والے دوستوں سے کہنا چاہیے۔ کیا ہم سب ایک جیسے ہی نہیں۔ تم اور میں؟ آنکھ کی ایک جھپک میں عشرے بیت جاتے

ہیں اور وجہ چاہئے کچھ ہی ہو۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ کسی دوسرے کو ایسا خوفناک صدمہ پہنچائے کہ اس کے حواس تک ٹھکانے نہ رہیں۔ ہسیا اپنے ساتھ جو گلدستہ لایا ہے، بہت خوبصورت، ہسیا خوش ہے، مگر میں غم کے بوجھ تلے دب گئی ہوں۔ اسے خبر نہیں کہ ہمارے پیشے میں پھول ابدی مفارقت کی علامت ہوتے رہے۔

☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

# اک جرم کی سزا

**ژوان چیو نگ جیو نگ ،(ب 1950)**

مسز لیوا اپنی چار بچیوں کو ساتھ لے کر باہر جا رہی ہے' اگر صرف ایک عورت کو باہر جانا ہو تو وہ سخت اودھم مچاتی ہے۔ یہاں تو پانچ عورتیں ایک دم باہر جانے کی تیار کر رہی ہیں اور انہوں نے گھر کو میدان جنگ بنا دیا ہے' ہر طرف کپڑے بکھرے پڑے ہیں۔ اس وقت سب سے بڑی بیٹی لیلا بیڈ روم میں نصب واحد قد آدم شیشے کے سامنے کھڑی لباس درست کر رہی ہے۔ شیشہ دیوار پر نصب ہے اس لئے اس میں اسے صرف اوپر کا دھڑ نظر آ رہا ہے وہ اپنے پورے وجود کو شیشے میں دیکھنے کے لئے ایڑیوں کے بل کھڑی ہوتی ہے۔ لیلا بڑی ہو کر بالکل ماں جیسی ہی ہے' قد کی چھوٹی بڑی دبلی پتلی' ٹانگیں موٹی بھی ہیں اور کچھ ٹیڑھی سی۔

ڈریسر کے قریب ویولا اور وائلٹ حسب معمول جھگڑ رہی ہیں ،اس وقت جھگڑا ایکمو ڑھانماں شست پر ہو رہا ہے۔ ویولا نشست پر بیٹھی ہوئی ہے' مگر شکایت کر رہی ہے کہ وائلٹ اس کے اور شیشے کے درمیان کھڑی ہے۔ وائلٹ اپنی بہن کی ایک سمت سے جھک کر شیشے کے اوپر والے حصے کے ساتھ تقریباً چپک کر آئی لائنر استعمال کر رہی ہے۔ اس کی نظر بہت ہی کمزور ہے اس لئے اس کوشش میں اس کی آنکھیں سکڑی ہوئی ہیں اور منہ آدھا کھلا ہوا اور یوں لگتا ہے کہ ابھی اسے چھینک آنے والی ہے۔ اس کی بہن ویولا وائلٹ کی وجہ سے پیچھے چھپ گئی اس لئے وہ اسے کہنی مار کر کہتی ہے: ''تم نے تو روشنی کو بھی روک لیا ہے۔'' وائلٹ پرواہ ہی نہیں کرتی اور بہن کے

کہنی مارنے کے دھکے کے باوجود جسم کو تھوڑا سا خم دے کر اپنا کام جاری رکھتی ہے اور جب وہ ابروؤں آنکھوں کی آرائش کا کام مکمل کر لیتی ہے تو مڑ کر چھیڑتے ہوئے کہتی ہے: ''لو روشنی لوموٹی۔''

وائلٹ دراصل موٹی ہے نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس کا چوڑا چہرا باپ پر گیا ہے۔ چنانچہ چہرے مہرے سے وہ موٹی ہی لگتی ہے' وہ جتنا چاہے ڈائیٹنگ کرے چہرہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے اور وہ چہرے کی اس چوڑائی کو اپنے لئے بہت بڑی رحمت سمجھتی ہے۔ وائلٹ نے جو ابھی ابھی اسے موٹی کہا ہے تو اس سے اس کا منہ سوج گیا ہے اور ابروؤں کے درمیان تیوڑی پڑ گئی ہے۔ وہ زور زور سے بالوں میں برش پھیرنا شروع کر دیتی ہے اتنے زور سے کہ دیکھنے والے کو احساس ہو کہ اس لڑکی کو اپنی ذات سے بڑی نفرت ہے۔

مسز لیو کچھ فاصلے پر یہ گفتگو سن رہی ہے اور گھر کے دوسرے کونے سے کہتی ہے: ''وائلٹ تم یہ کمیں ی باتیں بند کرو' جس وقت بہنوں کے درمیان تکرار شروع ہوئی اس وقت وہ پیسے گن رہی تھی' پریشانی ہوئی اور اب اسے دوبارہ پیسے گننے پڑے' ایک ایک کر کے۔ لڑائی لڑائی' تم ہر وقت لڑتی رہتی ہو۔ اب تم بچے تو نہیں رہے' اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ تم ہر وقت لڑتی ہی رہتی ہو تو کون تم میں سے کسی کا ہاتھ مانگے گا۔'' اس وقت اس کی چاروں بیٹیوں میں سے کسی ایک کا بھی رشتہ نہیں آیا تھا۔ بڑی بیٹی لیلا ستائیس برس کی ہوگئی ہے۔ چار بیٹیاں' چاروں کے باعث فکرمندی۔ مسز لیو پر اچانک غصے کا دورہ پڑتا ہے: ''تم میں سے ایک باتھ روم کے شیشے کے پاس کیوں نہیں چلی جاتی؟ جس پر جھگڑ رہی ہو اسے کیا لعل لگے ہیں؟ اس میں تم زیادہ خوبصورت نظر آتی ہو؟

''لیلیسین باتھ روم والے شیشے کے سامنے ہے۔'' لیلا نے دوسری دونوں کی طرف سے جواب دیا۔ مسز لو اتنے زور سے بولی کہ اس کی آواز باتھ روم میں بھی پہنچ گئی اور وہاں سے لیلیسین نے چلا کر کہا: ''باتھ روم میں تو میں ہوں۔''

اس وقت مسز لو کو یہ پرواہ نہیں کہ اس کی بات سنی جا رہی ہے یا ان سنی کی جا رہی ہے۔ بچیوں کو جھاڑ پلانے کے بعد وہ پھر پیسے گننا شروع کر دیتی ہیں وہ دو ہزار (مقامی) ڈالر گن لیتی ہے۔ وہ دوبارہ پھر انہیں گننے کے بعد اپنی بڑی بیٹی سے کہتی ہے: ''لیلا دو ہزار ہیں' کیا خیال ہے کافی ہوں گے' میرا تو یہی خیال ہے۔''

''ماں میرا بھی یہی خیال ہے۔'' جواب آیا۔ لیلا اب ہر وقت بلا ارادہ کچھ کچھ لاتعلق سی لگتی تھی اور منہ کم ہی کھولتی تھی۔ جمسٹر لو کا انتقال ہوا تھا' اس کی عمر بارہ برس تھی۔ اس وقت وہ اپنی ماں کی دست و بازو بنی ہوئی تھی۔ ماں چھوٹے بڑے تمام معاملات پر اس سے مشورہ کیا کرتی۔ اپنی بہنوں میں وہ سب سے نحیف الجثہ تھی۔ چنانچہ مسز لو اس کے بارے میں یہ بات بڑے اہتمام کے ساتھ کرتی ہے کہ دراصل لڑکی اندر سے بہت ہی حساس ہے اور اسی وجہ سے اس کی نشوونما میں کمی رہ گئی ہے۔

بیٹی کی منظوری حاصل کرنے کے بعد مسز لو نے بڑے اہتمام سے پیسے سرخ پیکٹ میں

ڈالے یہ رقم تمغے کے طور پر دی جانے والی تھی۔

لیلیتھین میک اپ کیس ہاتھ میں لئے باتھ روم سے باہر آتی ہے' جانے کے لئے بالکل تیار۔

''امی انڈریو باؤ کی عمر اب کیا ہوگی؟'' وہ پوچھتی ہے۔

''میرا ہی ہم عمر ہے۔'' وائلٹ درمیان میں ٹپک پڑتی ہے۔''جب ہم کنڈرگارٹن میں تھے تو وہ میرا ہم جماعت تھا۔''

''لیکن امی اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ صرف بارہ سال کا ہے' شادی کے لئے تو یہ عمر کم نہیں؟''

ایپی کی شادی ہوچکی ہے اور ابلس کی بھی۔ اس گھر کے تو سبھی لوگ بیاہے جاچکے ہیں۔

''تم یہ بات مت کہو۔'' لگتا تھا کہ مسز لو کسی وقت بھی پھٹ پڑے گی۔''تم یوں نہ کہا کرو...... تم لڑکیاں...... سبھی کی سب مت ایسی باتیں کیا کرو......'' ان لڑکیوں کو یہ غصہ دکھانے کی کیا ضرورت ہے' پھر اسی وقت لو بے چاری باہر جانے والی ہیں اور اس وقت ان کو ناراض کرنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر اپنے سلسلہ خیال کو یہ کہہ کر ختم کرتی ہے۔''بس جلدی کرو' جلدی' جلدی۔''

مسز لو پچاس برس کی ہوگئی ہے۔ دیکھنے میں تو چھوٹی اور منحنی سی ہے' مگر آواز بڑی پاٹ دار ہے۔ آخر دس سال تک پرائمری سکول میں پڑھاتی رہی ہے۔ اس تمام عرصہ میں اس نے اپنے بالوں کا انداز کبھی تبدیل نہیں کیا۔ کھلے کھلے سے گول گول چہرے کا ارد گرد یہ تیسری دہائی کا سٹائل تھا۔ جہاں تک مسز لو کا تعلق ہے اسے نئے یا پرانے فیشن سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ صرف یہی کیا جاسکتا ہے کہ اس کے سر پر اتنے بال ہیں کہ اسے عورت ہی سمجھا جائے گا۔ گذشتہ کچھ سالوں میں اس کے بہت سے بال گر گئے ہیں جو باقی بچے ہیں وہ سفید ہوگئے ہیں اور اس کی کھوپڑی کچھ اس طرح ننگی سی نظر آتی ہے جیسے کسی پرندے کے بچے سینے سے دم تک کے بے بال و پر حصے نظر آتے ہیں۔ وہ سارا سال کیوں گمنام والا لباس پہنے رکھتی ہے۔ لمبے چاک والا سکرٹ اور اس پر کالر۔ لباس جسم کے ساتھ لگا ہوا' بازو چھڑلوں کی طرح آستینوں سے باہر نکلے ہوئے اور ٹانگیں لباس کے نیچے سے باہر نکلی ہوئی اور لاٹھیوں جیسی' مگر بات یہیں پر آتی ہے کہ مسز لو زندگی کسی بھی مرحلے پر ایسی نظر نہیں آئی کہ اسے خوبرو کہا جاسکے۔ بہر طور وہ سادگی پسند تھی اور سادگی کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے۔ وہ بہر طور بدصورت بھی نہیں تھی۔ ہر چند وہ اب بوڑھی ہوچکی ہے' مگر اس کے چہرے پر زیادہ جھریاں نہیں پڑیں۔ اس کے چھوٹے منہ پر چمکتی ہوئی دو آنکھیں نسبتاً بڑا دہانہ ہمیشہ زور سے بند یہ سب کچھ اب بھی مسز لو کے تحکمانہ انداز کی گواہی دیتا تھا۔

گھر کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد چاروں بیٹیاں اب جانے کے لئے تیار ہوچکی ہیں۔

گھر سے باہر نکلتے وقت دو ماں کی ایک طرف اور دو دوسری طرف جیسے پرانی شاخ کے ساتھ پھول سجا دیئے گئے ہوں۔

لو خاندان کی ان لڑکیوں کو خوبصورت تو کسی صورت نہیں کہا جاسکتا' مگر نئے نئے ساماں

آرائش نے لفظے بدل دیئے ہیں اب نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو صرف میک اپ کرنے کا کرآنا چاہیے وہ خود کو دلکش بنا لیتی ہیں۔ ان ماں بیٹیوں کا انداز ہی مختلف' شان ہی دوسری تھی۔ ماں بیٹیاں ٹیکسی میں بیٹھ جاتی ہیں اور باؤ شوئی مسنگ کے گھر کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ باؤ خاندان ایک مقامی لڑکی کو بہو بنا کر گھر لا رہا ہے اور مقامی روایت کے تحت ہی اپنے گھر پر شادی کی دعوت دے رہا ہے۔

لو اور باؤ خاندان ایک زماں ے میں ایک ہی جگہ رہا کرتے تھے۔ (ٹیشنلسٹوں نے مائی وان میں فوجیوں کے لئے بستیاں بسائی تھیں جہاں فوجی اپنے بال بچوں کے ساتھ رہا کرتے تھے' انہیں فیملی سیٹلمنٹ کہا جاتا تھا۔ ہم اسے عسکر آباد کہہ سکتے ہیں) 1938ء کی پسپائی یا واپسی کے دوران لوچن لن اور پائی شوئی مسینگ ایک ہی یونٹ میں تھے اس لئے ایک دوسرے کے بہت قریب تھے' جب انہیں واپسی کے لئے بھاگنا پڑا اس وقت مرد توپوں ٹوں میں تھے۔ لو کی بیوی حاملہ تھی۔ یہ ان کا پہلا بچہ تھا' مگر مسز لو نے اس حالت میں ہی باؤ کی بیوی کی خبر گیری کی۔ مسز باؤ اسے ہمیشہ بڑی آپا جی کہا کرتی تھی۔ باؤ اور مسز باؤ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ یاؤ یونٹ میں تھا' اس کی بیوی پہلی بار اس سے الگ ہوئی تھی تو بڑی پریشان رہتی رونا پیٹنا عام تھا۔ اس طرح تو یوں لگتا تھا کہ دونوں کی آپس میں بڑی محبت ہے' مگر اس وقت کس کو خبر تھی کہ آخر کار یہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ یہ کچھ کرے گی۔

اب اس بستی میں اس زماں ے کے لوگ بہت کم رہ گئے تھے' جو جو خاندان مالی لحاظ سے بہتر ہوتا گیا وہ یہاں سے نکلتا گیا۔ لو کی موت کے بعد بستی والوں نے باتیں بنانا شروع کر دی تھیں اور افواہیں بھی۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ غلطی باؤ کی ہے' مگر مسز لو یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ فوراً ہی یہ بستی چھوڑ دے گی۔ تب سے اب تک کبھی کبھی وہ خود یہاں پر اپنے مکان کا کرایہ وصول کرنے کے لئے آتی ہے' مگر اس کی بیٹیاں کبھی ادھر نہیں آئیں۔ چنانچہ مسز لو ٹیکسی میں بیٹھی بیٹھی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر تبدیلیوں کا ذکر زور شور سے کرتی جاتی تھی۔

''امی دیکھو' کس قدر تبدیلی آ گئی ہے ہر شئے بالکل ہی بدل گئی ہے۔''

یہاں عسکر آباد کا گیٹ ہوا کرتا تھا۔ تین تین میٹر کے بلند پتھر کے دوستون ہوتے تھے۔ پکی سڑک بنانے کے لئے جنہیں ہٹا دیا گیا۔ اب یہ سڑک پہلے کے مقابلے میں دوگنا چوڑی ہو گئی ہے۔ دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ بڑی گھاس اگی ہوئی ہے۔ مسز لو کو یہاں آ کر بڑی تلخ یادیں گھیر لیتیں۔ جب لو کا انتقال ہوا ہے' ہر کسی کا رویہ ہی تبدیل ہو گیا' پھر سارا محلّہ ہی اس کے خلاف ہو گیا' صرف ایک شخص باؤ شوئی ہسنگسی تھا' جس پر وہ اعتماد کر سکتی تھی' جب ہی اسے صلاح مشورے کی ضرورت ہوتی وہ باؤ کے پاس آتی اور اسے آج بھی یقین ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کوئی غلط کام نہیں کیا تھا اور اگر کوئی اس پر الزام لگاتا ہے تو وہ اس کا جواب دینے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے' مگر لوگ تو زمیں آسماں کے قلابے ملا رہے تھے۔

اب ٹیکسی بستی میں آ گئی ہے اور بڑی سڑک پر چل رہی ہے جہاں تک نظر جاتی ہے۔

Mashalbooks.org

پرانے گھروں میں توسیع کر لی گئی ہے۔ مکانوں کی ایک قطار کی پشت پر گلی تھی اور پھر دوسری رو شروع ہوتی تھی اور یہاں کبھی چوڑی گلی تھی۔ مگر اب وہ تنگ سی گلی رہ گئی تھی نہ گھر میں آگے پیچھے توسیع کر لی گئی تھی۔ صرف لوکا گھر اپنی اصلی حالت میں تھا کچھ اور وہ بھی مسز لو اس کی مالکن کی غیر موجودگی کے باعث اردگرد بڑی بڑی دیواروں اور کھلے صحنوں کے درمیان یہ پرانی طرز کا گھر یوں لگتا تھا جیسے اسے اس حالت میں باقاعدہ محفوظ کر لیا گیا ہے۔

لیلا نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے کہا ''گویا آم کا درخت ختم ہو گیا۔ کبھی مکانوں کی قطار کے آگے کچھ لمبے لمبے درخت ہوا کرتے تھے۔

لیلئین نے لیلا کے بیان کو یہ کہہ کر جھٹلا دیا ''کون سا آم کا درخت؟'' یہاں تو لونگن تھا اب بیٹوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ لیلا کو جب کبھی کوئی تو کہتا ہے تو وہ بیزار ہو جاتی ہے اور وہ اپنے منہ سے صرف یہ لفظ نکال سکی ''تم واحد لڑکی ہو جسے کچھ یاد نہیں رہتا۔'' لیلئین کو اب احساس نہیں ہوا کہ بات تو ختم ہو چکی ہے بولتی رہی ''مجھے یقین ہے یہاں لونگن تھا وائلو تمہارا کیا خیال ہے؟'' لونگن تھا نا نہیں۔

اور مسز لو کو بھی یاد نہیں تھا کہ یہاں کون سا درخت ہوا کرتا تھا لیکن صرف تکرار ختم کرنے کے لئے اس نے تحکمانہ انداز میں کہا: ''آم کا درخت تھا۔'' اور یہ سنتے ہی وائلو نے بتیس کی طرف منہ کر کے جواب دیا ''آم کا درخت۔''

مسز لو کی ہدائت کے مطابق ٹیکسی والا باؤ کے گھر کے سامنے رک گیا۔ گذشتہ دو سالوں میں باؤ خاندان نے گھر کو بالکل نیا بنا لیا تھا پیسہ ''ایمی'' کے مسز کی طرف آ رہا تھا چونکہ ایمی اور اس شخص کے درمیان کوئی رسمی رشتہ نہیں ہے اس لئے لوگ اسے ایمی مسز کہتے ہیں۔ گھر میں باغ کی دو دو میٹر اونچی دیوار کھڑی کر لی گئی ہے اور دودھیا رنگ کے لوہے والے گیٹوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے ستون گھر کی شان بڑھا رہے ہیں۔ باہر والے دروازے پورے کھلے ہیں اندر میزوں پر سرخ کپڑے لگے اور شادی کے مہماں وں کی گفتگو اور حکایت باہر گلی سب سے دیکھی اور سنی جا سکتی ہیں۔ جیسے ہی مسز لو اور اس کی بیٹیاں اندر داخل ہوتی ہیں کوئی دور سے ان کو خوش آمدید کہتا ہے۔ لی آئی میئی مسز لو آواز کا تعاقب کرتی ہے، تو یہ مسز شاؤ تھی یہ عورت بھی عرصہ گذرا یہیں ان کے سامنے والی قطار کے ایک گھر میں رہا کرتی تھی اور اب اسے چھوڑ چکی تھی۔ دونوں پرانی آشنا ہیں چنانچہ شاؤ بے تکلفی سے کہتی ہے: ''بہن آؤ آؤ لاؤ بچیوں کو ادھر آ کر بیٹھ جائیں۔ مسز لو نے ایک پل میں صورت حال کا جائزہ لیا اسے یاد آیا مسز شاؤ کے دو بیٹے ہیں چنانچہ وہ بیٹیوں کی خاطر مسکرائی اور ان کو لے کر مسز شاؤ والی جگہ پر پہنچ گئی۔

''بہن تمہارے بیٹے کیسے ہیں؟''

''نہیں آئے'' مسز شاؤ نے چاروں بیٹوں پر ایک ایک نظر ایسے ڈالی جیسے کوئی بھوکی بلی چوہے کو دیکھتی ہے۔ ''یہ چاروں کی چاروں تو بڑی خوبصورت ہیں۔ کوئی دوست بنائے؟

یہ ایک خاص رویہ یا اصول تھا کہ جو لوگ سامنے والے مکانوں میں رہتے تھے۔ وہ پشت پر رہنے والوں سے تعلقات نہیں بناتے تھے۔ البتہ مسز شاؤ کا معاملہ مختلف اور منفرد تھا۔ وہ

اس آبادی میں رہنے والے ہر فرد کو جاتی ہے۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ مسز شاؤ وہ پھڑکی ہے جسے جو اس آبادی کے برتن میں افواہیں اور گپ شپ ڈال کر ہلایا جاتا ہے۔ بڑی بڑی براس کی گھنٹیوں کی طرح چمکتی آنکھیں چہرے کے درمیان شیرنی جیسی ناک اور موٹے ہونٹ جن میں سے جو لفظ نکلتا تھا معنی رکھتا تھا۔ معتبر سمجھا جاتا تھا۔ مسز شاؤ کچھ دیر مسز لو کے ساتھ ادھر اُدھر کی باتیں کرتی ہے اور پھر اچانک ایک معنی خیز اور فیصلہ کن سا رنگ اس کے چہرے پر آیا آنکھوں میں چمک اور کہنے لگی: ''میں کہوں گی'' لو اب یہ بھی آ گیا۔

''میرا خیال ہے اسے آنا چاہیے انڈریو آخر اس کا ایک طرح کا سالا ہے.....''

''کون' کس کی بات کر رہے ہو۔'' مسز شاؤ بے صبر ہو کر اپنا ہاتھ مسز لو کے ہاتھ کی پشت پر مارتی ہے اور بڑے رسان کے ساتھ بات آگے بڑھاتی ہے۔ ''ایمیہنسی..... زی اس کا..... تم جانتی ہو کوں وہ ہٹ نہیں آئیں گے ان حالات میں کوئی بھی ہوش مند شخص نہیں آئے گا۔ یہ لوگ کیا بتائیں کہ ان کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ نہیں میں تو اس کے بارے میں بات کر رہی ہوں انیڈی کی ماں کے بارے میں

''مسز پاؤ؟''

کون مسز پاؤ۔ وہ تو یوہوچن کے ساتھ چلی گئی تھی۔ یاد ہے ناں! نہیں یاد' یقین کرو یا نہ کرو وہ تو اس کے ساتھ چپک گئی ہے؟

''یوہوچن اسے لے کر آیا ہے؟''

''بے وقوف مت ہو۔'' مسز شاؤ نے ایک بار خوش مزاجی سے مگر' سرزنش کرنے کے انداز اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ''یہاں دونوں اکٹھے آئیں'' خود ان کے لئے کیسی شرم کی بات ہے۔

''اتنے سال گذر گئے ہیں اور پھر وہ اتنا عرصہ یوہوچن ہی کے ساتھ تو رہی ہے۔''

''ان دنوں وہ ویسی ہی خوش و خرم نظر نہیں آتی۔'' مسز شاؤ نے رسان سے کہا پھر چاروں لڑکیوں کو آنکھ کے کونے میں تولتے ہوئے حق و انصاف کی مشعل اٹھانے پر تل گئی اور کسی بڑے جج کی بڑی پاکیزہ سی آواز میں کہنے لگی: ''کرم (عمل) اصل بات یہ ہے جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے برابرے کے ساتھ اچھا اچھے کے ساتھ اور بے شرمی بے شرمی کے ساتھ۔''

''کبھی ان سے سلام و کلام ہوا؟''

''ہاں بے حد قابل رحم نظر نظر آ رہی تھی۔ میں ضبط نہ کر سکی مسز شاؤ نے آہ بھری اور پھر اچانک بولی: ''سنا ہے یوہوچن کو کینسر ہو گیا ہے۔''

نہیں نہیں مسز لو کا دل کانپ گیا ''کینسر تو موت ہے''

''ہوں ہوں جو میں نے سنا ہے یہ مرض خاصی دیر سے اسے لگا ہے۔''

ابھی دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ ایک شخص مغربی طرز کے بوٹ میں ملبوس میں ان کی میز کی طرف آیا جھکا ''آنٹی لو۔''

مسز لو اپنا سر اوپر اٹھاتی ہے اور جوش میں کہتی ہے: ''اوہ'' میرا دولھا بیٹا تو آ گیا۔

MashalBooks.org

مسز لو کھڑی ہو جاتی ہے اسے مبارک باد دیتی ہے۔

اینڈریو نے کھسیائی سی ہنسی لئے کھڑا رہا پھر آنٹی کو مخاطب کیا ''آنٹ لو۔''

چونکہ لو خاندان کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے انہوں نے پیدا ہوتے ہی اینڈریو کو لے پالک بیٹا بنا لیا تھا۔ اس کے بچپن کی بہت سی سالگرہیں تو خاندان میں ہی منائی گئی تھیں۔ ہر قمری سال کے نئے دن پر وہ کوٹو و میں مسز او کے پاس جایا کرتا پھر لو خاندان وہاں سے دور چلا گیا اور دونوں خاندانوں کے درمیان آہستہ آہستہ رابطہ ہی ختم ہو گیا۔ خود اینڈریو کو بھی بھول گیا کہ وہ لو کا لے پالک بیٹا تھا۔ مسز لو اپنی اندر کی بات کو چھپا لیتی ہے اور مسکرا کر اس سے پوچھتی ہے: ''دلہن کہاں ہے؟''

''وہ اندر ہے'' اینڈریو اپنے ہم عمر لڑکوں کے مقابلے میں تنومند اور اونچا لمبا تھا سبھی تھا اسے شانٹنگ روٹی کہا کرتے تھے۔ (صوبہ ٹنگ کے لوگ بڑے اونچے لمبے اور مضبوط ہوتے ہیں اور ان کی روٹی بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔) مسز پاؤ خود بھی لمبا اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ چنانچہ سب کو امید تھی کہ اینڈریو قد و قامت میں باقی سب سے آگے نکل جائے گا لیکن جب لمبا ہونے کی بجائے وہ چوڑا ہونا شروع ہوا، ہڈیوں کا گٹھا، تو سب کو تعجب ہوا۔ اب والد کی طرح اس کا منہ بڑا، چوڑی پیشانی، نوکدار ٹھوڑی، جب وہ مسکراتا ہے اور اس کا جبڑا پھیلتا تو سارا چہرہ مربع نما بن جاتا ہے۔ آنٹی لو سس (سیلا) اور دوسری بھی آپ کے ساتھ آئی ہیں؟

''ہاں ہاں آئی ہیں..... چاروں کی چاروں۔'' مسز لو کمرے میں نظر دوڑاتی ہے۔ بیٹیوں کو دیکھ کر انڈریو کو اشارے سے بتاتی ہے کہ وہ ہیں، اس کی بیٹیاں۔ ''آپ کے باپ نے جیسے کہا، میں نے ویسے ہی کیا۔ سبھی کو لے کر شادی پر آ گئی۔''

انڈریو ادھر دیکھتا ہے، اس کے جسم پر سوٹ اس طرح لگتا ہے جیسے ابھی تک ہیں گر پر لٹک رہا ہو۔ آستین سے نکلا ہاتھ میز پر رکھتا ہے۔ پتلا اور پیلا، پشت پر نیلی رگوں کا جال، جس سے ملائمت اور رحم کا تاثر ملتا ہے۔

مسز لو اس سے ایمی کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہے لیکن پھر کوئی خیال آتا ہے اور اس کی جگہ وہ ایلس کا پوچھ لیتی ہے: ''تمہاری چھوٹی بہن کہاں ہے؟''

ایمس بڑی بہن ایمی کو لینے گئی تھی، وہ نہیں آ رہی تھی۔ انڈریو نے بغیر کسی خفت کے سیدھے سے انداز میں جواب دیا، چونکہ میری ماں آ گئی ہے، اس لئے میری بہن نہیں آئے گی۔ ایمس گئی تھی بہن کے پاس کہ شائد وہ ماں جائے۔ میری ماں اور میری بہن وہ ایک دوسرے کو دیکھنے کی روادار ہی نہیں۔''

مسز لو کو صورت حال کا پہلے ہی علم تھا مگر دوسروں کا خاندانی امور کے بارے میں تبصرہ سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا: ''بری بات ہے۔'' پھر وفقہ آ گیا۔ مزید کچھ کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا تو اس نے پھر ایسے ہی کہہ دیا: ''یہ تو بہت ہی برا ہوا۔''

دوسری طرف لگتا تھا کہ انڈریو باتوں کا برا نہیں منا رہا۔ اس نے اسی خوشگوار موڈ میں معاملات کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ''میری بہن بڑی ضدی ہے۔''

MashalBooks.org

''تمہاری ماں کہاں ہے؟''

''اندر گھر میں۔'' انڈریو نے جواب دیا اور کہنے لگا: ''وہاں ابا بھی ہیں۔''

ان دونوں کی علیحدگی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ یہ جوڑا سرعام ملاقات کر رہا تھا۔ مسٹر لو کو حقیقتاً مزید کرید رکھنی تھی، لیکن ان کے بیٹے کو مزید باتوں میں لگا کر اور خبریں لینے کے لیے اس نے مسکرا دیا دو چار لمحے گزر گئے، اسی اثناء میں اسے سرخ پیکٹ یاد آیا، اس نے بیگ میں سے پیکٹ نکالا اور انڈریو کو دے دیا۔ انڈریو نے اسے واپس کرتے ہوئے کہا:

''آنٹی اس کی کیا ضرورت، آپ تو ہمارے ہی خاندان کی ہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر یہ بڑی ہی اہم گھڑی ہے' تم نے شادی کی ہے اور شادی تو بندہ زندگی میں ایک بار ہی کرتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پیکٹ اس کی طرف کر دیا۔ سرخ لفافے میں ایک ہزار ڈالر کی تھیلی خاصی معقول نظر آتی تھی اور مسز لو کو یہ تحفہ دینے پر بڑا فخر بھی تھا۔

آخر کار اینڈریو نے تحفہ قبول کر لیا' اس نے گھٹی کو دوہرا کر کے پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ اس پر مسز لو کچھ پریشان ہوئیں' اگر وہ رقم اپنے پاس ہی رکھ لے اور شادی والے رجسٹر پر نہ چڑھائے تو کیا ہوگا؟ وجہ خواہ کچھ ہی تھی' مگر اس کی شکل وصورت سے لگتا تھا کہ وہ کوئی شئے چھپا رہا ہے۔ مسز لو یہی کھوج رہی تھی کہ کہ اینڈریو نے اپنی پھولی ہوئی جیب پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا اور پھر بے تعلقی سے کہنے لگا: ''آنٹی میں ادھر کسی کام سے جا رہا ہوں۔''

اس نے مڑ کر دیکھا تو دعوت کے لئے چھ میزیں لگیں تھیں۔ آدھوں پر نوجوانوں کا قبضہ تھا جو دولھا اور دلھن کی دوست تھین باقی کے مہماں وں میں سے وہ بہت ہی کم کو جانتی تھی۔ اس لمحے مسز شاؤ ایک اور میز پر بہت سے اجنبیوں سے زور شور سے باتیں کر رہی تھی۔ مسز لو اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے ایک معزز بوڑھا بیٹھا تھا۔ سارے بال سفید ہو چکے تھے' چہرے پر گزری عمر سے بھی زیادہ بڑھاپے کے آثار اپنی ذات میں گم اور اور کرسی میں اس طرح لوٹ پوٹ ہو کر بیٹھا تھا جیسے اس کے جسم میں ہڈی نام کی کوئی شئے نہ ہو۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور رخصت محسوس کرتے ہوئے بھی مسکراہٹ کا تبادلہ کیا۔ شائد وہ لڑکی والوں کی طرف سے تھا' مگر مسز لو کو کچھ واضح نہیں ہوا۔

کچھ دیر بیٹھ کر وہ اپنے انگوٹھے گھماتی رہی اور پھر گھر کے اندر جا کر ملنے دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ پاؤ کے گھر کا اندر کا بھی نقشہ بدل گیا تھا ڈرائنگ روم بھی بہت بڑا بن گیا تھا..... سارے گھر میں دیوار سے دیوار تک قالین بچھے تھے۔ ڈرائنگ روم اور باقی گھر کے بیچ بھی ایک آدھے چاند کی طرح کا دروازہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ پاؤ شوئی ہسنگ کے ذوق آرائش کا ایک نظیر تھا۔ اوپر کی ایک سنجیدہ سی تہہ کے نیچے وہی عامیانہ شوق ایک دیوار پر چینی مہیں وں کے کچھ سجاوٹی شیلیف ہیں اور ان کے اوپر مصنوعی امپیریل پیلس کے چینی کے برتن رکھے ہیں دائیں دیوار پر ایک پیوں ی پھولوں کی ایک بہت بڑی پینگ ہے' مگر پتہ نہیں کس کی بنائی ہوئی ہے چمک والے قرمزی اور گلابی رنگوں کی بھرمار کر رکھی ہے اور ان چیزوں سے تاثر یہی تھا کہ گھر والے خوشحال ہیں۔

اس وقت سونے والے کمروں میں بھی لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ مسز لو کو دیکھ کر کئی ایک

نے ہاتھ ہلا کر ہلا کر سلام کیا' کوپا پرانے جاننے والے تو یہیں بیٹھے ہیں۔ سارے ہمسائے بھی یہاں ہیں۔ گذشتہ سالوں باؤ شوئی ہنگ کا وزن کچھ اور بڑھ گیا' چوڑا چکلا جسم اور بھی چوڑا ہو گیا ہے۔ وہ ہجوم میں گھرا ہوا ہے' یوں لگتا ہے کہ درمیان میں ایک موٹا سفید کھمبا گڑھا ہے' اسے دیکھ کر وہ ہجوم کو چیرتا ہوا مسز لو کی طرف بڑھتا ہے۔ ''یار راستہ دینا۔'' میری کھوئی ہوئی آخری محبت تو اب آئی ہے۔ وہ اپنے بڑے بڑے بازو وا کر کے اسے یوں اٹھا لیتا ہے' جیسے عقاب بھیڑ کے بچے کو لے اڑے۔ کہتا ہے: ''میری جان مجھے آپ کا بہت انتظار کرنا پڑا' بہت ہی دیر۔''

''اب تو بہت دیر ہو گئی' اگنم میں پھر کوشش کرنا۔'' مسز لو نے ترکی یہ ترکی جواب دیا اور بھی لوگوں نے مزا لیا۔ اب لوگوں میں وہ پرانی شک وشبہ والی بات نہیں رہی تھی اور سبھی نے اسے مذاق ہی سمجھا۔ گزرے دنوں میں باؤ شوئی ہنگ کی فلرٹ کرنے کی عادت پر لوگ ہنستے نہیں تھے' باتیں بناتے تھے اور اسی باعث مسز لو کی زندگی عذاب بن گئی تھی۔

باؤ شوئی ہنگ نے اسے پکڑے رکھا اور راضی بڑی سی ہتھیلی سے اس کی پیٹھ بھی تھپتھپاتا رہا۔ ''انڈریو سے ملی ہو؟ ہاں ہاں ملی ہوں۔''

''بنیا تو خیر بہت ٹھیک نکلا ہے' مگر دلہن میں کسر ہے۔'' باؤ نے پوری آواز سے یہ کہا' جیسے بے شک جو چاہے سن لے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ''وہ بدصورتی کی آخری حد پر ہے۔'' بھوکی بلی جیسا اس کا قد وقامت ہے۔ وہ اجڈ لوگوں کی طرح اس کی بدصورتی کو بیان کرتا ہے۔ ناک چڑھاتا ہے اور پھر منہ پر ایسے ہاتھ پھیرتا ہے' جیسے تھوہ کر رہا ہو اور کہتا ہے: ''وہ دکھانے کے قابل نہیں۔''

مسز لو جس نے ان معاملوں کی کبھی زیادہ پرواہ نہیں کی' فوری طور پر دلہن کے دفاع پر اتر آئی۔ دکھانے کے قابل تو اس وقت تک ہے جب تک یا وہ گو اور گھمنڈی نہ ہو جائے۔

''اس ایک بات میں وہ مجھ سے مختلف ہے۔'' جیسے وہ اپنے پرانے رومانوی انداز کا حوالہ دیتا ہے اور اس کی اپنی بیوی کے حسن کا معاملہ ہے' جس کا چرچا پوری آبادی میں تھا تو لفی میں سر بھی ہلاتا جاتا ہے۔ ''لی آئی می آؤ میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں' جب سے اسے دوبارہ آراستہ کیا ہے' تم یہاں آئیں ہی نہیں۔'' وہ اسے کمرے سے باہر لئے جاتا ہے۔

باؤ شوئی ہنگ اس وقت تھوڑا سا پٹڑی سے اترا ہوا بھی نظر آتا ہے' مگر اصلاً وہ اپنی بات کا بڑا پکا ہے۔ مسز لو اس زمانے میں تھوڑی سی خفیف ہی ہوتی تھی' مگر مسز لو ان دنوں بھی یہ بات جانتی تھی کہ باؤ کو اس کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' کیوں کہ اس کی شخصیت میں ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔

مسز لو کی زندگی میں اہم بات یہ تھی کہ دونوں خاندانوں میں صحن مشترک تھا۔ باؤ کے بچوں کی ماں نہیں تھی' اس لئے مسز لو نے ان کی دیکھ بھال ایک ماں کی طرح کی۔ باؤ جس قسم کا آدمی تھا' نہ ان کا دھیان رکھ سکتا تھا' نہ ان پر توجہ دے سکتا تھا' اسے یہ کام آتا ہی نہیں تھا۔ یہ مسز لو ہی تھی' جو دونوں گھروں کی دیکھ بھال کرتی۔ جب مسز لو کو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا تو مسز لو کو گاہے بگاہے پیغام پہنچانے کے لئے باؤ شوئی ہنگ پر انحصار کرنا پڑا تھا۔ جب لو چن چٹن کا انتقال

ہو گیا تو پھر اسے غسل بھی باؤ ہی کو دینا پڑا۔ کفن دفن کے انتظامات کے لئے اسے محلے کی ایک کمیٹی بھی بنانی پڑی۔ مسز لو کو مرے ایک مہینہ ہو گیا تھا' مگر مسز لو یہ طے نہیں کر رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے اس کا مستقبل کیا ہے۔ چنانچہ زیادہ تر وقت رونے دھونے اور سونے میں گزر جاتا۔ اس زمانے میں دونوں خاندانوں کا انحصار باؤ شوئی ہنگ پر تھا۔ مسز لو کو صرف اتنا پتہ تھا کہ جب اسے بھوک لگتی ہے تو کوئی اسے کھانا دے جاتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ جا کر سو جاتی اور دن سو کر گزار دیتی۔ ہر دن ایک جیسا غنودگی کے عالم میں گزرتا تھا۔ باؤ شوئی ہنگ زیادہ تر ان دو گھروں میں آنا جانا دیکھا جاتا۔ بعض دفعہ آدھی رات کے وقت بھی وہ مسز لو کے گھر میں ہوتا اور باؤ ہی تین وقت کے کھانے کا بھی انتظام باقاعدگی سے کرتا اس کی مسز لو کو اب بھی خبر نہ تھی' کہ وہ سارا انتظام کیسے کر لیتا ہے۔

اس وقت تک ان دونوں گھروں کے درمیان دیوار نہیں تھی' مگر چہمیگوئیوں اور افواہوں کے میزائل باؤ شوئی ہنگ پر چلنے لگے۔ بات کوئی ایسے تعجب کی بھی نہیں تھی' کیوں کہ وہ تو ماضی میں بدنام ہی رہا تھا۔ وہ ان باتوں کا کوئی برا ہی نہیں مناتا تھا' مگر مسز لو ان باتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ ایک دن اس نے مستری کو بلایا اور دیوار کھڑی کر دی۔ جب باؤ کام سے واپس آیا تو مزدوروں نے آدھی دیوار کھڑی کر لی تھی۔ وہ دیوار کے ایک طرف کھڑا ہوا اور مسز لو کو دیکھا۔ دونوں نے کچھ نہیں کیا اور پھر باؤ نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ مسز لو کو دیا اور کہا: ''آتے ہوئے میں نے گرم گرم بند خریدے ہیں' آج ہم اکٹھے ڈنر کریں گے یا الگ الگ۔''

''اب سے الگ الگ ہی'' مسز لو نے کہا۔ اس وقت ہمسائے بھی اور دیوار بنانے والے مزدور بھی یہ توقع لگائے بیٹھے تھے' کوئی تماشہ ہوگا۔ چنانچہ ایسے موقع پر مسز لو نے اپنی آبرو بچانے کی کوشش کی۔ وہ پوری آواز سے بولی: ''تا کہ ہر کوئی سن لے۔'' بڑے بھائی باؤ.....ہم نے آپ کو بہت دیر تکلیف دی؟ باؤ شوئی ہنگ نے فاخرانہ ہنسی ہنس کر جواب دیا: ''نہیں ہرگز نہیں۔'' وہ کچھ دیر وہاں کھڑا دیوار کی اُساری کو دیکھتا رہا پھر یہ دیوار اس کی چھاتی تک بلند ہو گئی۔

مسز لو کی پوری زندگی میں یہ پہلا اور واحد واقعہ تھا' جسے بڑی مشکل سے ہی رومانس کہا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مسز لو نے اس زمانے میں کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ جب نئی نسل میں سے کوئی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا تھا اس لئے مسز لو کو ترقی پسند سمجھا جاتا تھا' لیکن گریجوایشن کے بعد مسز لو اپنے گھر واپس چلی گئی فرماں بردار بیٹی کی طرح رہی اور پھر اس کی شادی لوچن لٹن سے ہو گئی۔ اس وقت اس کی عمر ابھی چھوٹی تھی مگر دونوں گھرانوں نے باہمی رضامندی سے یہ شادی کر دی۔

دیوار کھڑی کرنے کے کچھ عرصہ بعد ہی اسے پرائمری سکول میں ملازمت مل گئی اور بچوں کو لے کر یہاں سے چلی گئی۔

باؤ شوئی ہنگ کوئی صاحب ضمیر آدمی تو نہ تھا' اس لئے باتیں کرتا رہا۔ ''اب تو معاملہ یوں ہے کہ ایمی اس وقت تک وہ چار لاکھ ڈالر خرچ کر چکی ہے' یہ باپ تو اتنی بڑی رقم اکٹھی نہیں

کر سکتا۔'' ساری زندگی اس نے لوگوں کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔'' مجھے پتہ ہے لوگ باتیں بنائیں گے' مگر کیا کریں۔ اب تو ایمی ہی ہے' جو ہر مہینے یہیں پیسے بھیجتی ہے' اگر وہ اس مرد کے ساتھ نہ رہتی تو وہ ہماری کفالت کیسے کر سکتی تھی؟ اس مرد کی بیوی بھی ہے..... یوں نہیں تھا کہ آپ کسی خاندان میں داخل ہوئے تو اس خاندان کو تتر بتر کر دیا۔''

یہ سن کر کوئی بھی صرف یہی کہے گا کہ منطقی بات تو یہی ہے۔ حتیٰ کہ مسز لو بھی فوری طور پر اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکی۔ باؤ شوئی ہسنگ مسز لو کو سارا گھر دکھاتا' پھرا اور پھر اس کمرے میں پہنچ گیا' جو آج کے جوڑے کا مجلہ عروسی تھا۔ دلہن سفید لباس میں سرخ بستر پر بیٹھی ہے' بڑا زیور پہنے اپنے بولتے ہنستے رشتہ داروں اور دوستوں میں گھری۔ باؤ شوئی ہنگ اپنی ٹوٹی پھوٹی تائیوانی زبان میں انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دلہن کی ماں بھی اتنی محظوظ ہوئی ہے کہ قہقہے لگانے لگتی ہے۔ ہر قہقہے کے ساتھ اس کا منہ موتیوں کا ہار سینے پر اوپر نیچے اچھلتا ہے۔ روشنی ان نرم و نازک موتیوں میں سے منعکس ہوتی ہے اور اس سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ موتی اصل نہیں ہو سکتے۔

ابھی مسز لو کو باؤ کی سابقہ بیوی کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ اب مسز لو بڑی احتیاط سے لفظ تولتی ہوئی کہتی ہے: ''اینڈریو نے بتایا تھا' یانگ چنگ بھی آئی ہوئی ہے۔''

''ہاں ہاں۔'' باؤ نے تمسخر میں جواب دیا۔ ''ابھی یہیں بیٹھی تھی۔'' اس نے دلہن کے کمرے میں پڑے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''صوفہ خالی ہے' نیلے ویلویٹ کی نشست پر صرف کالے رنگ کا ہینڈ بیگ پڑا ہے۔'' ''میں نے اینڈریو سے کہا تھا کہ وہ اسے یہاں نہ آنے دے' مگر اس کا اصرار تھا۔ باؤ شوئی ہنگ اسے نگاہوں سے تلاش کرتے ہوئے باتیں جاری رکھتا ہے: ''ایمی اسے دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔'' اس ناگوار موضوع کے بعد اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ''کیوں آئی ہے' گذشتہ دس سال سے تو ہم ملے ہیں۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ایک دوسرے سے ملیں گے تو کہیں گے کیا۔''

غالباً اسے پتہ نہیں کہ اینڈریو نے ان دس سالوں میں اپنی ماں کے ساتھ رابطہ قائم رکھا تھا۔ اس کی خبر مسز لو کو بھی ہے' مگر وہ اسے بتانا مناسب نہیں سمجھتی۔ باؤ شوئی ہنگ سرد مہری کا تاثر دے کر ٹھنڈے سبھاؤ میں کہتا ہے: ''ہینڈ بیگ تو اسی کا ہے' مگر تم انتظار کر سکتی ہو تو وہ یہیں آئے گی۔''

مسز لو یانگ چنگ والی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہتی ہے: ''تو میں کچھ دیر بیٹھ جاتی ہوں۔'' بغیر سوچے سمجھے وہ کالا ہینڈ بیگ اٹھا لیتی ہے۔ بیگ مصنوعی چمڑے کا بنا ہے۔ سیوں یں الگ الگ ہیں' کناروں پر سفید ہے اور اندر کی طرف مڑا ہوا۔ وہ مسکراتے ہوئے باؤ شوئی ہنگ سے کہتی ہے: ''آپ جائیں' دوسرے مہمانوں کا خیال رکھیں۔'' اور باؤ شوئی ہنگ نے کوئی احتجاج نہیں کیا اور چلا گیا۔

مسز لو یانگ چنگ سے ملنا چاہتی ہے۔ مسز شاؤ نے بھی اسے بتایا تھا اور اس کے ہینڈ بیگ سے لگتا ہے کہ اس نے مشکل دن بسر کئے ہیں' پھر بھی وہ اسے ملنا چاہتی ہے' اسے دیکھنا چاہتی

ہے کہ وہ کس حال میں ہے۔ یانگ چنگ کا اعلیٰ خاندان سے تعلق تھا اور وہ باؤ شی ہنگ کے ساتھ بھاگ آئی تھی۔ اس وقت باؤ کپتان تھا انچارج کپتان' دولت منداور بااختیار۔ دولت مندی اور اختیار دونوں کو استعمال کرنے سے ہچکچاتا بھی نہیں تھا۔ جنگ میں پسپائی کرنا پڑی تو حالات بدل گئے۔ تائیوان پہنچ کر یانگ چنگ کو ماتحت سپاہی نظر نہیں آئے' جس پر رعب جمائے اب ہر کام اسے خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ مسز لو اور وہ ایک ہی سال میں پیدا ہوئی تھیں۔ وہ مسز لو سے صرف دو ہفتے چھوٹی تھی' مگر وہ ہمیشہ اسے بڑی آپا کہہ کر مخاطب کرتی۔ دونوں کو دیکھ کر زمیں اور آسماں کا فرق کا پتہ چلتا تھا۔ یانگ چنگ کا جسم سڈول اور شاندار' رنگ جیسے برف کی طرح سفید..... ہرنی کے بچے کا' بڑی بڑی گول آنکھیں' ہنستے وقت رخساروں میں گڑھے پڑتے اور ہنستی وہ بہت تھی۔ اسے پیدائش کے روز سے ہی بگاڑا جانے لگا تھا اس لئے وہ ہمیشہ من ماں ی کرتی۔ جب وہ پہلی مرتبہ تائیوان آئی تو دونوں کا اپنے خاوندوں سے رابطہ کٹ چکا تھا۔ چنانچہ مسز لو اسے لے کر کانگ سائی میں آ گئی۔ وہ دن بھر روتی پیٹتی رہتی تھی اور اس طرح سب کو پریشان کرتی اور وہ سوچتی کہ کرے کیا' پھر اے اہم فورس کے کچھ افسر مل گئے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے روز ان کے ساتھ رقص کے لئے چلی جاتی۔ دونوں ہم عمر تھیں' مگر مسز لو جانتی تھی کہ یانگ چنگ کی جوانی اور جوش کے سامنے اس کی کیا حیثیت ہے اور جب لوچین لٹن اور دوسرے افسر واپس آ گئے تو باؤ شوئی ہنگ بھی آیا اور اپنی بیوی کو لے کر ہمسایہ گھر میں رہنے لگا۔ لوگ یہی کہتے تھے کہ یانگ چنگ نے دوبارہ گھریلو زندگی گزارنا شروع کر دی ہے' مگر اصل معاملات کیا تھے' ہر کسی کا اپنا اپنا قیاس تھا..... مسز لو ان عورتوں میں سے نہیں تھی' جو قصے کہانیاں بناتی اور سناتی رہتی ہیں اس لئے وہ اس زماں ے کے بارے میں خاموش رہی جب باؤ ابھی محاذ پر تھا اور یانگ اس کے پاس تھی' مگر طرح طرح کی باتیں تو ارد گرد ہو رہی تھیں۔ مسز لو نے ان باتوں سے ہی اندازہ لگایا کہ باؤ شوئی ہنگ کو پتہ چل گیا اور اس نے یانگ چنگ کو مارا بھی اور پھر کچھ عرصہ ہی باؤ خاندان کا نگ سن کو چھوڑ گیا۔

مگر قسمت انہیں پھر ساتھ ساتھ لے آئی جب وہ تائپی میں آئے تو ایک بار پھر ہمسائے بن گئے۔ تب تک یانگ چنگ کے تین بچے تھے اور ایلس ابھی صرف ایک سال کی بھی مشکل سے تھی' مگر کسی کو مشکل سے ہی یقین آتا تھا کہ وہ تین بچوں کی ماں ہے۔ جسم تھوڑا سا بھر گیا تھا' مگر زیادہ پرکشش ہو گئی تھی۔ ہنستی تھی تو آنکھیں بھی کھل جاتیں' یوں لگتا کہ پانی کے ذخیرے ہیں اور بس چھلکنے ہی والے ہیں۔ یہ جوڑا بظاہر بڑا خوش لگتا تھا۔ باؤ شوئی ہنگ کو شوق تھا' کہ وہ دل لگی کی بڑی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ چنانچہ کاغذ سے پتلی دیواروں کے اس طرف عاشق و معشوق کے جھگڑے اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں گھروں میں دیوار تو کیا باڑ بھی نہیں تھی' اس لئے مسز لو ان کی ایسی سامع تھی' جو جبراً سامع بنی ہوئی تھی' تاہم وہ جو عشق بازی کی باتیں پردے کے پیچھے کرتے وہی سبھی کے سامنے کرتے تھے۔

ان دنوں ہر مرد کی توجہ اس پر ہو جاتی وہ ان کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور تو اور مسٹر لوچین لٹن جیسا شریف آدمی بھی مسز باؤ کی موجودگی میں پگھل سا جاتا اور اس کے چہرے پر بھی خاص تاثرات آ جاتے۔ بستی کے جو بھی مرد کہیں مسز باؤ کو دیکھ لیتے تو ان کے چہروں

پر بھی اس قسم کے ہولناک تاثرات ہوتے۔ دوسری طرف یانگ چنگ کے سر پر بھی جنون سوار تھا۔ اپنی کاروائیوں میں انتہائی سخت گیر ہی نہیں وہ کوئی بھی الزام ماں نے کے لئے تیار نہیں تھی۔ ایک بار باؤ شوئی ہنگ نے اسے یوہوچن کے ساتھ بستر میں پکڑ لیا۔ یوہوچن سخت خوفزدہ تھا اور اب وہ باؤ سے معافی ہی ماں گ سکتا تھا۔ معافی ماں گنے لگا تو یانگ چنگ نے اس کے سر پر زور سے تھپڑ مارا اور دھاڑی: ''حرام زادے میں اس کی بیوی تو جھکنے ڈرنے کے لئے تیار نہیں، مگر تم کیوں اتنے خوفزدہ ہو۔''

پھر یانگ چنگ یوہوچن کے ساتھ چلی گئی اور تب سے مسٹر لو کی اس سے ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔ پھر آوازوں کا ایک شور اٹھا، جو مسٹر لو کو یادوں سے باہر کھینچ لایا۔ انسانی آوازوں کا ایک سیلاب اور ایک پل کے لئے ایسے احساس ہوا کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ رہے ہیں.....گھوڑے، سپاہی، گرد، خوف اور افراتفری، وہ خود کو سنبھالتی ہے اور پھر کوشش کر کے محسوس کرتی ہے کہ یہ آوازیں تو شادی کے مہماں وں کی ہیں۔ اب تو آنے والے سارے ہی لوگ آ چکے ہوں گے۔ کوئی اسے آنٹی لو کہہ کر پکارتا ہے۔

مسٹر لو آنکھیں اٹھا کر دیکھتی ہے، نوجوان عورت ہے۔ سیدھے لمبے بال، نقش و نگار نوجوان یانگ چنگ سے ملتے جلتے صرف اس کے مقابلے میں ذرا دبلی پتلی ہے۔

''آنٹی لو آپ نے میری امی کا ہیں ڈبیگ دیکھا؟'' ایلس نے پوچھا۔

''یہ پڑا ہے، مسز لو نے بیگ اسے دیتے ہوئے کہا۔'' تمہاری ماں ہے کہاں؟

ایلس اس سے بیگ لے لیتی ہے۔ پل بھر جھجک کر خفیف سی ہو کر کہتی ہے: ''امی اب جانا چاہتی ہیں۔''

''تو مجھے بھی لے چلو، سلام دعا کروں، کیوں ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں.....'' ایلس بے یقینی کے عالم میں کہتی ہے۔ ''مگر وہ تو اب جانے ہی والی ہیں۔''

بچی مسز لو کو ماں کے پاس لے جانے پر کچھ زیادہ راضی نہیں ہے۔

مسز لو اپنے ہاتھ ملتی ہے، جیسے استدعا کر رہی ہو اور کہتی ہے: ''تمہاری امی اور مجھے ملے بہت سال گزر گئے ہیں۔'' ایلس کے ساتھ ساتھ مسز لو کی آنکھیں سارے کمرے میں گھومتی ہیں تو دروازے پر اسے ایمی کھڑی نظر آتی ہے جو باپ سے باتیں کر رہی ہے۔ ہو بہو اپنی ماں کی طرح ہیرے کی طرح ترش ترشائی، بھرا بھرا جسم، مگر موٹی نہیں۔ اب دو لوگوں پر نگاہیں ڈال رہی ہے۔ ٹھوڑی اونچی کئے آنکھوں میں تکبر اسے دیکھ کر مسز لو کو وہی یانگ چنگ یاد آ گئی، جسے وہ جانتی تھی۔

ایلس مسز لو کو لے کر دروازے سے گزرتی ہے تو اس کے کان میں آواز پڑتی ہے۔ ''میری جوتی پر.....'' ایمی کے منہ سے تیزی میں یہ لفظ نکلے۔

مسز لو کو دیکھ کر وہ بات کہتے کہتے رک جاتی ہے اور مسکراتے ہوئے مسز لو کو سلام کرتی ہے۔ وہی مسکراہٹ جو اس کے پتلے ہوں ٹوں سے نکلی پھر پھیلتی گئی اور پھر دونوں رخساروں میں گڑھے پڑ گئے۔

MashalBooks.org

اب مسز لو پر باؤ خاندان کے تمام حالات آئینہ ہو گئے۔ ایسے یانگ چنگ کے بارے میں بڑا دکھ ہوا۔ جب یانگ چنگ گئی تھی تو ایمی کی عمر صرف آٹھ برس تھی۔ اس بچی نے بھی بہت مصیبتیں کاٹی ہوں گی بلکہ پورے خاندان نے مصائب کا سامنا کیا ہوگا۔ باؤ شوئی ہنگ ایسا آدمی نہیں تھا جو گھریلو معاملات میں دلچسپی رکھتا ہو اور نہ ہی وہ بچوں کو اچھا ماحول اور تحفظ فراہم کر سکتا تھا۔ ایک بار مسز لو اپنے مکان کا کرایہ وصول کرنے آئی تھی تو یاؤ کے گھر ہی تھوڑی دیر کے لئے رکی تھی۔ تینوں بچے گھر پر تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ابو کئی دن سے گھر نہیں آئے اور لگتا تھا کہ ایمی اپنے چھوٹے بھائی اور چھوٹی بہن کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ اس نے میٹھے آلو بھی بنائے تھے۔ تین پیالے نیلے کالے پانی کے مکسچر سے بھرے ہوئے تھے اور تینوں اس پر اس طرح پل پڑے تھے' جیسے انہوں نے کئی دنوں سے کھانا نہیں کھایا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ گھر میں چاول تھے ہی نہیں اور یہ آلو بھی انہوں نے کہیں سے چرائے تھے۔ مسز لو کو بہت ہی ترس آیا اور اس نے ایمی کو پچاس ڈالر دینے کی کوشش کی تھی' مگر اس نے پیسے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ شروع سے ہی ضدی اور ہٹ دھرم قسم کی بچی ہے۔ اس وقت اس کی عمر بمشکل دس سال کی ہوگی۔ اس نے مسز لو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا: ''ہمارے ابو پیسے لینے کی اجازت نہیں دیتے۔'' آخر کار مسز لو کو خود محلے میں جانا پڑا' جہاں سے اس نے چاول کے دو تھیلے بھجوائے اور بازار سے کچھ گوشت اور سبزی خرید کر لے آئی۔ جب یہ چیزیں باؤ کے گھر میں پہنچیں تو گھر کی مالکہ کی حیثیت میں ایمی خاموش رہی۔ کھڑی سب کچھ دیکھتی رہی۔ جب سب کچھ ہو چکا اس وقت اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ آخر میں اس نے زیر لب کہا: ''شکریہ۔'' اس لفظ شکریہ میں بھی ممنونیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس وقت مسز لو نے سوچا کہ یہ لڑکی انتہا درجے کی سرد مہر ہے..... ایک ٹھنڈا کردار.....

اب باغ میں روشنیاں جل گئی ہیں۔ زیادہ تر مہماں بیٹھ گئے ہیں۔' کھانا ابھی نہیں دیا گیا' ایک دوسرے سے زوروں پر گفتگو سرا سر سمع خراشی کی بات تھی۔ مسز لو اپنے آشنا چہروں کو دیکھتی اور سلام کرتی جاتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی چاروں بیٹیاں باغ کے کونے میں بیٹھی ہیں۔ چاروں ایک جیسے چہروں کو دیکھ کر اس کے اندر طمانیت کی ایک لہر اٹھی اور اس نے خود کو خوش قسمت قرار دیا۔ اگرچہ خاندان کو مشکلات پیش آئیں' مگر اس نے اور اس کی بچیوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔

یانگ چنگ گیٹ سے باہر باغ کی برف جیسی سفید دیوار پر جھکی کھڑی ہے۔ لگتا ہے کہ اس نے اس موقع کے لئے لباس کا خاص اہتمام کیا ہے۔ مغربی طرز کا سکرٹ اور پاپ پولیسٹر کا بنا ہوا' سفید زمیں پر چھوٹے چھوٹے نیلے نقش۔ ہر چند اس لباس کا فیشن کچھ کم ہو گیا ہے' تاہم اس میں ایک وقار ہے۔ فورڈ کار اس کے بالکل سامنے پارک کی گئی ہے۔ کار ایمی کی ہے۔ یانگ چنگ سست سی' دیوار کے ساتھ لگتی کار کی باڈی کو دیکھ رہی ہے۔

ایلس آ کر اسے اس کا بیگ دیتے ہوئے کہتی ہے: ''اماں.....'' مسز لو ایلس کے ساتھ ہے اور آواز دیتی ہے۔ ''یانگ چنگ۔'' جب یانگ چنگ مڑ کر دیکھتی ہے تو کچھ سہمی سہمی اسے

پہچان نہیں سکتی۔ مسز لو کہتی ہے: ''میں ہوں' لی آئی ما۔''

''پہچانتی ہوں۔'' بیٹی سے بیگ پکڑ کر اس نے چھوٹا سا گول شیشہ نکالا اور اپنے ہاتھ سے بالوں کو ٹھیک کرنا شروع کیا۔ ''میں نے آپ کی اور آپ کی چاروں بیٹیوں کو دیکھ لیا تھا۔'' شیشہ واپس بیگ میں ڈال کر بیگ بند کر دیتی ہے اور پھر دونوں ہاتھوں میں دبا لیتی ہے' پھر کہتی ہے: ''بہت وقت ہو گیا ہے۔''

یہ یانگ چنگ تو بالکل ہی بدل گئی' اگر کہیں سر راہ اس کا ٹاکرا مسز لو سے ہو جاتا تو مسز لو اسے ہرگز نہ پہچان پاتی۔ اس کا جسم سوکھ گیا تھا' رنگ کالا' اس خشک بلکہ پھٹی ہوئی جلد پر تاثر دے رہی تھی کہ اسے دھونے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ کونوں کی لکیروں کے باعث آنکھیں اندر کو دھنس رہی تھیں اور مثلثیں سی بن گئی تھیں۔ اس نے مسز لو پر ترچھی نگاہ ڈال کر چھوٹا سا مصنوعی قہقہہ لگاتے ہوئے: ''آپ کی اچھی گزر رہی ہے۔''

''نہیں' حقیقت یہ نہیں ہے۔'' لی آئی می گفتگو کو طول دینا چاہتی تھی' اس لئے سبیل نکالنے کی کوشش میں تھی۔

یانگ چنگ نے ایلس سے کہا: ''بھائی سے کہو کہ کل بہن کے ساتھ آ کر مجھے ملے۔''

ایلس سارا عرصہ ماں کو بڑے غور سے تکتی رہی اور پھر اس نے بھائی سے کہنے کا وعدہ کر لیا۔ نگاہ اس کے چہرے پر ٹھہرتی نہیں' وہ بڑا ٹھنڈا رکھا رکھا لئے' لیکن اس میں تجسس ہے۔ ''تو میں اندر جا رہی ہوں۔'' ایلس کہتی ہے۔ ''جاؤ۔'' یانگ چنگ جواب دیتی ہے اور ایلس خوشی خوشی چلی جاتی ہے۔ شائد اس کی نگاہ میں اس کی ماں غالباً ایک اور بُری عورت ہے' جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

دریں اثناء یانگ چنگ اپنے بیگ میں لرزتے ہاتھوں سے سگریٹ ڈھونڈتی رہی۔ ایک نکال لیتی ہے' سلگاتی ہے۔ دھوئیں کا گھونٹ بھرتی ہے اور پھر لی آئی می پر نگاہ جما دیتی ہے' جس میں کوئی خاص گرمی کوئی آشنائی نہیں۔

لی آئی مئی کو کچھ بھی نہیں سوجھتا کہ کیا اور کس طرح بات کرے اور پھر ایک لمبے وقفے کے بعد کہتی ہے: ''میں نے سنا ہے' مسٹر لو بیمار ہیں۔''

''ہاں وہ بیمار ہے۔'' یانگ چنگ جذبے سے عاری آواز میں جواب دیتی ہے۔ ''میرا خیال تھا کہ وہ بہار تک زندہ رہے گا' کوئی سوچ سکتا تھا کہ وہ آج بھی زندہ ہوگا۔ لگتا ہے اسی طرح خاصی دیر جیتا رہے گا۔'' نیم حقارت میں کہہ دیتی ہے۔

باتوں باتوں میں اندھیرا ہو گیا۔ رات آ گئی۔ بجلی کے بلب باغ کے اوپر اور باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ روشن ہیں' مگر اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ فضا میں یانگ چنگ کے سگریٹ کی بدبو سے دم سا گھٹنے لگا۔ لی آئی می اندھیرے میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی' مگر سگریٹ کے دھوئیں کی لہر پر اٹھتی لہر سے ہلکی ہلکی گرمی محسوس کرتی ہے۔

''می' تم واقعی خوش قسمت ہو۔'' یانگ چنگ کی آواز سپاٹ اور بے رس سی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا وہ مسز لو کی تعریف کر رہی ہے یا مذاق اڑا رہی ہے۔

MashalBooks.org

''میں ان کی کوئی پرواہ نہیں کرتی' ایمی آوارہ لڑکی ہے' میرا کوئی تعلق نہیں اس سے۔ البتہ کم از کم اینڈریو تابعدار ہے۔''

اندر شور ایک دم تھم جاتا ہے' اس خاموشی میں یانگ چنگ نرمی نرمی سے بات کرتی ہے' مگر ہر لفظ بولتا دکھائی دیتا ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی' آدمی ایک مکروہ غلطی کرتا ہے اور پھر واپسی کا معافی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

اس اندھیرے میں بولنے والا وجود ایک گم ہوتا ہیولا لگتا ہے۔ یہ جملہ سننے کے بعد لی آئی می کے ماضی کے بارے میں سبھی احساسات لوٹ آئے۔ ''یانگ چنگ..... تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ.....''

می یانگ چنگ اس کا بازو پکڑ کر کہتی ہے: می' میں تمہاری چاروں بیٹیوں کو دیکھتی ہوں اور پھر میرے دل میں ہول اٹھتا ہے۔ میرے تین بچے' ان میں کسی کی بھی مناسب اٹھان نہیں ہوئی..... جسماں ی طور پر بھی کسر رہ گئی ہے.....'' اور رونے لگتی ہے۔ ابھی مجھ سے ملنے سے انکاری ہے۔ میں اسے قصوروار نہیں سمجھتی' غلطی میری ہے..... میں اس کی مجرم ہوں۔ اب سسکیاں لینے لگتی ہے۔ میں نے انہیں کچھ نہیں سکھایا' کچھ بھی نہیں۔ سب برباد ہو گئے' حالانکہ یہ بچے یہ بچے بڑے ہی اچھے تھے اور بہت ہی اچھے نکل سکتے تھے۔ اس نے اب بھی لی آئی می کا بازو بڑے زور سے پکڑ رکھا ہے بلکہ اب بازو درد کرنے لگا تھا۔ ''می' تم نے تو انہیں بچپن میں دیکھا تھا' وہ اچھے بچے نہ تھے؟'' وہ ٹھیک طرح سے پل بڑھ نہیں رہے تھے۔

''ہاں۔'' مجھے یاد ہے' میں جانتی ہوں' تم صحیح کہہ رہی ہو۔ اب لی آئی می بھی رونے لگتی ہے۔ ماضی لوٹ آتا ہے' ایس برس پیشتر ایک سہ پہر کو پاؤ شوئی ہنگ کام سے واپس آیا' سڑک عبور کر رہا تھا کہ اس نے مسز لو کو دیکھا جو صحن میں بیٹھی بچی کو کھانا کھلا رہی تھی۔ وہ وہیں آ گیا' جھک کر لیلا سے باتیں کرنے لگا۔ اسے باؤ کو اسی وقت روک لینا چاہیے تھا' کیوں کہ اسے یانگ چنگ اور یوہوچن کے تعلقات کا ایک عرصہ سے پتہ تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اس بارے میں ایک بار یانگ چنگ سے بھی بات کرنے کی کوشش کی تھی' مگر یانگ چنگ تو اور ہی ہواؤں میں تھی۔ اس کا شدید ردعمل ہوا' وہ مسز لو پر برس پڑی۔ ''اپنے مکروہ خیالات میرے دماغ میں مت ڈالو۔'' یانگ چنگ نے تمام الزامات ایک دم جھٹلا دیئے۔ اسی روز مسز لو نے یوہوچن کو باؤ کے گھر میں جاتے دیکھا تھا۔ صحن تو مشترک تھا اور مسز لو بھلا کیا کچھ نہیں جانتی تھی۔ اسی روز پاؤ شوئی ہنگ گھر جلدی واپس آ گیا' اسے اندازہ تھا کہ بڑی گڑبڑ ہو گئی' مگر اسے لوگوں کی پیٹھ پر باتیں کرنے کی عادت نہیں تھی۔ چنانچہ وہ خاموش رہی۔ بات یہ بھی نہیں کہ اس انجام کی ساری ذمہ دار یانگ چنگ تھی' اگر اس خوفناک دن وہ باؤ شوئی ہسنگ کو روک لیتی' اسے کہتی تمہاری بیوی باہر گئی ہے' آؤ ادھر ہمارے گھر باتیں کریں.....

اب وہ بھی اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت یانگ چنگ اور اس کے تین بچوں کا مستقبل اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسی نے ان کا مستقبل تباہ کر دیا۔ یوں برائی اس نے بھی کی اور

آنسوؤں کے طوفان اس کے رخساروں پر بہہ نکلا۔

''یانگ چنگ اب بھی رو رہی تھی۔'' میں یہ بات نہیں مان سکتی کہ ایک ہی غلطی پر واپسی کا ہر راستہ بند ہو جائے۔

جب وہ دونوں باغ کی باہر والی دیوار سے لگی رو رہی تھیں' اندر سے آتشبازی پھٹنے لگی۔ ٹھاہ ٹھاہ' ٹھوہ ٹھوہ ہمسائے کے گھر بھی گونج اٹھے۔ اندھیرے میں دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ رکھے ہیں اور زندگی' پوری زندگی کا سفر تقریباً ختم ہو رہا ہے.....

☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

# دو مختصر ترین کہانیاں

(آئی یا (پ 1945)

سیٹی:

اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ سیٹی بجانا اتنا مشکل کام ہے۔ ہوں ٹ سکیٹ نے اور پھوٹی پھوٹی ہوا نکالتے ہوئے نہ جانے کیوں اسے احساس ہوا کہ اسے پیشاب کرنا تھا' مگر وہ اس کی ذمہ دار نہیں قرار دی جا سکتی تھی' کیوں کہ جب بھی وہ سیٹی بجاتی سیٹی کی بجائے صرف پھوٹی کی آواز کے ساتھ ہوا خارج ہوتی۔ اس نے سیٹی بجا کر چھوٹی ہسیوں گ ہسیوں گ کو بلانے کی کوشش تو کی تھی۔ دراصل وہ منہ سے سیٹی بجانا بالکل ہی نہیں جانتی تھی۔

لیکن اسے سیٹی بجانا تو ہر صورت سیکھنا پڑے گا۔

''مجھے ایک چھوٹا سا کتا چاہیے بالکل چھوٹا سا۔'' اس نے ٹافا سے بڑے زوردار انداز میں کہا' جس نے اس کی درخواست پر غور کئے بغیر بڑے زور سے کہا۔ ''نہیں۔''

اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ وہ گھر میں اکیلی ہوتی' خصوصاً ٹافا اور اس کی بیوی کے صبح کام پر جانے کے بعد وہ ساڑھے سات بجے سے شام چھ بجے تک بالکل اکیلی ہوتی ہے۔ اس اتنے بڑے گھر میں وہ تن تنہا ہوتی ہے۔ می فنگ اس ساری گفتگو کے دوران بالکل نہیں بولی اور اب چائے کے برتن اٹھاتے ہوئے اس نے پیالیاں بڑے زور سے ٹرے میں رکھیں۔ کلینگ کلینگ کی آواز پیدا ہوئی۔ اس نے بھی اپنا مطلب اس طرح سمجھا دیا تھا۔ تنہا؟ اگر تم اتنی ہی تنہا ہو تو پھر ہسیوں گ ہسیوں گ کو گھر پر کیوں نہیں رکھتیں' اس کی دیکھ بھال کرو۔ می فنگ نے بڑے لٹے دیئے انداز میں یہ بات اس سے کہی تھی۔ ہسیوں گ ہسیوں گ کو ہر روز بے بی سنٹر میں چھوڑنا پڑتا تھا' جس کا ماہانہ خرچہ دو سو ڈالر سے زیادہ تھا۔ سو ڈالر وہاں رکھنے کے لئے اور سو

ڈالر سے زیادہ دودھ اور کھانے پینے کے لئے مگر بڑی اماں بچے کو گھر رکھنے پر تیار نہ تھی۔ اسے احساس تھا کہ اتنی عمر میں وہ کمزور ہوگئی ہے اور اس صحت مند موٹے تازے بچے کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ اسے بچہ رکھنے کی جرات نہیں ہوئی۔

''اماں۔'' می فنگ نے دلیل دی۔ ''آپ اتنی چست تو نہیں ہیں، جیسی کبھی تھیں۔ کُتے کی دیکھ بھال، کھانا، غلاظت کی صفائی یہ سب کون کرے گا۔ ہمسائے کتے کے بھونکنے سے پریشان ہو کر شکایت بھی کریں گے۔

بات تو اس کی ٹھیک تھی، کیوں کہ فلیٹوں والی عمارت میں بھی کتا رکھنے کی اجازت نہیں۔

پھر ایک دن اس نے دیکھا کہ پرائمری سکول کا بچہ سیڑھی کے اس طرف کھڑا سیٹی بجا رہا تھا۔ ہر سیٹی کے جواب میں بھونکنے کی آواز آتی۔ عف، عف، عف، تو یہ کیا ہو رہا ہے۔ بچے نے اسے بتایا کہ اس طرح یعنی اس آواز کی رو سے چابی ڈھونڈی جا سکتی ہے۔ یہ ایجاد ان لوگوں کے لئے ہے جو ہمیشہ چابیاں رکھ کر بھول جاتے ہیں۔ بس انہیں صرف سیٹی بجانی پڑتی ہے۔ اس آواز پر چابی کے ساتھ لگے ساؤنڈ بکس میں سے ہر کتے کے بھونکنے کی آواز نکلتی ہے، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ چابی کہاں رکھی ہے۔

اس نے لڑکے سے کہا کہ وہ ایسا ہی ایک آلہ اسے بھی خرید کر لا دے۔ یہ چھوٹا سا آلہ تھا۔ سگریٹ لائٹر کے برابر کا وہ اسے ''ڈاگی'' کا نام دیتی تھی اور سمجھتی تھی کہ یہ اس کا اپنا کتا ہے۔ اسے بھی یہی کرنا تھا کہ وہ سیٹی بجائے۔ یہ اصلی کتے کی آواز کی طرح اس آلے سے بھونکنے کی آواز آئے۔

مگر اسے یہ خیال ہی نہیں آیا کہ سیٹی بجانا اتنا مشکل ہوگا۔

## ریٹائرمنٹ:

جب چانگ لیانگ فین کو تیسری بار پرسانل آفس میں بلایا گیا تو وہ ریٹائر ہوں ے پر راضی ہو گیا۔ (قدرتی بات ہے کہ ریٹائرمنٹ کے سوال پر اس نے کئی کئی بار غور کیا ہوگا۔)

پرسانل آفس کے ڈائریکٹر نے چانگ لیانگ فین کو کمپنی کی یہ پالیسی سمجھائی تھی کہ جب ملازمین ساٹھ برس کے ہو جائیں تو رضا کارانہ طور پر ریٹائر ہوں ے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ (ڈائریکٹر نے دستی کیلکولیٹر پر اس کی ریٹائرمنٹ کے بعد آمدنی کا حساب لگایا کہ یہ کوئی نو لاکھ ستر ہزار ڈالر ہوگی۔) اگر ساٹھ سال والے ملازم ریٹائرمنٹ کی اس پالیسی سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو پھر عملے میں تخفیف کے وقت انہیں مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لو اگر عملے میں تخفیف ہو تو پھر لیانگ کو صرف تین لاکھ ڈالر اور اگر سارا سٹاف نکالا جائے تو اسے صرف پانچ لاکھ ڈالر ملیں گے..... یہ رقمیں بھی ڈائریکٹر نے اسے کیلکولیٹر پر نکال کر دی تھیں۔) اس کا مطلب یہ کہ اگر ایک ملازم نے دس پندرہ برس یا بیس برس اس کے دفتر میں کام کیا ہے تو انتظامیہ کی نظر میں ان کی ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے (دنیا بھر میں یہ کساد بازاری چل رہی تھی) اور اس وقت افواہ چل رہی تھی کہ عملے میں تخصیف ہوں ے والی ہے۔ اس صورت میں وہ باعزت طریقے سے ریٹائر ہو کر نو لاکھ ستر ہزار ڈالر وصول کر سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر صرف تین لاکھ ڈالر پر

ہی اسے باہر نکال دیا جائے گا' اس صورت میں اسے چھ لاکھ ستر ہزار روپے سے بھی محروم ہوں ا پڑے گا۔ اور اگر سارا ہی عملہ ختم کر دیا جائے' تو نقصان چار لاکھ ستر ہزار ڈالر کا ہے۔)

چیانگ لیانگ فین نے کئی کئی بار سوچا' ہر شرط پر غور کیا اور آخر ریٹائر ہوں ے کا فیصلا کر لیا۔ (اگر وہ ریٹائر نہ ہو تو پھر؟ ڈائریکٹر نے اسے بتایا کہ فیکٹری کا نوجوان منیجر' چیانگ لیانگ فین کی عمر کے باعث پریشان ہے۔

چیانگ لیانگ فین نے نو لاکھ ستر ہزار ڈالر لئے' بنک میں جمع کرائے اور پتہ چلا کہ اس رقم پر ملنے والے سود سے ہی وہ آسودہ زندگی گزار سکتا ے۔ وہ ڈائریکٹر پرسانل کا حقیقی معنوں میں شکر گزار تھا۔ (اسے احساس تھا کہ ڈائریکٹر پرسانل نے اس کے معاملے میں خاص طور پر ذاتی دلچسپی اس بناء پر لی تھی کہ اس کا بڑا کزن ووو ئی منگ کالج میں اس کا کلاس فیلو تھا۔) اظہار تشکر کے لئے وہ ولائتی وسکی کی دو بوتلیں خود ڈائریکٹر کی سرکاری رہائش گاہ پر لے کر گیا تھا۔

مسئلہ صرف یہ تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد اسے بیزاری اور تنہائی نے آ لیا تھا۔ (وہ ساٹھ برس کی عمر میں اتنا بوڑھا تو نہیں تھا کہ کچھ بھی نہ کرے اور گھر کے اندر ہی اِدھر اُدھر ڈولتا پھرے۔) اس کے پاس بڑا وقت تھا اور وقت گزارنے کیلئے کبھی ادھر اور کبھی ادھر نکل جاتا' یعنی خود کو حتیالامکان مصروف رکھتا۔ ایک روز گھومتے پھرتے وہ اسی کارخانے کے قریب جا نکلا' جہاں وہ کام کرتا رہا تھا' اس نے فیصلہ کر لیا کہ اندر جا کر اپنے پرانے ساتھیوں سے سلام دعا لے۔ (اوہ' اس نے ان ساتھیوں کی اور اس پرانے ڈیسک کی کتنی کمی محسوس کی تھی' جس پر بیٹھ کر وہ کام کیا کرتا تھا۔)

چیانگ لیانگ فین اپنے پرانے دفتر میں کھڑا تھا۔ وہ اپنے پرانے ساتھیوں کے درمیان اور اس ڈیسک کے پاس کھڑا تھا۔ (اس ڈیسک پر بیٹھا آدمی' وہ اسے دیکھنے کے لئے بڑا بے قرار تھا۔) چیانگ لیانگ فین کے ڈیسک پر کام کرنے والا شخص بڑی مروت کے ساتھ اٹھا اور مصافحہ کیا۔ (پرجوش مصافحہ سے لگتا تھا کہ یہ شخص مخلص ہے۔) چیانگ لیانگ فین کی آواز میں گلے میں پھنس گئی اور پھر بڑی مشکل سے آواز نکالتے ہوئے کہنے لگا: ''وی۔ منگ.....'' (وہ کہیں بھی ملتا وہ اسے فوراً پہچان لیتا۔ یہ تو ڈائریکٹر پرسانل کا بڑا کزن تھا۔ اس کا کالج کا ہم جماعت وی فنگ (وہی ووو ئی فنگ جو سکول اور کالج میں اس کا ساتھی تھا اور عمر میں اس سے دو برس بڑا تھا۔)

چیانگ لیانگ فین کس سے شکایت کرتا' وہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

# طالبہ ڈوب گئی

ہسیاؤسا، پ1953)

دسمبر کی آٹھویں تھی، دن منگل کا، یہ واردات سہ پہر پانچ بج کر چالیس منٹ پر ہوئی۔ ٹنک ہُوا ایسٹ سٹریٹ کے قریب والے پیلنگ پل کے قریب دریائے تمول میں مخلوط تعلیم والے ہائی سکول کی ایک جونیئر طالبہ ڈوب گئی تھی۔

سردیوں کی ایسی سرد رات میں دریائے تمول کے کنارے کبھی کوئی ذی حیات نظر نہیں آتا، لیکن اس وقت کوئی ساٹھ ستر افراد کا ہجوم تھا، ان میں جرائم ڈویژن کی پولیس، مقامی پولیس کانسٹیبل، بلدیاتی ملازمین، چشم دید گواہ اور دوسرے طرح طرح کے لوگ شامل تھے۔ دو دو تین تین کی ٹولیوں میں، بعض آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اس ٹھہری ہوئی سردی میں چادر میں لاش لپٹی ٹھکانے لگائے جانے کے انتظار میں ایک طرف پڑی تھی۔

میں نے اپنا کپ رپورٹر والا پاس لہرایا اور ایک چشم دید گواہ سے سوال کیا:

''جناب، آپ کا نام؟''

''چین ہوشینگ۔'' اس شخص کی عمر پچاس برس، قد چھوٹا، سر پر بنا ہوا ہیٹ جیسے بہت مصروف لوگ ہوتے ہیں۔

''سب سے پہلے آپ نے دیکھا؟''

''ٹھیک۔ میں واحد گواہ تھا۔ خاصا اندھیرا تھا اور آس پاس میں کوئی شخص نہیں تھا۔''

MashalBooks.org

''مجھے ذرا صورت حال سمجھائیں۔ یہ اتفاقی حادثہ ہے یا خودکشی؟''

''میں جان سکتا ہوں، تمہیں تو اس سے پوچھنا چاہئے جو بھاگ گیا۔''

''کون؟ آپ نے تو کہا تھا کہ اس وقت صرف آپ ہی چشم دید گواہ تھے؟''

''ہاں میں واحد گواہ ہوں، جس نے سب کچھ دیکھا ہے۔'' وہ میری گستاخی پر کچھ ناراض تھا۔

''ٹھیک، میں تمہارے لیئے قصہ دہراتا ہوں، میں انہیں یہ قصہ کئی بار سنا چکا ہوں۔ ہمیں یہاں جلدی آجانا چاہیئے تھا۔''

''میں معذرت چاہتا ہوں۔''

''مجھے پیشاب یا پاخانہ کرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے، زمین پر بیٹھ کر فارغ ہوتا ہوں، گھر والا ٹائلٹ استعمال نہیں کرسکتا۔ چنانچہ میں یہاں اندھیرا پڑنے پر اس وقت آتا ہوں جب کوئی نہیں ہوتا۔ وہ دیکھیں جو جھاڑیاں ہیں۔'' اس نے اشارہ کیا۔ یہ جھاڑیاں قد آدم سے بھی زیادہ اونچی تھیں مگر اندھیرے میں، میں صرف چند سفید پتے ہوا میں جھولتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ ''میں وہاں پر تھا۔ پہلے میں نے شور سنا۔ خیال آیا ہوا چیخ رہی ہے، پھر لگا جیسے کوئی مدد کے لئے پکار رہا ہے، میں نے پاجامہ اونچا کیا اور کھڑا ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا کہ کوئی دریا میں گر پڑا ہے، دریا کے کنارے پر ایک شخص کھڑا تھا مگر اس نے گرنے والے کو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے وہ دیکھتا رہا پھر سرپٹ بھاگ نکلا۔ اگر تم یہ جتانا چاہتے ہو کہ یہ ڈوبنے کا معاملہ ہے یا خودکشی تو پھر اس شخص سے پوچھو جو بھاگ گیا۔''

''کس شکل وشباہت کا تھا؟''

''سولہ سترہ سال کی عمر، کالے رنگ کی جیکٹ، خاکی پتلون۔۔۔۔۔۔۔ خاص گنوار قسم کا، آج کل کے لڑکے لڑکیاں کوئی اور ہی چیز ہیں، ہر قسم کا جرم کرتے ہیں۔ قتل، آتش زنی، ڈاکہ، بس جرائم کا نام لیتے جائیں، ان کے کارناموں پر آدمی دانت پیستا رہ جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ ان کی سخت مرمت کرے۔ ہوسکتا ہے انہیں عقل آجائے۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر کیا؟ پھر پہلی چیز تھی کہ اسے بچایا جائے مگر میں تیرنا نہیں جانتا، میں تو مدد کے لئے ادھر ادھر دوڑتا رہا، سخت اندھیرا تھا، کچھ نظر نہیں آتا تھا اور دیر بھی ہوگئی تھی، اس لئے جو لوگ آئے بھی وہ بھی اسے بچا نہ سکے۔''

''کیسی لڑکی تھی وہ؟'' مجھے ہمت نہیں پڑی کہ چادر اٹھا کر میں اسے دیکھ لیتا۔ ایسا سوچتا ہوئے بھی مجھے جھرجھری آجاتی ہے۔

بہرطور وہ مخلوط ہائی سکول کی جونیئر تھی۔ کتنا نقصان ہوا، اتنی جوان، مگر اس گنوار کے ساتھ

ملوث کیسے ہوگئی اسکے استاد اسے کیوں نہیں بچا سکے؟ یہ استاد کس کام آتے ہیں؟''

معاملہ صرف ڈوبنے کا نہ تھا، اس لئے میں نے اے وانگ کو ٹیلی فون کیا کہ وہ خود اس واقعہ کے بارے میں کچھ کرے۔ اے وانگ میرا ہونے والا بہنوئی تھا اور اسی وسیلے سے میں کپ رپورٹر بنا تھا۔ اور اصل بات تو یہ کہ میں تو صرف اسٹنٹ ہوں۔''

''لڑکے نے اسے دریا میں دھکا کیوں دیا؟'' اے وانگ کا پہلا ردعمل تھا۔

''یہ تو میں نے نہیں کہا۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، تو پھر وہ دریا میں گری کیسے اور مری کیسے؟ مرنے والی اور لڑکے میں کیا تعلق ہے؟ یہ تفصیل معلوم کرو۔ میں بھی پہنچتا ہوں، میرے پہنچنے سے پہلے پہلے جتنی زیادہ معلومات اکٹھی کر سکتے ہو، کرو، جتنی معلومات زیادہ ہوں گی، اتنا بہتر۔ جتنی زیادہ معلومات زیادہ معلومات ہوں گہ اتنی کم۔''

میں ان کے ساتھ ساتھ پولیس اسٹیشن بھی گیا۔ بلدیہ کے ملازم کی رپورٹ یہ تھی کہ مرنے والی کا نام لان ہوئی جوتھا، وہ دریا میں گری اور مرگئی۔ اس کی ہاتھ کی ہتھیلوں، رانوں اور چہرے پر خراشیں تھیں اس کے علاوہ کوئی خاص زخم نہیں تھا۔ وہ کنواری تھی، فرج میں منی نہیں تھی۔ خاکی قمیض کے اوپر والے بٹن نہیں تھے۔ یہ اس کے سکول کا یونیفارم کا حصہ ہے۔ سکول سکرٹ درست حالت میں تھا مگر اس نے انڈر پینٹ نہیں پہنا ہوا تھا۔ وہ سفید رنگ کا تھا اور کنارے پر پڑا تھا۔ اس کے ساتھ نیلے رنگ کی جیکٹ، سکول بیگ اور ایک کامک کتاب ''محبت سرائے کی لذیذ کہانیاں'' کے دو حصے میں ایک موٹے تازے پولیس والا کو دیکھا، باخبر لگتا تھا اس سے پوچھا۔

''سر معاملہ عصمت دری کی کوشش کا تھا۔''

اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا، میں کب رپورٹر تھا، متاثر نہیں ہوا۔

''تم تو ابھی طالب علم ہوگے؟''

''شعبہ صحافت، اگلے سال گریجویشن کرلوں گا۔''

''بڑی اچھی بات ہے۔'' میں یہ سمجھ نہ سکا کہ اس میں کون سی ''اچھی بات تھی۔

''قصہ افسوسناک ہے، لڑکی صرف بارہ سال کی تھی۔ جونیئر ہائی سکول کے پہلے سال کی طالبہ تائیوان میں پرائمری چھ سال اور ہائی بھی چھ سال میں۔ پہلے تین سال جونیئر ہائی اور دوسرے سینئر ہائی میں بھی تین سال)

''لڑکے کا پتہ چل گیا ہے؟ اس نے دھکا دیا تھا؟''

''کیا خبر۔'' اس نے مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور کہنے لگا: ''اسے پکڑیں گے تو تب پتہ چلے گا۔''

''آپ اسے واقعی ڈھونڈ لیں گے؟''

''ڈھونڈ رہے ہیں۔ یہ کامک اچھا ثبوت ہیں۔ لان ہوئی جو کے والدین نے بتایا ہے کہ یہ کتابیں ان کی بیٹی کی نہیں، کرائے پر لی گئی ہیں اور ان پر لائبریری کی مہر ہے، ہم بہت جلدی تہہ تک پہنچ جائیں گے۔''

''تو اس کا پیچھا کر رہے ہیں؟''

''بچے، کیا خیال ہے تمہارا، ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''تو میں بھی آس پاس ہی رہوں۔''

''جیسے تمہاری خوشی۔''

مگر میں معاملہ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے تھانے میں رکا نہیں۔ یہ منطقی طریقہ ہے۔ میں نے زیادہ مثبت راستہ نکالا، پتہ کیا کہ لڑکی کون سے جونیئر ہائی سکول میں پڑھتی تھی، وہاں کس گریڈ کے کس سیکشن میں تھی، پھر میں سکول گیا، اس کی ہوم روم ٹیچر سے نام اور پتہ معلوم کیا۔

''مس چن لی آں ہوں، جونیئر ہائی سکول میں ٹیچر ہوں، آپ کیلئے کیا کر سکتی ہوں؟''

مس چن نے میرا کارڈ لیا اور پھر ذرا شک کی نظر سے دیکھا۔ بظاہر اسے وقوعہ کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ چاروں یعنی ماں، باپ اور دو بچے ڈنر کر رہے تھے۔ میں پہلے تو کچھ پریشان ہوا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بات شروع کیسے کروں۔

ابھی مجھے اصل بات بتانا تھی اور آٹھ متجسس آنکھیں مجھ پر اٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے انتہائی دھیمی آواز میں واقعہ سنایا۔ مس چن کو سمجھانے کیلئے مجھے تین بار بات دہرانی پڑی اور اس کے بعد اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

''یہ کیسے ہو گیا۔۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہوا؟'' وہ تو آج سکول میں بھی نہیں آئی تھی۔۔۔۔ میرا خیال ہے بیمار تھی۔۔۔۔ ہیں؟''

اس کا شوہر اور اس کے بچے اس کے قریب آ گئے، اس کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

''مجھے افسوس ہے، مس چن، میں نے آپ کو پریشان کیا۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔''

میں نے معذرت کی۔

''مجھے خیال تھا کہ وہ بیمار ہے۔'' مس چن نے میری معذرت سنی ہی نہیں۔ ''اسے شدید صدمہ ہوا تھا اور وہ کہنے لگی: ''میرے خیال میں اس کے گھر والوں سے رابطہ کریں۔۔۔۔ یہ ہوا کیسے، یہ ہوا کیسے؟''

''لان ہوئی جو سکول کی بھگوڑی تھی؟۔۔۔۔ اکثر دوڑ جاتی تھی؟''

MashalBooks.org

''نہیں، بالکل نہیں۔'' اس نے رونا شروع کر دیا۔ مس چن کے شوہر کو خبر نہ تھی کہ کیا ہوا، چنانچہ اس نے اونچی اور سخت آواز میں پوچھا۔

''ہوا کیا ہے؟''

میرے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا اور میں نے بچوں کے سامنے دوبارہ قصہ پھر دہرایا۔

''میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' مس چن نے رونا بند کیا، شوہر کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا، سہارے کیلئے اور کھڑی ہوگئی۔ جب ہمارے کسی طالب علم پر ایسی واردات گزر جائے پھر استاد کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے۔''

اس کے شوہر نے اس کے فیصلہ ٹالنے کیلئے کہا۔

''نہر پر نہ جاؤ۔'' اس نے کہا۔

''میں تو جاؤں گی۔''

اور کار میں سفر کے دوران ہمیں مس چن نے بہت سی باتیں بتائیں۔

''مجھے خدشہ تھا کہ لان ہوئی جو پر کوئی نہ کوئی واردات گزرے گی۔ اس کے بارے میں پیش بینی سی تھی۔ آج وہ سکول میں نہیں آئی تھی، لیکن۔۔۔۔ لیکن کون اندازہ کر سکتا تھ کہ یہ ہو جائے گا؟''

''سکول میں داخل ہوتے ہی میں نے اسے دیکھا۔ وہ جو ہفتہ وار مضمون لکھا کرتی تھی، اس میں سے بھی اداسی جھلکتی تھی۔ وہ ہمیشہ یہ بات لکھتی کہ وہ تنگ آ گئی ہے، ہر چیز سے بیزار ہے، زندگی بے معنی ہے اور یہ کتنا اچھا ہوتا کہ اس کی ماں اس کو جنم ہی نہ دیتی۔ تب اس قسم کی پریشانی نہ ہوتی۔'' یہ تحریر بھی اس کی ہے۔

'اصل میں وہ کھاتے پیتے گھرانے سے تھی۔ باپ کی ٹریڈنگ کمپنی ہے۔ ماں بڑی خوبصورت ہے۔ ماں بیٹی دیکھنے میں پیارسی اور کمزور لگتی ہیں، مگر ایک دوسرے سے بہت ملتی ہیں۔ میرے خیال میں مسئلہ یہ تھا کہ وہ اکیلی تھی۔ قاعدہ یہی کہتا ہے کہ اکیلا بچہ گھر میں زیادہ توجہ لیتا ہے، اسے خراب کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ کسی گروپ یا اجتماع میں مشکل محسوس کرتا ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ اور دوست بنائے، میں نے اسے کہا کہ اچھے دوست ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ہوم ورک میں بھی ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اندر کی باتیں بھی بتا سکتے ہیں، اس طرح بھائی بہن کی کمی کی کچھ تلفی ہو جائیگی۔''

''آپ کو پتہ ہے اس نے کیا کہا۔ اس نے کہا۔ اگر میرا کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے تو مجھے یہ کمی محسوس نہیں ہوتی، بعض اوقات میں سوچتی ہوں کہ اگر ہمارے گھر سات آٹھ بچے ہوتے تو ان کا

MashalBooks.org

شور ہی ناقابل برداشت ہوتا۔ مجھے اپنے ہم جماعت بھی پسند نہیں۔ سارے کے سارے مڈل کلاسیئے۔۔۔۔۔۔ایک سے بڑھ کر دوسرا برا۔ بڑے ہی تنگ نظر۔ میں بیزار ہو جاتی ہوں۔''

ہمارے سکول میں لڑکیوں اور لڑکوں کو الگ الگ سیکشنوں میں بانٹ دیتے ہیں۔

میرے پاس لڑکیوں کا سیکشن تھا اور سچی بات ہے مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اسے ہم جماعت لڑکیوں سے سخت نفرت ہے۔ میں نے خاصی دیر اس پر نظر رکھی۔۔۔۔۔سارے امتحانوں میں نتیجہ اچھا تھا۔ کلاس میں غیر معمولی حد تک خاموش، ہلے گلے اور گروپوں سے دور، کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتی تھی۔ میں نے اسے اس لڑکیوں میں شامل کیا جنہیں محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابھی دو ہفتے نہیں ہوئے کہ مجھے لڑکیوں نے بتایا کہ وہ اکثر دوسری کلاس کے لڑکوں سے باتیں کرتی رہتی ہے۔ چھٹی پر فوراً ہی سکول سے گھر نہیں جاتی بلکہ ردی جلانے والے اس کھوکھے کے پیچھے چھپ کر آٹھویں گریڈ کے لڑکے سے باتیں کیا کرتی تھی۔

''میں اس بارے میں کوئی زیادہ فصیحتا نہیں ڈالتی مگر کم سنی میں لڑکیوں لڑکوں کا جذباتی طور پر ملوث ہونا پسند نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ سکول کے وقت ختم ہوں ے کے بعد میں ایسی ملاقاتوں کو تو بالکل پسند نہیں کرتی۔ اگر کچھ ہو جائے تو پھر؟ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کیا ہوگا، چنانچہ میں نے سوچا کہ موقع پر والدین کو بلا کو دکھاؤں گی۔''

میں نے مسز لان کو اشاروں اشاروں میں لان ہوئی جُو کے بارے میں بتا دیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ خاصی روشن خیالی سے بات سمجھ جائے مگر کون اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ دبلی سی عورت تو ایک دم سے بھڑک اٹھے گی اور مخاطب کی جان کو آ جائے گی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ چبھتی ہوئی آواز میں کہا:

''ناممکن، بالکل ناممکن۔'' ہماری ہیسا وَجُو تو بہت ہی اچھی لڑکی ہے، بھلا وہ لڑکوں سے کیسے باتیں کر سکتی ہے؟ وہ تو ان سے چھپتی پھرتی ہے، ان نوعمر بچوں کو تم استادوں کو ایسی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ کو ایسی الزام تراشی کو کوئی حق نہیں۔ ہیسا وَجُو میری بچی ہے، میں نے اسے جنا ہے۔ جتنا میں اسے سمجھتی ہوں کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اس نے اس قسم کی حرکت کی ہو، آپ مجھے یقین دلا سکتی ہی نہیں سکتی۔ یہ ناممکن ہے۔ ابھی وہ بہت چھوٹی ہے اور ایسی باتیں جانتی تک نہیں، وہ میری بیٹی ہے، میں اسے جانتی ہوں۔''

''والدین ہمیشہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ بچوں کو نہیں سمجھتے۔ میں نے ایسے کئی کیس دیکھے ہیں، بہر حال مجھے امید تھی کہ اس کے بعد لان ہوئی جُو پر گھر میں زیادہ توجہ دی جائے گی۔ دیکھا جائے گا کہ اس کا رویہ کیا ہے۔ میں اسے سزا نہیں دیتی تھی، یقینی بات ہے کہ اس کی ماں کے ساتھ تکرار کی مجھ سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سکول

کے دوران اس کی اصلاح کے لئے جو کچھ کرسکی کروں گی۔ اس کے قریب آؤں گی۔ دیکھوں ں گی اس کی ضرورتیں کیا ہیں پھر میں نے یہ معمول بنالیا کہ کاپی دیکھنے کے بہانے بلالیتی، سرخ پنسل مانگ لیتی اور ہر موقع پر اس سے تھوڑی بہت گفتگو کرلیتی۔ لان ہوئی جُو کا جوابی رویہ بڑا اچھا تھا، لگتا تھا بچی میرے قریب آنا چاہتی ہے۔ مجھے امید تھی کہ میں جلدی اس کا اعتماد حاصل کرلوں گی، اور وہ بھی ایک دن اپنا دل کھول کر میرے سامنے رکھ دے گی، لیکن کس کو خبر تھی کہ افسوس ناک واردات ہوجائے گی۔ میں اب یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اگر اس دن اس کی ماں نے میرے ساتھ تعاون کیا ہوتا اور اپنی بچی کی ذہنی کیفیت کو جلدی سمجھ گئی ہوتی تو آج کے حادثہ سے تو بچا جاسکتا تھا۔''

جب ہم تینوں ٹیکسی سے اترے اس وقت دیکھا کہ ایک جوڑا گرتا پڑتا تھانے سے باہر نکل رہا تھا۔ مرد لمبا اور مضبوط جسم والا، عورت چھوٹی، بہت اچھا لباس پہنے تھے مگر بری حالت میں تھے۔ چہروں پر کوئی بھی رنگ نہ تھا۔ خصوصاً عورت کے چہرے پر پھر وہ مرد کے بازوؤں میں بے ہوش ہوگئی۔ مس چن دوڑ کر گئی، اسے پکڑا اور اونچی آواز میں رونا شروع کردیا۔ آدمی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اس کے رخساروں پر بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ لان ہوئی جُو کے والدین تھے۔

میں شام تک بغیر کسی دکھ کے احساس کے اِدھر اُدھر بھاگتا رہا۔ لیکن پھر رُستان کی سرد ہوا نے مجھے ایک ناقابل تبدیل ظالمانہ حقیقت کے روبرو کردیا۔ ایک لڑکی کی موت۔۔۔۔۔ نوجوان لڑکی کی موت۔۔۔۔۔۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی، اگلی صبح اخبار کے مقامی ایڈیشن میں اے وانگ کے حکم کے مطابق میں پھر پولیس والوں کے پاس گیا کہ آیا اس لڑکے کے کچھ پتا چلا۔ پولیس میں وانگ نے اندر کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔۔۔ میں نے پوچھا ملنے کی اجازت ہے۔''

''بچے ہو؟ وہ پوچھ گچھ کررہے ہیں؟''

''اس نے اقبال جرم کرلیا۔''

''اس نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا، ہوا بھی نہیں نکلنے دی۔''

''اس کا کیا نام ہے؟ کلاس فیلو تھا؟''

''کاؤہنگ ہوئی، نہیں ہم جماعت نہیں تھا۔ سترہ برس کا ہے، بے ہودہ، تین ماہ پہلے اسے چوری کرنے پر سزا ہوئی تھی مگر بچوں کی عدالت کی طرف سے رہائی مل گئی۔

یقیناً اسے عدالت کی طرف سے ایک وکیل کی مدد دی گئی ہوگی۔'' کیوں؟''

''بے ہودہ۔'' پولیس میں وانگ بہت ناخوش ہوا اور میز پر ہاتھ مار کر کہنے لگا:

''بچے اس زمانے میں بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں۔'' دو دن پہلے سولہ سال کے دو لڑکوں

کا کیس ہمارے پاس آیا تھا، چودہ سال کی لڑکی کو طوائف بننے پر مجبور کر رہے تھے۔ دنیا کو کیا ہو گیا ہے؟''

میں اے وانگ کا انتظار کر رہا تھا۔ نو بجے کے قریب ساٹھ برس کی ایک بڑی موٹی خاتون آئی۔ جیسے ہی وہ تھانے کے اندر داخل ہوئی اس نے اپنے پوتے کا نام لے کر رونا شروع کر دیا۔ آنسو اس کی رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

''کاؤ ہنگ ہوئی کی دادی۔'' پولیس میں وانگ نے مجھے بتایا۔

میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اسے ٹشو پیپرز کا ایک پیکٹ دیا۔ اب اسے لگا کہ یہاں کوئی ہمدرد ہے تو اسے ڈھارس بندھی، اس کی چیخ پکار کچھ کم ہوئی پھر آہستہ آہستہ اس نے مجھے اپنا قصہ سنانا شروع کیا۔

''ہمارے اے ہوئی کے خلاف الزام بالکل غلط ہے، بالکل بے بنیاد۔ پولیس کو یہ حق نہیں کہ میرے گھر میں گھسے اور اسے گرفتار کر لے۔ یہ بھلا ایسے کیسے کر سکتے ہیں؟ لعنت ان پر۔ ہمارا اے ہوئی شرارتی ہے، پڑھنا اسے اچھا نہیں لگتا۔ لیکن تم مجھے یہ نہیں منوا سکتے کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ بھی دوسرے جہاں اس قسم کے الزام کو نہیں مانے گا۔ میں انہیں سینکڑے بار بتا چکی ہوں کہ اے ہوئی نے کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔ وہ گزشتہ رات میری چھالیہ کی دوکان پر معمول کے مطابق آیا تھا، کھانے کے لئے پیسے لینے۔ اس کے بعد گھر چلا گیا۔ اس نے بھلا کب کسی کو قتل کیا ہوگا؟''

''سات بجے کے بعد، میں سات بجے کا اوپیرا دیکھ رہی تھی۔ وقت میں کسی قسم کا کوئی گھپلا نہیں، یہ بچہ ہی بدقسمت ہے۔ میں نے ہی اسے پالا پوسا ہے۔ میرے علاوہ کوئی بھی اس سے محبت نہیں کرتا۔ پولیس والے ایک معصوم بچے پر ظلم کر رہے ہیں۔ لوگ تو ایک دم کے لئے راستے سے گمراہ نہیں ہوتے، دیکھو یہ سارا کچھ اس لیے ہوا کہ ایک بار وہ پہلے پکڑا گیا تھا اور اب جب اِدھر ایک موت ہوگئی تو وہ اسے پھر پکڑنے کیلیے آ گئے۔''

''آپ نے بتایا کہ آپ نے اس کی پرورش کی، اس کا باپ اور ماں کہاں ہیں؟''

''وہ کیسی ماں ہے۔۔۔۔ انتہائی لاپرواہ۔۔۔۔ بداطوار۔ اے ہوئی صرف تین برس کا تھا، جب وہ بھاگ گئی۔ اے ہوئی کا باپ بھی نکما ہے۔ وہ شراب پیتا ہے اور جوا کھیلتا ہے۔ کون سی عورت زیادہ دیر اس کے ساتھ رہ سکتی ہے؟ اے ہوئی کو میں نے پالا پوسا، میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ برا لڑکا نہیں، صرف شرارتی ہے۔ بڑا اچھا لڑکا تھا، ذہین بھی بہت، دو سال کی عمر میں بڑی باتیں کرنے لگا ہمارے ہمسائے اس کی بڑی تعریف کرتے۔ کنڈر گارٹن میں ہمیشہ کلاس میں اول آتا۔ پرائمری میں گیا تو وہ کتابوں کا زیادہ شوقین نہیں تھا۔ اس کا ذمہ دار اس کا باپ تھا۔ وہ معمولی بات پر اس کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتا۔ تو ایسا بچہ

بھلا کتابیں پڑھنے کا کہاں شوقین رہے گا۔ اس سے تو وہ کتابوں کا اور بھی دشمن ہو گیا، مگر ایسے سارے بچے برے تو نہیں ہوتے۔''

''مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے تین مہینے پہلے چوری کی تھی۔''

''غلط۔ یہ چوری نہیں تھی۔ اے ہوئی نے سمجھا کہ لاوارث بائیسکل پڑی ہے، اس نے اٹھالی۔ اس کی چوری کرنے کی نیت نہیں تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا اے ہوئی ہمیشہ سے اچھا لڑکا ہے، فرمانبردار ہے، مجھے ایسا بچہ دکھاؤ جو لڑتا نہیں، ایسا بچہ سامنے لاؤ جس کبھی کوئی شے نہ چرائی ہو؟ کون ایسی پارسائی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ آپ محض اس بات پر ہمارے اے ہوئی کو رزیل، بدمعاش کا الزام نہیں دے سکتے، جب وہ جونیئر کلاسوں میں تھا، تو اس کی صحبت کچھ برے بچوں کے ساتھ ہوگئی۔ انہوں نے اسے نشے (سنف گلو) (گونہ سنگھائی) لگا دیا۔ اگر یہ ان کے اثر میں نہ ہوتا تو ہرگز نشہ نہ کرتا۔''

''ویسے کل رات جب وہ آپ سے پیسے لینے آیا ہے تو کیا معمول سے ہٹ کر حرکتیں نہیں کر رہا تھا۔''

''ہٹ کر؟ کیا ہٹ کر، ہمیشہ کی طرح، ہر روز کی طرح، ہمارا اے ہوئی ہرگز برا لڑکا نہیں، صرف ضدی ہے۔ اسے ڈرانے دھمکانے کی کوشش نہ کرنا اس کو بڑے صبر کے ساتھ ہر چیز بیان کرنا۔ پھر وہ آپ کی بات سنے گا، وہ اب بھی ہے تو بچہ۔ صرف سترہ برس کا، سترہ برس کا بچہ کہاں تک پختہ کار ہوتا ہے۔ اگر اس نے کوئی غلطی کی ہے، برا کام کیا ہے تو اسے احساس ہی نہیں تھا کہ یہ برا کام ہے۔ ان دنوں تو وہ خاصا بہتر ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کام سیکھنے جائے گا اور میرے لیئے پیسے بھی بنائے گا؟ اور تم نے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ کیا آپ لوگوں کا کوئی ضمیر ہے؟ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مرنے والی لڑکی کے پاس سے دو کتابیں ملی ہیں جو اے ہوئی کھو چکا تھا۔ یہ انتہائی ناقابل یقین ہے، زیادتی ہے۔ اللہ آپ پر عذاب نازل کرے گا۔ ہمارے اے ہوئی نے کسی سے کوئی زیادتی نہیں کی؟''

اے وانگ آ گیا، اس نے بتایا کہ کاؤ ہنگ ہوئی کے لیے جیو فائی عدالت میں جو وکیل لیاؤ ژئی چنگ مقرر ہوا تھا وہ اسے جانتا ہے۔ ہم ضلع کچہری کی طرف بھاگے۔ یہ وکیل ابھی بہت نوعمر تھا، اس کی تقرری کو زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی، عام کالج سے گریجویشن کے بعد لاؤ نے کوالیفیکیشن کے لیے ایک اور امتحان دیا اور پھر کچھ تربیت حاصل کی۔ اس نے انٹرویو دینے سے انکار کر دیا۔ تاہم مندرجہ ذیل کوائف دے دیئے گا۔

کاؤ ہنگ ہوئی۔ مرد، پیدائش پلائی 1965، خون گروپ اے۔ لمبائی 170 سینٹی میٹر، لمبا، وزن 61 کلوگرام، گریجویٹ جونیئر ہائی۔

Mashalbooks.org

6 ستمبر 1981ء کو اس نے وانگ لی چن کی سائیکل چرائی اور تین سو ڈالر کے عوض بیچ دی۔ وانگ لی چن نے اس کے خلاف پرچہ کرایا۔ اسے قید کی سزا ہوئی مگر جوینائی عدالت میں جا کر رہا گیا۔

''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کل تھانے گئے تھے۔'' اے وانگ نے وکیل لیاؤ سے کہا۔

''لیاؤ ژی چنگ نے سر ہلایا، وہ بہت سنجیدہ طبیعت کا جوان آدمی تھا۔ اتنا نوجوان اور اس قدر سنجیدہ۔۔۔۔۔ ایسا آدمی کبھی کبھی ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔

''وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا؟''

سر کی ایک اور جنبش۔

''آپ کا کیا خیال ہے، اس کیس میں وہ ملوث ہے۔'' موقع کے ایک گواہ نے کاؤ ہنگ ہوئی کو پہلے ہی پہچان لیا ہے۔

''سوال میرے ماننے یا نہ ماننے کا نہیں ہے۔ یہ تہہ در تہہ کیس ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو اس کی جگہ رکھ کر دیکھیں تو آپ اسے بالکل مختلف انداز میں دیکھیں گے۔ سمجھیں گے۔''

''اس کی گھریلو زندگی ابنارمل سی ہے۔''

''ماں بھاگ گئی، کسی اور سے شادی کر لی۔ وہ اس کے باپ کی زیادتیاں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ باپ نشہ باز ہے، کوئی کام نہیں کرتا۔ دادی اس پر قدغن لگاتی ہے۔ بالکل ہی مسائل بھرا خاندان۔'' میں نے کہا۔

''اس کی دادی اسے کبھی ڈسپلن میں نہیں لا سکتی۔ اس کے باپ نے تو کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ باپ اور بیٹے کے درمیان تعلق بھی بہت برا ہے۔ متضاد جیسے آگ اور پانی۔ ان کے صرف دو بیڈ روم ہیں، وہ اپنے باپ والے بیڈ روم میں سونے کی بجائے اب بھی جب وہ بالغ ہو رہا ہے، اپنی دادی والے کمرے میں سوتا ہے۔ پرائمری سکول میں اس نے پیسے چوری کیے اور بچوں سے لڑا۔ جونیئر ہائی میں گیا تو اور خراب ہو گیا۔ بدمعاش لوگوں سے صحبت رکھنا شروع کر دی۔ جو گوند سونگھنے پر نشہ کرتے ہیں۔ گلیوں میں آوارہ پھرتے ہیں، سکول سے بھاگ جاتے ہیں اور گھروں سے بھی بھاگ جاتے ہیں۔ اس لڑکے کا معاملہ اتنا گیا گزرا بھی نہ تھا۔ مناسب نگرانی میں اسے سلامتی کے رستے پر ڈالا جا سکتا تھا۔ اب تو وہ خود بھی معاملات کو زیادہ بہتر طریق سے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے اسے ہدایت دی تھی کہ چونکہ اس کا رجحان پڑھائی کی طرف نہیں ہے، اس لئے وہ کوئی کام سیکھ لے۔ اس نے وعدہ تو کیا تھا کہ سوچے گا اور کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرے گا؟''

''اس کا کوئی خاص جنسی مسئلہ بھی تھا۔''

MashalBooks.org

لیاؤ ژی جنگ پل بھر کے رکا، پھر کہنے لگا: ''میرا خیال ہے ان معاملات میں مجھے خفیہ باتیں خفیہ ہی رکھنی چاہیں، یہ اصولی بات ہے۔''

''اے وانگ نے مجھے کہا کہ میں کاؤ ہنگ ہوئی کے گھر جاؤں، باقی معاملات وہ دیکھتا ہے اور میرے جانے سے پہلے ہی وہ چلا گیا۔ ظاہر ہے اے وانگ کی اس کیس میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ یہ تو بالکل معمول کا کام تھا۔ جہاں تک میرا تعلق تھا مجھے تجسس بھی تھا اور پھر میں کچھ جذباتی طور پر ملوث بھی ہو گیا تھا۔ یہ کیا ہوتا ہے کہ اسے بچے پورے شباب کی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی آخری حد تک پہنچ جاتے ہیں۔

ماؤ ہیگ ہوئی جائے وقوعہ سے کوئی ڈیڑھ کلومیٹر دور رہتا تھا۔ اس کا فلیٹ چوتھی منزل پر تھا۔ اس عمارت میں کوئی تیس چالیس گھرانے رہتے تھے اور ان کا مشترکہ ہال وے میں اس قدر اندھیرا تھا کہ شکل تک نہیں پہچانی جاتی تھی۔ بعض لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے چوپٹ کھلے رکھے تھے اور بعض پوری طرح بنگ۔ ماؤ کے فلیٹ کا دروازہ بالکل کھلا تھا۔ دروازے پر کوئی گھنٹی نہ تھی۔ میں دروازے پر دیر تک دستک دیتا رہا، آخر ایک شخص کا سایہ نظر آیا، جب اس نے بتی جلائی، تب مجھے اس گھر کا نقشہ سمجھ میں آیا۔ تھوڑے سے رقبہ پر تین کمرے تھے ایک کچن اور ایک باتھ روم۔ اندر والا کمرہ صرف اتنا چوڑا تھا کہ صرف ایک ڈائننگ ٹیبل بچھ سکے۔ اندھیرا اتنا کہ دن کو بھی یہاں بتی جلانا پڑتی۔ ہوئی ازاں بیڈروموں کا ماتھا باہر تھا، ان میں کھڑکیاں تھیں۔

گھنٹی بجانے پر جو شخص آیا تھا، وہ نشے میں تھا۔ آنکھیں آدھی باہر نکلی ہوئی۔ ناک سرخ، سانس سے شراب کی بو، جمائیاں لے رہا تھا۔

''کس کو ڈھونڈتے پھرتے ہو؟''

''میں رپورٹر ہوں۔''

''کیا رپورٹر؟'' اس نے تنک کر پوچھا۔ پھر کچن میں گیا اور اپنے پینے کے لئے پانی کا گلاس بھر لایا۔

''کاؤ ہنگ ہوئی کے بارے میں۔۔۔۔۔۔ کچھ معلومات چاہئیں۔''

''کوئی ضروری نہیں۔۔۔۔۔ نہیں ضروری۔'' اس نے اپنے ہاتھ یوں ہلائے، گویا وہ مجھے گھر سے باہر نکال کر دور تک میرا پیچھا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس اس نے ایک کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گیا:

''جائے جہنم میں، مر جائے تو اچھا ہوگا۔''

''اس کی دادی نے کہا تھا وہ معصوم ہے۔''

MashalBooks.org

''معصوم۔'' اس نے تھوک دیا۔

''اس معصوم عورت میں ڈالے بیج سے کیا اچھا پھل پیدا ہونا تھا؟ میں اسے بچپن سے جانتا ہوں کہ وہ کچھ بھی نہیں بنے گا۔ تب ہی بیکار تھا، اور اب جبکہ بڑا ہو گیا ہے، اس گھر کے لیے مصائب ہی لے کر آتا ہے۔''

''اس کی ماں؟''

''جہنم میں جائے، میرے سامنے اس کا نام نہ لو، وہ واہیات عورت۔ اسے صرف اور صرف روپیہ چاہئے۔ روپیہ، روپیہ۔ کون مرد نہیں کمانا چاہتا۔ مگر اسے تو روپیہ صرف اپنے کھانے اور صرف اپنے کپڑوں کے لئے چاہیے تھا اور خرچ کرنے کے لئے۔ جائے جہنم میں پیسہ آسماں سے نہیں برستا۔ کمایا جاتا ہے، کیا روپیہ کمانا اتنا آسان کام ہے؟ میں بھلا اتنا روپیہ کہاں سے لاتا، ڈاکہ مارتا، چوری کرتا؟''

''کاؤ ہنگ ہوئی۔۔۔۔۔۔''

''چو میں سب جانتا سمجھتا ہوں، عورتیں، بچے، وہ اصلی کے نہیں نقلی کے گاہک ہیں۔ روپیہ بھی تو اصل حقیقت نہیں ہے۔ پیسہ کس کام کا؟ موت ہم سب کے انتظار میں ہے۔ جب موت آئی تو پھر دولت کس کام کی؟ بس چاول کی ریڈ لیبل وائن ہی سب کچھ اصل ہے۔۔۔۔۔۔ باقی سب کچھ بھی نہیں۔''

''یہ بتائے کہ کاؤ ہنگ ہوئی گزشتہ رات کوئی زیادہ خاموش تھا اور چپ چپ نہیں تھا؟''

''جب پولیس آئی ہے تو میں جان گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ سنو اگر وہ لوگوں کو زخمی یا قتل کرتا ہے تو کرنے دو، لیکن میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ جائے جہنم میں! قتل، مجھے یقین ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ آتش زنی تک، وہ جنم دن سے برا ہے۔۔۔۔۔۔ جھگڑا کرنا۔۔۔۔ چوری کرنا، کسی بھی جرم کا نام لیں، کسی دوسرے کی تو بات ہی چھوڑیں وہ تو اپنے باپ کو بھی قتل کرنے سے نہیں ہچکچائے گا۔ گزشتہ سال میں نے اس کے کان مروڑنے کی کوشش کی، وہ مجھ پر ایک شیطانی دیوتا کی طرح جھپٹا اور مجھے شراب کی بوتل مارنا چاہی۔'' اس نے نفرت سے تھوک دیا۔ ''کیا میں ڈر گیا تھا؟ اگر میں ڈر جاتا تو سمجھو میں اس کا باپ ہی نہیں ہوں۔ میں کچن کی چھری لے کر اس کے پیچھے بھاگا، میں اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ باپ کون ہے اور بیٹا کون، چو وہ اب میرا بیٹا ہی نہیں، جتنی جلدی مرے اتنا اچھا ہے۔''

''کاؤ۔''

''جہنم میں جائے، پھر وہ لیاؤ آیا اس نے کہا اے میو لی کو ماں کی صحبت نہیں ملی، نہ ہی باپ کی شفقت ملی۔ یعنی غلطی اس کی نہیں ہر بار میری ہے۔ لعنت۔ اسے محبت چاہئے۔ محبت

نہیں ملی۔ اگلے روز میں اسے پاؤ ایلے لے گیا۔ محبت دلانے کے لئے وہاں بہت سی عورتیں تھیں، میں نے کہا کسی سے بھی محبت کرلو۔ وہ بدتخم! جب اس نے یہ مزہ چکھ لیا اسے اور خیال آنے لگے۔ جائے جہنم میں۔۔۔۔۔۔۔ جہنم میں جائے۔''

''آخر کار میں نے کاؤ ہنگ ہوئی کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیا۔ میں نے اس کے جو ہیولے ذہن میں بنائے تھے وہ ویسا نہیں تھا۔ باپ کی طرح اس کا چہرہ بندر جیسا نہ تھا۔ اس کا سر بڑا، بڑا چہرہ، وہ بڑا صاف ستھرا نظر آتا تھا۔ وہ چپ رہا، چہرہ اس کا پیلا تھا۔ پوچھ گچھ کرنے والوں نے جتنے سوالات کئے ان کے جواب میں اس نے سر ہلایا۔

لان ہوئی جو کا گھر جائے وقوع سے نسبتاً نزدیک تھا۔ یہ بھی ایک بڑی عمارت کی اوپر والی منزل پر تھا۔ کھلا، بہترین فرنیچر وغیرہ سے آراستہ۔ لونگ روم میں مگر بے طرز کے فرنیچر کا مکمل سیٹ، صوفے پر عنابی رنگ کے ویلوٹ کے استر۔ بار میں ہر قسم کی درآمد شدہ شراب، بلاشبہ یہ ایک امیر کبیر اوپر والے متوسط طبقے کا خاندان تھا۔ مگر اب اس پر اداسی کی گہری دھند چھائی ہوئی کہ اوپر دیکھ کر ہر دل رنجیدہ ہو جائے۔

لان ہوئی جو کی ماں بیمار تھی۔ باپ بادل ناخواستہ ملاقات پر تیار ہوا۔ اس نے مجھے اس کی تصویریں دکھائیں وہ واقعی بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ آنکھیں لمبی اور تنگ ناک خوبصورت، ہونٹ پتلے، وہ بہت کچھ اپنی ماں جیسی نظر آتی تھی۔

''ہسیاؤ جو بڑی اچھی لڑکی تھی، ذہین اور پڑھاکو۔ اس کی ساری ٹیچر اسے پسند کرتی تھیں۔ آپ کو سچ بتاؤں مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ یہ حادثہ گزر چکا ہے، لیکن مجھے یقین کرنا پڑ رہا ہے، کیوں کہ اس گھر میں ایک جیتا جاگتا، ہنستا گاتا پرندہ تھا، وہ نہیں رہا۔ سمجھ میں نہیں آتا، اس کی ماں سے کیا کہوں۔ وہ شدید صدمے میں ہے، نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، نہ سوتی ہے، اور تو اور روتی بھی نہیں۔ اگر ہسیاؤ جو مجھے بہت پیاری تھی تو ماں کی تو جان تھی، اس میں۔ میں اسے تسلی دینا چاہتا ہوں مگر ہم تو پہلے ہی۔۔۔۔۔۔۔''

''کیا۔''

''کچھ نہیں۔'' مسٹر لان کی اداس نگاہیں ایک دم چور ہو گئیں، جیسے کوئی راز کی بات ہے، جو وہ کہنا نہیں چاہتا، تاہم اس نے بات جاری رکھی۔ ''ہسیاؤ جو اپنی ماں پر گئی تھی، یہی کہتے ہو نا؟ دونوں اگرچہ بڑی مختصر دبلی پتلی مگر دونوں بڑی دلکش ہیں۔ وہ بڑی ذہین، روشن لڑکی تھی۔ اس نے پیانو اور ڈانس سیکھا تھا، پڑھنے میں بھی بہت اچھی تھی۔ پرائمری سکول کے آخری امتحان میں اسے انعام بھی ملا تھا، میرا خیال ہے کہ کلاس میں اول آنے والوں کو ہی انعام ملتا ہے۔ میں اس روز اپنے بزنس کو کاموں میں مصروف تھا، تقریب پر نہ جا سکا، مگر

MashalBooks.org

جب جونیئر سکول میں داخل ہوئی تو میں پہلے روز اس کے ساتھ گیا تھا۔ اس نے بال ہلکے کروالیے تھے، سکول یوں یفارم پہنی ہوئی تھی، اب وہ واقعی ہائی سکول کی طالبہ لگ رہی تھی، میں نے اسے کہا ''محنت کرو، سنیئر ہائی میں اچھے نمبر لو، یونیورسٹی میں جاؤ اور وہاں سے تعلیم حاصل کرنے میں سمندر پار۔''

''کیا کیا تھا اس نے؟''

مسٹر لان نے ایک لمحہ سوچا اور کہا۔

''اس نے کچھ نہیں کیا مگر وہ بہت خوش نظر آتی تھی، وہ یہی دہراتی رہی کہ اگر میں اسے ہر صبح خود سکول چھوڑنے آؤں تو کتنا اچھا رہے۔''

''جونیئر ہائی میں داخلے کے بعد کوئی مسئلہ تو پیدا نہیں ہوا؟''

''نہیں۔'' بالکل نہیں، سکول کی پڑھائی میں اچھی تھی، وہ باقاعدگی سے وقت پر سکول آتی جاتی رہی۔ سکول سے آنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں ہوم ورک کرتی۔ ہم نے ایک ٹیوٹر بھی رکھا ہوا تھا۔ اس میں جوان لڑکوں لڑکیوں والی کوئی بری عادت نہیں تھی۔ وہ کبھی سکول سے بھی نہیں بھاگی تھی۔ البتہ سکول والے کہتے ہیں کہ وہ اس روز سکول میں آئی۔ مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی وہ سکول کے لئے گھر سے نکلی ہے، اس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہوگا۔ ان دنوں ٹاپی بھی کوئی محفوظ جگہ نہیں رہی۔ ڈاکو، چور، تمام اچکے دندناتے پھرتے ہیں، اخبار ان کی خبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ واردات سب لوگوں کو چھوڑ کر ہم پر ہونا تھی۔ خدا نے انصاف نہیں کیا۔ وہ میری بچی تھی اور میں اس کے بارے میں سب جانتا ہوں۔ نہ تو اس کے لیے بری عادتیں اختیار کرنے کا کوئی راستہ تھا، نہ ہی اس کا کوئی نامعقول غیر پسند دوست تھا یا خواب آور یا نشے والی شے استعمال کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہسیاؤ جو بڑی اچھی لڑکی تھی، مجھ سے زیادہ اسے کون جانتا تھا؟''

میں واپس پولیس سٹیشن آیا۔ اے وانگ وہاں ساری کارروائی اور پوچھ گچھ کا ریکارڈ دیکھ رہا تھا۔

''اس نے اقبال جرم کرلیا؟'' اے وانگ نے کہا۔

''یہ لڑکا تو کوئی خاص شے ہے، بیس گھنٹوں کی ترغیب داری کی طرف سے دلیل پر دلیل اور وکیل کی طرف سے مسلسل زور دینے دینے کے بعد مانا ہے۔''

''تحقیقات کا ریکارڈ۔''

''تم لان ہوئی جو کو جانتے ہو؟''

''میں نے اسے ادھر دیکھا تھا مگر جانتا نہیں تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ بڑی والی عمارت روز مینشن

میں رہتی ہے۔ پُل کے پاس۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے باپ کے پاس بلیو بنز سیڈون گاڑی ہے۔ زیادہ نئی بھی نہیں۔ میں نے ایک بار گاڑی کے ہڈ پر سے کچھ آرائشی چیزیں چرائی تھیں۔''

''وہ کہاں ہیں؟''

''دوسری منزل پر اپاہج آدمی کے پاس سوڈالر میں بیچ دیں تھیں، وہ مشہور نام کے کاروں پر لگا آرائشی سامان اکٹھا کرتا رہتا ہے۔''

''لان ہوئی جو کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''میں نے خیال وخواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں اس سے کبھی ملوں گا۔ وہ امیر لوگ ہیں، سکول میں بھی یقیناً وہ اچھی سٹوڈنٹ تھی، خوبصورت بھی تھی۔ وہ ہم جیسے لوگوں سے بالکل ہی مختلف قسم کی مخلوق تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اس سے کبھی بھی مل نہیں سکوں گا۔''

''تو پھر تم اس سے کس طرح ملے؟''

''8 دسمبر کی سہ پہر، سورج چمک رہا تھا، فضا میں تمازت تھی، میں کنارے پر بیٹھا کامک ''محبت سرائے میں لذیذ کہانیاں'' پڑھ رہا تھا۔ اسے ختم کرنے کے بعد ہوا کے جھونکوں میں بیٹھا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

کیسا مستقبل؟''

''مثلاً یہ کہ میں ساری زندگی تو دادی اماں پر انحصار نہیں کر سکتا۔ ان کی عمر بڑھ رہی ہے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا صرف میں ہی ہوں۔ میں اپنے باپ کی طرح نکما آدمی نہیں رہنا چاہتا، وہ تو انتہائی ناکام انسان ہے۔''

''تم اپنے والد کے بارے میں یہ کیوں کہتے ہو؟''

''یہ سچ ہے۔ اس نے میری ماں کو تنگ کیا اور وہ بھاگ گئی۔ وہ صرف ایک کام جانتا ہے پینا۔ اس نے ایک بھی دن دیانتداری کے ساتھ کام نہیں کیا۔ اس کے سارے یار بیلیوں نے کام کیا اور وہ بہتر علاقوں اور اچھی عمارتوں میں منتقل ہو گئے۔ صرف ہم۔۔۔۔۔ میں اس نے نفرت کرتا ہوں اور وہ بھی مجھ سے نفرت کرتا ہے۔''

''اس طرح بات نہ کرو، مجھے بتاؤ تم کس قسم کا مستقبل چاہتے تھے؟''

میں سوچ رہا تھا کہ اس مشیر وکیل نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ مجھے اے کون اور اس کے گروپ میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے خود کچھ کر کے دکھانا چاہیئے، انہوں نے کہا تھا کہ مارکیٹ والا قصائی اور خیری سٹور کا مالک دونوں ایک زمانے میں بدمعاش تھے، اور ان کا تھانے میں باقاعدہ ریکارڈ بھی تھا۔ مگر انہوں نے گمراہی کا راستہ چھوڑ دیا اور سیدھا راستہ اختیار کر لیا۔

MashalBooks.org

اب ان کی تمام تر توجہ اپنے کاروبار پر ہے، اب ان کے اپنے سٹور اور اپنے گھر ہیں۔۔۔۔۔۔میں نے سوچا تھا کہ شائد میں بھی۔۔؛۔۔۔۔۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''تین بجے کے قریب ہوا تیز چلنے لگی۔سورج بادلوں میں چھپ گیا۔میں گھر جانے کے لئے اٹھا۔ میں نے دیکھا قریب ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔سکول یونیفارم پہنے، سکول بیگ اٹھائے ہوئے۔ مجھے تجسس ہوا، میں اس کے قریب گیا، اسے غور سے دیکھا، مجھے یقین ہو گیا کہ سکول سے بھاگی ہے، میں نے تھوڑی چھیڑ خانی کا سوچا۔''

''اس نے تم سے بات کی؟''

''پہلے تو نہیں کی۔وہ کنارے سے نیچے دریا کی طرف چل پڑی، میں اس کے پیچھے چلا۔میں نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم روز مینشن میں رہتی ہو۔وہ چونک پڑی، تم کیسے جانتے ہو؟ میں نے جھوٹ بولا، کہا میں بھی وہاں رہتا ہوں اور یہ کہ میں چین کیو سینٹر سکول کی شام کی کلاسوں میں پڑھ رہا ہوں۔(یہ سکول تائپی میں سب سے مشہور سکول ہے) اس نے یقین کر لیا۔''

''پھر تم دونوں کیا باتیں کرتے رہے؟''

''بہت سی باتیں۔''

''مثلاً۔''

''بہت سی باتیں، میں نے اپنے سکول کے بارے اسے لطیفے سنائے اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ سکول نہیں گئی۔''

''وہ سکول کیوں نہیں گئی تھی؟''

اس نے کہا تھا کہ آج اس کی زندگی کا پہلا دن ہے کہ وہ اسکول نہیں گئی، وہ صبح اٹھی تو مرجھائی مرجھائی سی تھی۔ وہ سکول نہیں جانا چاہتی تھی۔اس نے بتایا کہ پچھلے پہر ایک امتحان بھی ہونے والا تھا۔وہاں ہر روز امتحان ہوتا ہے اور وہ ان امتحانوں سے بڑی بیزار ہے۔میں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا کہ اس نے سبق یاد نہیں کیا، اس لیئے امتحان دینے نہیں گئی۔اس نے کہا یہ درست نہیں ہے۔اس کا بڑا سبب یہ کہ اسے اپنا گھر والا کمرہ اس استاد سخت ناپسند ہیں۔اس نے بتایا کہ اس کی ٹیچر ہر وقت اس پر نگاہ رکھتی ہے، الگ تھلگ لے جا کر دل کی باتیں، دل کے راز پوچھتی ہے۔اس نے کہا، میں اسے زندگی بھر دل کی باتیں نہیں بتاؤں گی۔پھر میں نے اس سے پوچھا، وہ کس پریشانی میں ہے، وہ ہنس دی اور کہنے لگی کہ اس کی ٹیچر رائی کا پہاڑ بنا رہی ہے، محض اس لئے کہ میں نے دوسری کلاس کے لڑکے سے باتیں

MashalBooks.org

کیں۔''

''اس نے تمہیں کچھ اور بھی بتایا؟''

''اس نے اپنے خاندان کے بارے میں باتیں بتائیں۔اس نے بتایا کہ میرے باپ نے ایک اور عورت بھی رکھی ہوئی ہے، جس میں سے ایک بیٹا بھی ہے۔ وہ اس بات پر بہت ناراض تھی مگر اس نے زیادہ تفصیل نہیں بتائی۔ اس کے گھر میں کوئی فرد نہیں جس کے سامنے وہ دل کھول کر باتیں کرے۔اس نے بتایا کہ اس کا گھرانہ ابنارمل ہے، اس کی ماں ابنارمل عورت ہے، اسے پتا تھا کہ خاوند نے ایک اور عورت رکھی ہوئی ہے، مگر اس بات پر وہ خاوند سے ناراض نہیں ہوئی بلکہ خوش تھی کہ اب ایک اور عورت آ گئی ہے اور وہ اسے زیادہ تنگ نہیں کرے گا۔ کئی سالوں سے وہ ایک کمرے میں سوئے بھی نہیں۔اس کی ماں نے ہی علیحدہ سونے میں پہل کی تھی۔ وہ ابنارمل عورت ہے، اس نے کہا تھا کہ اس کے بڑوں کا خیال ہے کہ اسے کچھ بھی معلوم نہیں، مگر حقیقت یہ کہ اسے سب کچھ پتہ ہے۔اسے پتہ تھا کہ اس کی ماں نے رشتہ کرانے والی کی بابت شادی کر لی ان دونوں باتوں پر اسے پچھتاوا تھا۔اس کی ماں کو اس بات سے ہی شدید نفرت تھی کہ اس کے باپ کو پیسے کمانے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں۔اسے فنون لطیفہ کا ذرا سا بھی شوق نہیں۔اس کی ماں عظیم تھی، وہ پیانو بجاتی تھی، کتابیں پڑتی تھی اور آرٹ گیلریوں میں جایا کرتی تھی۔لیکن لڑکی اپنے باپ کو پسند کرتی تھی، ماں کو بھی پسند کرتی تھی اور ان باتوں کا احساس پر بڑا ہی برا اثر تھا۔

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر کیا ہوا؟''

''عمدہ گفتگو ہوتی رہی، سرکنڈوں کی اوٹ میں ہم ہوا سے بچتے رہے۔ٹھنڈ بھی محسوس نہیں ہوئی۔ہم نے اور بھی بہت سی باتیں کیں، میں نے اسے بتایا کہ میں تمہیں جب دیکھتا ہوں تو مجھے کامک بک والی لٹل سویٹی یاد آ جاتی ہے، اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور پھر صاف اور واضح الفاظ میں کہنے لگی، تم مجھے چومو گے! میں ہکا بکا رہ گیا۔مگر وہ واقعی خوبصورت تھی، چھوٹی سی اور میں اسے چومنا بھی چاہتا تھا۔

''تم نے چوما؟''

''جی۔''

''اس نے کیا کیا؟''

''بہت اچھا، میں نے اس کا منہ، ناک، ہونٹ اور گردن چومی، اسے کوئی اعتراض نہ تھا، وہ بس باتیں کرتی رہی۔''

MashalBooks.org

''کس کے بارے میں؟''

''اس نے بتایا کہ پرائمری سکول میں اس کی کلاس کے مرد نے اسے چوما تھا اور اسے وہ اچھا وہ اچھا لگا تھا، اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی ماں کی طرح نہیں بننا چاہتی، وہ ایک نارمل عورت بننا چاہتی ہے اور یہ کہ لڑکیوں سے زیادہ دوستی نہیں کرتی، وہ کم ظرف ہوتی ہیں اور اس نے کہا تھا۔۔۔۔۔۔''

''اور کیا کہا تھا؟''

''اس نے کہا تھا کہ اس نے بہت سے وڈیو ٹیپ دیکھے تھے اور بہت کچھ جانتی تھی۔''

''بہت کچھ، کس بارے میں؟''

''وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی۔''

''تم کیسے کہتے ہو کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی؟''

''میں مستی میں آ گیا تھا، میں نے اس کی جیکٹ کا زپ کھول دیا۔ میں اس کی چھاتیوں پر ہاتھ پھیرنا چاہتا تھا۔''

''اس نے تمہیں قبول کر لیا یا رد کر دیا؟''

''وہ کچھ بھی نہیں چاہتی تھی، وہ بہت ڈری، تو مجھے اندازہ ہوا کہ اسے کچھ بھی پتہ نہیں۔۔۔۔۔۔ مگر یہ خیال بڑی دیر سے ہوا۔ میں خود پر قابو نہ پا سکا، میں اسے چاہتا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''وہ چیخی، اس نے ٹانگیں ماریں، میں اس کے منہ پر چانٹے مارے۔''

''اس کے بعد بھی وہ چیخی؟''

''نہیں، مگر اس نے زیادہ زوردار مزاحمت کی اور پھر نیچے سے نکل گئی۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''میں اس کے پیچھے بھاگا۔''

''تم نے اسے پکڑ لیا؟''

''اس کی جیکٹ میرے ہاتھ آئی مگر اس نے جیکٹ اتار دیا اور بھاگتی رہی۔۔۔۔۔۔ بھاگتی رہی۔۔۔۔۔ اندھیرا ہو رہا تھا اور دریا میں گر گئی، وہ خود گری۔''

''تم نے اسے دھکا نہیں دیا؟''

''نہیں سچی میں نے دھکا نہیں دیا وہ خود گری اور میں نے سنا وہ مدد کے لئے پکار رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ وہ دریا میں غوطے کھا رہی تھی۔ میں دریا میں کود کر اسے بچانا چاہتا تھا مگر

MashalBooks.org

میں ڈر گیا۔''؟

''کس سے ڈر گئے؟''

''میں ڈرا کہ وہ مجھے ریفارم سکول میں بھیج دیں گے، چنانچہ میں بھاگ گیا۔۔۔۔۔ میں نے اسے دھکا نہیں دیا اور اس نے کہا تھا کہ میں اسے چوموں، میں نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے بچانا چاہتا تھا مگر میں ڈرا ہوا تھا۔ یقیناً وہ مری نہیں۔۔۔۔۔۔ وہ کیسے مر سکتی ہے۔ یقیناً نہیں۔۔۔۔۔ میرے خیال میں آپ لوگ مجھے چھیڑ رہے ہیں؟''

''جب ہم پولیس سٹیشن سے نکلے، تو بڑی دیر ہو چکی تھی اور ہوا بڑی سرد تھی۔ اے وانگ نے جمائی لی اور کہنے لگا: ''آج رات تم خبر بناؤ، پانچ سو لفظ بہت ہوں گے۔ اپنی اہلیت دکھانے کے لئے بڑا زبردست موقع۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں اس پُر سچ قصے کی صرف پانچ سو الفاظ میں کیسے جامع خبر بنا سکتا ہوں؟''

☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

# کوہِ مسرت کا سفر نامہ

چیانگ ہسیاؤ ژو (ن ب 1954)

سورج کی پہلی کرن پردوں میں باریک سے فاصلے میں سے ہوکر کمرے میں پڑ رہی تھی، جہاں فضا دھندلی دھندلی کہر آلود تھی، جیسے چاروں طرف گرد اڑ رہی ہو۔ مسٹر فو کا سنگل بیڈ دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ بستر کی چادر میں بڑی بڑی سلوٹوں کے باعث نیچے بچھی نیلے رنگ اور سنہری تاروں والی میٹرس نظر آ رہی تھی۔ مسٹر فو کا منہ اندر کی طرف تھا، سر ایک کونے میں اور جسم دیوار کے ساتھ دوہرا ہوا ہوا۔ گہرے سانس لے رہا تھا، کسی وقت سسکی سی بھی نکل جاتی۔ اس کا سر پہلے سفید سرہانے کے کنارے پر تھا اور سرہانے پر تیل کا کالا نشان پڑ گیا تھا۔ کمرے میں بوڑھے لوگوں سے آنے والی بو پھیلی ہوئی تھی۔

نیند نہ آنے کے باعث وہ رات کئی بار اٹھا تھا، مگر صبح کے وقت کچھ کچھ نیند آ گئی تھی۔ اب وہ نیم خوابیدگی کے عالم میں گھر میں اٹھنے والی تمام آوازیں کے عالم میں گھر والی تمام آوازیں اور لوگوں کا چلنا پھرنا سن رہا تھا۔ پہلے کسی کے بستر پر کسمسا کر اٹھنے کی آواز آئی، وہ پہلے آہستگی سے بولا، پھر خاموش رہنا بھول گیا اور باتھ روم کے آس پاس تیزی سے چلنے لگا۔ پھر چنگ یو بچوں کی سرزنش کر رہا تھا۔ ''رومال اور کچھ ٹشو پیپر۔۔۔۔۔۔۔ارے تم اپنی کاپیاں ایک جگہ سنبھال کر کیوں نہیں رکھتے۔۔۔۔۔۔اب انہیں کہاں ڈھونڈ رہے ہو، یو چنگ باتھ روم میں اخبار لے جانے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔۔۔ یو آن ادھر آؤ۔۔۔۔ ٹی وی کیبنٹ پر دیکھو کیا ہے۔۔۔۔۔ کتنے بھلکڑ

ہو۔۔۔۔۔پھر چیزیں گم کیں تو تمہارے ٹیچر سے شکایت کروں گا۔یو چینگ باتھ روم میں اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو؟ تمہاری بہن انتظار کر رہی ہے، جلدی کرو، ورنہ دونوں سکول بس مس کر دو کے۔۔۔۔۔۔پھر خود ہی جانا۔۔۔۔۔دادا ابا کو سونے دو۔''

''جاگو۔۔۔۔جاگو۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا:''پوتے پوتیوں کو سکول بس کے لے جانے کا وقت ہے۔''

''کائی کائی۔۔۔۔۔روؤ مت۔ ابا تمہارا دانت نکلوانے کے لئے ہنمکو لے جائیں گے۔پھر سب پریشانی ختم ہو جائے گی۔کائی کائی ادھر ادھر بھاگنا بند کرو۔آؤ بگھی میں سیر کریں۔ ایسی بگھی جسے چار سفید گھوڑے کھینچ رہے ہوں۔جاگو جاگو، یو چنگ کو سکول جانے سے پہلے مل لو۔ مسٹر فو نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔وہ آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا مگر کواب اسے پوری طرح جاگنے نہیں دے رہا تھا۔بگھی والا ایسا لمبا چھانٹا بگھی پر مارتا، ہوا میں لہراتا جا رہا تھا اور بگھی کی چھوٹی سی کھڑکی سے شنگھائی نظر آ رہا تھا۔آسماں پر بادل اور فضا میں دھند تھی، پھر اچانک ٹرام اور بڑی بڑی عمارتیں غائب ہو گئیں۔اسے لگا کہ وہ کیلنگ کی بندرگاہ کے باہر لنگر انداز جہاز میں سوار ہے۔کائی کائی دیکھو جہاز۔۔۔۔۔۔کتنے جہاز ہیں۔۔۔۔۔ہسیو چیہ۔کائی کائی زور زور سے رو رہا ہے۔آؤ دیکھو تو۔

بوڑھے نے اپنے مضبوط جسم کو دوہرا کیا اوپر دیکھا، آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتا جاگ پڑا۔گھر میں خاموشی تھی۔ بچے یقیناً سکول چلے گئے ہوں گے اور ان کے والدین اپنے اپنے کام پر۔۔۔۔۔اس نے ایک دم زور سے جمائی لی۔گالوں پر لگے لعاب کو پونچھا اور یوں ہلا جیسے اٹھنے لگا ہو مگر سیدھا ہو کر چھت کو دیکھنے لگا۔اس وقت اس کے ذہن میں کوئی بھی بات نہیں آئی۔سناٹے میں اسے کلاک کی ٹک ٹک کی آواز بھی کچھ زیادہ بلند اور اچھی لگی۔

حسب معمول اسے لگا کہ یہ دن بھی بہت لمبا اور بیزار کن ہو گا اور وہ مایوس اور بیزار سا ہو گیا۔ روز ہوتا یہ تھا کہ اٹھنے کے بعد وہ تفصیل سے اخبار پڑھتا اور پھر اسے کوئی کام نہیں ہوتا۔اپنے کمرے اِدھر اُدھر گھومتا رہتا، اس کے چمڑے کے جوتے فرش پر گھسٹتے مگر اس سے کوئی پریشان نہ ہوتا۔وہ گھر کے سامنے یا پچھلے کسی بھی حصے میں گھومتا تو تن تنہا ہوتا۔

یہ تن تنہا مسٹر فو ایک دم فرنچ کھڑکی کے سامنے رکا اور سامنے سرسبز پہاڑ کو دیکھنے لگا۔لکیروں والی پیشانی اور منہ کے تنے ہوئے اعصاب سے اس کے وجود میں سختی سی لگتی۔داڑھی مونڈھی نہ تھی، مونچھوں کے سفید بال بکھرے اور ٹھوڑی تک پھیلے ہوئے تھے اور آنکھوں کی گہری سرخی سے اندازہ ہوتا کہ اس کی دکھ بے پایاں ہے۔اس چہرے کے پیچھے اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔اس نے دن گزارنے کا پروگرام بنایا۔۔۔۔۔۔فرش صاف کرے یا بال کٹوائے؟ ان

MashalBooks.org

کاموں کے لئے پورا دن پڑا تھا، اس لئے جلدی کی کیا ضرورت۔ چنانچہ وہ کچھ فیصلہ کیے بغیر وہیں کھڑا رہا۔ اس نے دیکھا کوئی دو چھڑیوں کی مدد سے بڑی مشکل سے پہاڑ سے اتر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ شخص قریب آیا، مسٹر فو نے دیکھا کہ وہ اس کی ہی عمر کا ہے اور اکڑے ہوئے گھٹنوں کے باعث انچ انچ آگے بڑھ رہا ہے۔ غالباً اس پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ مسٹر فو کو اس منظر سے خوف بھی آیا اور اسے اس بوڑھے کے اس حالت میں پہاڑ پر جانا بھی اچھا نہ لگا، اس لئے اصل حقیقت کو محسوس کیے بغیر اس نے غریب آدمی کا منہ چڑھایا اور اونچی آواز میں کہا: ''بے ہودہ۔''

بوڑھے آدمی کو دیکھتے دیکھتے اسے اپنے بیٹے چنگ کائی کے گزشتہ رات کے وہ جملے یاد آ گئے، جو اس نے اس کی بہو سے کہے تھے۔ اس وقت سارا خاندان بیٹھا ٹی وی پر پانچ لالٹینوں والا انعامی پروگرام دیکھ رہا تھا۔ ٹیپ ڈاینگ کے مقابلے کے لئے ایک بوڑھا آدمی آ گیا۔ مسٹر فو کے پوتے نے سب سے پہلے اس بوڑھے کو پہچان لیا: ''یہ بابا ہیوانگ ہے، یہ ہیوانگ ہے۔''

''اس بے وقوف نے خود کو ٹھٹھا مخول ہی بنا دیا ہے۔'' مسٹر فو نے بیزاری سے کہا۔ ''اس عمر میں تنہائی برداشت نہیں کر سکا اور ٹی وی پروگرام میں مسخرا بن کر آ گیا ہے۔''

''اس کے بیٹے نے بڑے رسان سے کہا: ''یہ کوئی ہنسنے والی بات تو نہیں ہے۔ انکل ہیوانگ اب بھی خوب ناچ لیتا ہے۔ ابا آپ کوشش کرنا پسند کریں گے، میں تو اس کے بڑے حق میں ہوں۔''

مسٹر فو بیان کا آخری حصہ پی گیا۔ مگر جب بیٹا کہہ رہا تھا، تو اس کے چہرے پر ایک طنزسی تھی، وہ بھلا اسے کیسے برداشت کرتا۔ وہ اپنے بیٹے کا منہ نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ مگر یہ کہ وہ ناراض تھا، یہ دکھانے کے لئے وہ جلدی سے کمرے سے چلا گیا اور جاتے جاتے دروازہ بڑے زور سے بند کیا۔

اسی رات وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ لونگ روم سے اسے بیٹے اور اس کی بیوی کی باتیں سنائی دیں۔ پہلے تو اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ چنگ یو کس بات پر اس کے بیٹے کی سرزنش کر رہی تھی۔ پھر اسے بیٹے چنگ کائی کی ذرا اونچی آواز سنائی دی: ''ابا کا کوئی مشغلہ نہیں، نہ وہ کوئی مشغلہ رکھنا چاہتے ہیں، انہیں دنیا کی کسی بھی شے میں کوئی دلچسپی نہیں، بس دوسروں پر طنزیہ ہنس دیتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح ہو جائیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ الٹا سارا دن گھر پر رہتے اور آہیں بھرتے رہتے ہیں۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر بھلا میرا کیا ردعمل ہوگا؟ لگتا ہے جیسے میں نے انہیں خود ہی کچوکے لگانے کے لئے یہاں بلایا ہے۔ وہ کچھ کہتے ہی نہیں۔ وہ دن رات میرے سامنے بس آہیں بھرتے رہتے ہیں۔ دوسرے لوگ جانتے ہیں کہ کس طور یہ دن گزارنے ہیں۔ بھلا ابا ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ انہیں کچھ بھی نہیں بھاتا، جو لوگ باغ میں کام کرتے ہیں، پالتو پرندے پالتے ہیں یا شیڈو باکسنگ سیکھتے ہیں، وہ ان پرناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ کاش وہ ہیوانگ

آئی چنگ کے والد کی طرح ہی ہوتے، جو شطرنج اٹھائے دوسرے کھلاڑی کو لوگوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں یا ٹیپ ڈانسنگ سیکھتے۔ ایسا ہوتا تو مجھے بڑی خوشی ہوتی، مگر وہ تو ان لوگوں کو پاگل اور بے شرم سمجھتے ہیں۔ میں یہ حکم نہیں لگا رہا کہ انہیں کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر وہ وقت گزارنے کا کوئی وسیلہ ڈھونڈ لیں تو ہم ان کے بارے میں فکرمند ہونا چھوڑ دیں، میں تو خدا کا شکر ادا کروں گا۔''

یہ باتیں سن کر مسٹر فو کو بڑا صدمہ ہوا اور سخت غصہ بھی آیا۔ اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس نے ایسا ناخلف بیٹا پیدا کیا۔ ابھی وہ اٹھ کر اسے جا کر جھاڑ پلانے کا سوچ رہا تھا کہ اسے بیٹے کی دھیمی سی آواز آئی: ''چنگ یو تم جانتی ہو، پہلے ابا ایسے نہ تھے۔۔۔۔ مطلب ہے جب اماں زندہ تھی۔۔۔۔۔ کیوں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

یہ لفظ سن کر مسٹر فو کا دکھ کم ہوا۔ وہ اپنے آنسو نہ روک سکا، ایک دم اسے جھٹکا سا لگا۔ اس نے پھر بیٹے کو کہتے سنا: ''مجھے کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ میرے والدین ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے ہیں، مگر اماں کے مرنے کے بعد ابا پھر سنبھل نہیں سکے۔ ماضی میں وہ بڑی باتیں کرتے تھے، دوسروں پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے دوسروں کے معاملے میں کبھی دخل نہیں دیتے تھے، مجھے تو صرف ان کی خوشی سے غرض ہے۔ مجھ سے ان کی تنہائی کا دکھ برداشت نہیں ہوتا مگر انہیں خود بھی تو۔۔۔۔۔'' اس کے بعد مسٹر فو نے آہستہ آہستہ باتیں سننا چھوڑ دیا اور پھر اپنے ہی دکھوں میں غلطاں وہ گہری نیند سونے لگا۔

''احمقانہ۔'' جو باتیں فو نے سنی تھی انہیں یاد کر کے اس نے شکایت کے سے انداز میں کہا۔ ''وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے میری زندگی گزارنے کا گر سکھائیں گے۔۔۔۔۔ حرامزادے۔ مجھے دراصل اسی وقت اس کو جھڑک دینا چاہئے تھا۔''

پھر اچانک سامنے پہاڑ پر جھنگرا اتنی زور سے بولنے لگا کہ اس کی آواز گھر کے اندر تک آ گئی۔ گرمیوں کے شروع دنوں میں آنے والی یہ پہلی آواز تھی، جس نے اسے پہاڑ کے قریب رہنے کی مسرت سے آشنا کیا۔ آہستہ آہستہ اپنے اور بہو پر اس کا غصہ کم ہونے لگا۔ اس نے ایک بار پھر پہاڑ پر نگاہ ڈالی اس کی گول گول بے ترتیب چوٹیوں کو دیکھا، بے ترتیب ہوں ے کے باوجود یہ چوٹیاں اسے دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ گھنے سبز پس منظر میں عبادت گاہ کی لائبریری اس کی سلیٹی رنگ کی دیوار پیلی ٹائلوں کا چھت اور سرخ ستون کو دیکھ کر یک لخت اس کا وہاں جانے کو جی چاہنے لگا۔

''چھٹیوں میں وہ اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ وہاں کبھی کبھار جایا کرتا تھا، مگر خود اس کا جی وہاں جانے کو کبھی نہیں چاہا۔ صبح سویرے پہاڑ پر سیر کرنے والے واپس چلے گئے تھے، اس لئے

اب پہاڑ کی پگڈنڈیاں اس کے خالی تھیں۔ پرندوں کے چہچہے درختوں کی چوٹیوں میں سیٹیاں بجاتی ہوا اور جھینگر کی مسلسل تان یہ سب پہاڑ کے دلنواز نغمے تھے۔ مسٹر فو کو تو صرف یہ خیال آیا تھا کہ اب پہاڑ پر لوگ نہیں تنہائی ہوگئی ہے۔ مگر اب اس نے اس تنہائی اور خاموشی کو اپنے منفرد حسن اور شرینی کو محسوس کرنا شروع کیا۔ دن کے دس بجے بس دھوپ ذرا تیز لگی۔ راستوں پر درختوں کی چھاؤں تو تھی مگر درخت زیادہ گھنے نہ تھے۔ اس نے سوچا کہ یہاں صبح سیر کو آنا برا نہیں۔ کل میں ذرا جلدی آؤں گا۔''

وہ مذہبی کتابوں والی لائبریری کے سامنے تیرس (تختوں) پر آہستہ آہستہ گھومتا رہا۔ یہاں وہ کئی مرتبہ پوتے پوتیوں کے ساتھ آیا تھا اور بس یہیں تک ہی آیا تھا۔ اب اس نے ایک پہلو میں نو تعمیر زینہ دریافت کیا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سائن بورڈ پر ایک نوٹس لگا تھا: ''لائبریری کی انتظامیہ نے یہ پانچ سو قدموں والا زینہ بنایا ہے جو اوپر کووُلی شان چوٹی تک جاتا ہے۔ عوام سے اپیل کی جاتی ہے کہ علاقہ کو صاف ستھرا رکھیں۔''

اس نے سوچا: ''اوپر جا کر نیا نظارہ کرنا اچھا رہے گا۔ آج گرمی ہے، اس لئے آج واپس چلنا چاہیئے۔''

واپسی پر فو کو کچھ اپنی سبک خرامی کا احساس ہوا۔ اردگرد دیکھتے عین اوپر پاور لائن پر بیٹھے ایک خوبصورت پرندے پر نظر پڑ گئی، جس کی دم لمبی تھی۔ جیسے ہی وہ کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگا پرندے نے پر پھیلائے اور اڑان لے لی۔ پرندہ اڑا تو اس کے پروں میں سے رنگوں کی ایک دھنک نظر آنے لگی اور پھر یہ انتہائی لمبی محراب دم والا جانور درختوں میں غائب ہو گیا۔ وہ اسے حیرت سے دیکھ کر اپنے آپ سے کہنے لگا: ''ان کا ذکر پوتے پوتیوں سے کرنا نہ بھولنا۔''

اگلے روز بچوں کے سکول جانے کے بعد مسٹر فو پہاڑ پر چلا گیا۔ اس شام کھانے پر کرنے کے لئے اس کے پاس بھی باتیں تھی، اب وہ صرف سامع نہیں رہا تھا، اس نے بڑے زور شور سے بیان شروع کیا ''میں اپنی طرف سے صبح سویرے سات بجے کے فوراً بعد پہاڑ پر گیا، مگر اکثر لوگ سیر کے بعد واپس آ رہے تھے سارے کے سارے بوڑھے میری عمر کے ثارلس پیتے، پانی کی بوتلیں اٹھائے، جو کوئی سامنے آتا واقف یا ناوقف، اسے سلام کرتے، مجھے حیرت ہوئی۔ میں بھی انہیں کی طرح صبح بخیر کہنے لگا۔ مجھے سیر بڑی اچھی لگی، میں نے کل کہا نہیں تھا کہ میں اب لائبریری سے بھی اوپر جاؤں گا۔ لیکن میں نہ جا سکا۔۔۔۔ میں بہت بوڑھا ہوں۔ زینے تو گنے ہوئے ہیں، میں پچاسویں سیڑھی پر پہنچا تو تھک گیا۔ میں زور لگا کر 100 ویں پر جا پہنچا مگر سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔''

اگر آپ ہر روز ایسا کریں گے، ابا تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ آپ عادی ہو جائیں گے۔''

MashalBooks.org

چنگ کائی نے چاپ سٹک نیچے رکھ کر یقین دہانی کے طور پر سینے پر ہاتھ مارا۔ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں والد کی یہ نئی دلچسپی کم نہ ہو جائے۔ ''ایک مہینے میں۔۔۔۔۔۔ بلکہ ایک مہینے سے بھی کم۔۔۔۔۔۔ میں آپ کا مقابلہ نہ کر سکوں گا۔''

کوہ پیمائی کنگ فو کے لیے اچھی مشق ہے۔ میں بھی یو پنگ کی طرح ہی مشق کرنا چاہتا ہوں جو اس فن میں تیسرے درجے پر تو چلا گیا تھا۔

''ابا آپ چمڑے کے جوتے کی جگہ دوسرے جوتے لے لیں، وہ بہت اچھے ہوتے نہیں۔'' چنگ یو نے بڑھ کر بات کی۔

''میں بھی سوچ رہا تھا۔ کوہ پیمائی میں جوتوں کی اہمیت ہے۔ اگر آپ زیادہ دیر چلیں تو چمڑے کے جوتوں میں پیر درد کرنے لگتے ہیں۔۔۔۔''

''مگر میرا خیال ہے کہ وہ جوتے زیادہ عرصہ تک نہیں پہن سکوں گا۔'' مسٹر فو نے کسی خیال میں ڈوب کر کہا۔

''نہیں، آپ استعمال کریں گے۔۔۔۔۔ سارے لوگ کہتے ہیں کہ اوپر مناظر بہت اچھے ہیں اور وہاں پر پبلک پارک بھی ہے۔ چلنے کی عادت پڑ جائے تو مزا آئے گا۔ میں بڑا مصروف ہو وگرنہ میں بھی ہر روز آپ کے ساتھ جایا کرتا۔'' چنگ کائی نے بڑے جوش میں کہا۔

''کیا خیال ہے ابا، پہلے اوپر جائیں، منظر دیکھ کر آئیں، پھر اتوار کے روز ہم سارے کے سارے جائیں گے، صبح صبح یہی کام کریں گے۔'' اس نے اپنے والد کی خاطر اتوار کو صبح سویرے کی نیند کی قربانی دینے کا وعدہ کر لیا۔

''واہ جی واہ! جی ہم پہاڑ پر چڑھیں گے، بچوں نے ایک دم چہکنا شروع کر دیا۔''

''کھانا کھا لو پہلے۔ اتوار کو تو بڑے دن پڑے ہیں، دادا آپ کو لے جایا کریں گے۔'' چنگ یو نے ایسے کہا جیسے اتوار والی بات وہ نہیں چاہتی۔

''ابا کو بھی شارٹس خریدیں۔'' چنگ کائی نے ہنستے ہو کہا۔

''بکواس، کیسا برا لگے گا؟'' مسٹر فو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا دھیان پہاڑ پر ملنے والے لوگوں کی طرف گیا، اس نے اپنے سیر کے لباس کے بارے میں پہلے ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔

اتوار بھی آ گیا مگر چنگ کائی اور چنگ یو پہاڑ پر نہیں گئے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ دونوں ہی کو یہ بات پسند نہیں آئی، دوسرے دادا اور پوتے پوتیاں جلدی میں تھے اور ان کا انتظار کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ دن اتوار کا رتھا، بچوں کو سکول نہیں جانا تھا، اس لئے سیر کے شوق میں جلدی ہی تیار ہو گئے، راستے میں ان کی ملاقات زیادہ صبح صبح سیر کرنے والوں سے ہوئی۔ بعض سے دادا کی پہلے بھی علیک سلیک تھی۔ بعض کو یاد تھا، اس لئے انہوں نے پوچھ بھی لیا: ''آپ آج جلدی نہیں آ گئے''

MashalBooks.org

مسٹر فو مسکراتا اور ان کے سلام کا جواب دیتا ان پہاڑی راستوں پر چند دن کے بعد ہی یہ رفاقت دل کو بڑی اچھی لگی۔ ٹی شرٹ، مغربی طرز کی پتلون، سنیکرز اور ٹوپی پہنے تولیہ اور چھڑی لیئے اب مسٹر فو بھی انہیں جیسا لگتا تھا وہ بہت خوش اور مطمئن نظر آتا تھا۔

یو پنگ اور یوآن میں سے ایک پانی اور دوسرا کھانے والا تھیلا اٹھائے آگے آگے جا رہے تھے اور مڑ مڑ کر باتیں بھی کرتے تھے۔ یوآن دادا کا ہاتھ پکڑے مسلسل چہکتی چلی جا رہی تھی۔ ''دادا وہ پرندہ کہاں ہے، چڑیاں تو ہیں پرندہ کوئی نہیں۔''

یو پنگ پیچھے مڑ کر دھاڑا۔ ''بے وقوف چڑیاں پرندے نہیں ہوتیں؟''

''بے وقوف تم ہو۔'' یوآن نے بھائی کو چھیڑا۔ یو پنگ غصے میں دوڑا۔ مسٹر فو مداخلت کرنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے آنے والی عورت بول پڑی: ''آپ کے پوتے پوتیاں ہیں کیا؟ بڑے خوش قسمت ہیں۔''

مسٹر فو اظہار تشکر کے لیے مسکرا دیا۔ عورت فو کے پاس سے بڑے تیز قدموں پر چلتی ہوئی آگے نکل گئی اس کے لہجے سے لگا شمال کی رہنے والی ہے۔ بڑی قد وقامت والی، قد میں مسٹر فو کے برابر۔

تینوں تھوڑے فاصلے پر سانس لینے رکتے مگر چلتے رہے۔ چوٹی پر وہ تیس منٹ میں پہنچے۔ ایک لمحہ رہے رکے یو پنگ نے اصرار کیا کہ وہ تو پارک کو جائے گا۔ مسٹر فو ایک دن پہلے وہاں آ چکا تھا، کہنے لگا: ''یہ ہے پارک دیکھ لو۔''

''عوامی تفریحی پارک۔'' دو درختوں کے درمیان رسی سے لٹکے چار گول تختوں پر سرخ رنگ میں یہ لفظ لکھے ہوئے تھے۔

''بیوقوف اسے یوں پڑھو، تفریحی عوامی پارک۔'' یو پنگ کو بہن پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔ پارک میں بچوں کے کھیلنے کا ساماں نہ دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی۔

یوآن جواب دینے ہی والی تھی کہ ایک شخص جو وادی کو دیکھ رہا تھا اچانک چیخا:

''اوہ، اوہ۔'' ابھی وہ ختم نہیں کر پایا تھا کہ دور سے اس قسم کے نعرے کی آواز آئی۔ بچے فوراً جاننا چاہتے تھے کہ یہ کیا ہے۔ کہنے لگے:

''دادا ابا یہ شور کیوں ہے؟''

مسٹر فو بچوں کو آگے لے جاتے ہوئے کہنے لگا: ''اسے چیخنا نہیں کہتے، یہ سد ہے آؤ ادھر چلیں اور وہاں پکنک کا سامان کریں۔''

شرارتاً ''یہ سد کیا ہے؟ ہم نے سمجھا تھا کہ بابا چیخ رہا ہے۔'' بچوں نے بوڑھوں کا مذاق اڑایا اور کلکاریاں مارنے لگے۔

MashalBooks.org

''یہ رونا چیخنا نہیں ہے، سد میں یہ ہوتا ہے کہ اس طرح منہ بنا کر زور کی آواز نکالتے ہیں۔''
اس نے بچوں کو منہ بنا کر دکھایا۔ ''مزیدار ہے۔'' پھر اپنے آپ ہنستے ہوئے کہنے لگا:
''سد دراصل اونچی آواز میں بولنے ہی کی ایک صورت ہے مگر یہ آواز اس طرح نہیں نکالی جاتی، جس طور یہ صاحب کر رہے تھے۔''

فو بچوں کو لے کر دوسرے راستے سے نیچے اترے، عین پارک کے درمیان، درختوں کے ساتھ ہی کچھ سمجھدار لوگوں نے تختے جوڑ کر ایک پویلین بنا رکھا تھا، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بہت سی پرانی کرسیاں اور سٹول بھی رکھ دیئے تھے، یوں سیر کے لئے آنے والوں کی یہ پسندیدہ جگہ بن گئی ہے۔ یہاں سے اردگرد کے مناظر بھی بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں، ایک وقت میں ہسنٹین، چنگ مئی اور موچا نظر آتے جاتے ہیں، بچے اپنا گھر دیکھنے کے لئے دوڑ کر کگرن کے کنارے پہنچے۔

اس کگر کے کنارے کھڑی خاتون نے ایک دم سد لگانا شروع کر دیا:
''او۔۔۔۔۔او۔۔۔۔''
مسٹر فو نے دیکھا کہ یہ تو وہی خاتون ہے جس سے علیک سلیک ہو چکی ہے۔ فو کو کچھ دلچسپی پیدا ہوئی اور یہ بھی لگا کہ وہ عمر میں اس سے بڑا ہے۔ مسٹر فو اس کے سد کے ختم ہونے کا انتظار کیا اور پھر رواداری میں پوچھا:
''کتنی عمر ہے تمہاری'' اس نے ایسے پوچھا جیسے اپنی چھوٹی بہن سے پوچھ رہا ہو۔
''میں سڑسٹھ کی ہوں۔'' عورت نے بغیر پریشان ہوئے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اس نے پھولوں والی ہلکی جرمنی پینٹ سوٹ اور نیلے سنیکرز پہن رکھے تھے اور کندھوں پر سفید تولیہ لٹک رہا تھا۔ جیسے ہوٹل کے بہروں کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ اس کے بال چھوٹے لہریا دار تھے، چہرہ کتابی، رنگ کا، اور دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں جو بڑی زندہ اور چمکدار تھیں۔ عورت ساٹھ سے اوپر ہو جائے تو پھر اسے حسین یا بدصورت ہوں ے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن یہ عورت اپنی جوانی میں بھی خوبصورت نہیں رہی ہو گی۔

مسٹر فو نے سوچا یہ عورت اس سے صرف دو برس ہی تو چھوٹی ہے، اس لئے اسے مخاطب کرتے ہوئے اس کا لہجہ مناسب نہ تھا۔ اس نے سر کو جھٹکا دیا اور تعریف کے انداز میں کہنے لگا:
''آپ اتنی کم عمر لگتی نہیں ہیں، یقیناً آپ اتنی نہیں لگتیں۔''
خاتون مسکرائی اور اس کے ہموار سفید دانتوں کی لڑی بھی چمکی، یہ دانت نقلی نہیں تھے۔
خاتون نے اس کی پوتی کا ہاتھ پکڑ کر کہا:
''بڑی اچھی بچی ہو، کون سے سکول جاتی ہو اور کس جماعت میں پڑھتی ہو؟''

MashalBooks.org

یوآن نے مئودب ہوا کر جواب دیا: ''گریڈ ون، ہسن من پرائمری سکول۔''

''یہ تو بہت دور ہے، ٹاپچی میں؟''

''نہیں زیادہ دور نہیں سکول بس جلدی لے جاتی ہے۔''

یو پنگ بے قرار ہو رہا تھا کہ پکنک شروع کی جائے، پھر تینوں بیٹھ گئے اور تھیلے سے کھانا نکال لیا۔ مسٹر فو نے خاتون کو دعوت دے دی۔

''شکریہ بڑا شکریہ، میں نیچے اترنے تک کچھ نہیں کھاتی۔'' پھر اس نے ایک اور چوٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''پہلے وہاں جاؤں گی۔''

''یہ راستہ آگے کہاں جاتا ہے؟''

''کچھ آگے جائیں تو دوسرا پارک۔۔۔۔۔۔ساتھیوں کا پارک۔۔۔۔آجاتا ہے، وہ بھی اس پارک جیسا ہی ہے، میں نے وہاں دوستوں سے ملنے کا کہہ رکھا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ پیولین میں پکنک کا مزا لیتا رہا اور یوآن اپنی ہم جماعت لڑکیوں کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔

''دادا ابو میں آپ کو بتاؤں کہ وانگ پینگ تو بڑا برا لڑکا ہے، اس نے یولنگ کو گھٹنوں پر جھکنے کو کہا تھا، اسے بھی چوما تھا، تو دادا ابا کیا یہ بری بات نہیں، وہ برا لڑکا نہیں؟''

''تو تم نے ٹیچر کو بتایا؟''

''نہیں میں اس کی شکایت نہیں لگاؤں گی۔'' یوآن نے معمول میں جواب دیا۔

''بچہ چکر ہے یا کچھ اور؟'' مسٹر فو نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''نہیں، مجھے بڑا اچھا لگتا ہے، اس نے ایک بار مجھے بلور بھی دیا تھا، مگر وہ ہے بہت برا۔ وہ کہتا ہے اس کی سات بیویاں ہیں، ایک میں ہوں اور ایک ننگ یولنگ ہے، مگر باقی کون ہیں؟ مجھے نہیں پتا۔'' لگتا تھا کہ اس کی حیثیت میں یوآن کو بڑا فخر ہے۔

''یو پنگ نے اپنی بہن کو حقارت سے دیکھا: ''تمہاری جماعت کا وانگ پینگ یو بے شرم ہے، وہ ابھی فرسٹ گریڈ میں ہے اور اس نے کتنی بے شرمی کی بات کی تھی، یوآن بھائی پر پھٹ پڑی، جب تم دوسروں پر اعتراض کرتے ہو تو دراصل اپنے آپ پر بھی اعتراض کر رہے ہو۔'' اس نے اپنے کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور یہ اس لئے کہ وہ بھائی کو جواب نہیں سننا چاہتی تھی۔

مسٹر فو نے اب بچا کھچا کھانا اور کچرا بیگ میں ڈالنا شروع کیا اور بچوں سے کہنے لگا:

''آؤ چلیں۔'' بچوں کو دیکھتے ہوئے اسے خیال آیا کہ بچے کس قدر پیارے اور دلچسپ ہیں۔ اس نے انہیں کہیں روکا ٹوکا بھی نہیں۔ دادا نانا تو والدین نہیں ہوتے، روک ٹوک تو

MashalBooks.org

والدین کا کام ہے۔

نیچے اترتے ہوئے انہوں نے پھر اسی خاتون کو دیکھا جو اب بزرگ مردوں عورتوں کے گروپ کے ساتھ چل رہی تھی۔ مسٹر فو نے سنا کوئی اسے سسٹر چانگ کہہ کر مخاطب تھا۔

جیسے ہی سسٹر چانگ نے یوآن کو پہچانا آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور باتیں کرنے لگی۔ یو پینگ آگے دوڑتا جا رہا تھا، اس لئے فو پیچھے تھے، یوآن سے بھی دو قدم پیچھے۔ وہ اس خاتون اور یوآن کی باتیں سن رہا تھا۔

''پہاڑوں پر چڑھنا اچھا لگتا ہے؟''

''جی ہاں۔''

''وہ تمہارا بھائی ہے، کس کلاس میں؟''

''تھرڈ گریڈ میں۔''

''کوئی اور بہن بھائی بھی ہیں؟''

''نہیں زیادہ بچے اچھے نہیں ہوتے۔'' یوآن نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

مسٹر فو پیچھے پیچھے آ رہا تھا، یہ سن کر وہ ہنسی ضبط نہ کر سکا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔

سسٹر چانگ نے واپس مڑ کر دیکھا اور وہ بھی ہنس دی۔

''ایسے اچھے پوتے پوتی، آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔''

''آپ کے بچے؟''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کچھ مایوسی سے کہا:

''میں نے بچوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ بے شک بیاہتا زندگی شروع کر لیں، میں صحت مند ہوں، تمہیں مدد دے سکتی ہوں، وہ ایک دو بچے پیدا کر کے یہ سلسلہ ختم کر سکتے ہیں، میں اب بھی ادھر جاتی ہوں مگر مستقبل میں۔۔۔۔۔''

نوجوانوں کی اپنی مرضی ہوتی ہے؟ فو نے اسے دلاسا دیا، لیکن پھر ماضی کی یادوں کے حوالے سے سوچنے لگا، چیزیں کتنی بدل گئی ہیں۔ ماضی میں بچوں کی تعلیم، ملازمت، شادی، یہ سب کچھ والدین کیا کرتے تھے، اب معاملہ الٹا ہے، اب پرانی نسل کو بچوں کی ہدایات کی مرضی کا پابند ہوں ا ہوتا ہے، یا لاتعلقی۔''

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟'' مسٹر فو نے پوچھا۔

سسٹر چانگ مسٹر کا بھرا بھرا اعلاقائی لب ولہجہ نہ سمجھ سکی اور اسے کہا کہ وہ اپنا سوال دہرائے۔

''میری صرف ایک بیٹی ہے، بیٹی اور داماد سے توقع ہے کہ وہ بڑھاپے میں میری مدد کریں گے۔۔۔۔۔اور آپ؟''

MashalBooks.org

''میرے بھی ہیں، مگر ایک بیٹا، بیٹے بیٹیوں کی طرح اچھے نہیں ہوتے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ کہاں رہتے ہیں؟''

'ہو، میں منگ ٹی نیو وِلا میں رہتی ہوں۔ یہ لوگ کچھ تو ہمسائے ہیں اور بعض دوست، جن سے پہاڑ کی سیر کے دوران دوستی ہوئی، آپ کہاں رہتے ہیں؟''

''ہم وہاں۔۔۔۔۔ پہاڑ کے عین دامن میں جو گھروں کی قطار ہے۔ ہم وہاں رہتے ہیں۔'' گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسٹر فو نے کہا۔

''آپ کے لیے تو بڑا آسان ہے۔ ان لوگوں میں سے کچھ تو نیو سنٹرل ولیج جیسی اور جگہوں سے بھی آئے ہیں، صرف پہاڑ کے دامن تک پہنچنے کے لیے انہیں آدھا گھنٹہ لگتا ہے، آپ سیر کے لئے کب نکلتے ہیں؟''

''مسٹر فو سمجھ گیا کہ وہ اسے پرانا سیر کرنے والا سمجھ رہی ہے۔ یہ بتانے میں بھی کراہت ہے کہ میں تو صرف دوسری بار آیا ہوں۔ ''بس میں نے تو ابھی سیر شروع ہی کی ہے۔

بوڑھا ہوں۔۔۔۔۔۔ زیادہ سیر نہیں کر سکتا۔ میں عموماً ذرا دیر سے سات بجے کے بعد آتا ہوں، جب اکثر لوگ پہاڑ سے اتر رہے ہوتے ہیں۔''

''سمجھ گئی، آپ کو جلد آنا چاہئے۔'' سسٹر چانگ نے کہا۔

یو پینگ نے اِدھر اُدھر کوئی دلچسپی سی شے دیکھ لی اور نعرہ مارا۔ یو آن نے دیکھا کہ سسٹر چانگ کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ بھائی کی طرف دوڑ گئی۔

مسٹر فو سیڑھیاں اترتے اترتے سسٹر چانگ والی سڑھی پر آ گیا۔ مسٹر فو رہ نہ سکا۔

''واقعی تم سڑسٹھ کی لگتی نہیں ہو۔'' یہ کہہ کر اسے احساس ہوا کہ اسے یہ نہیں کہنا چاہئے تھا۔ اس لئے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

''میں دل کے بارے میں پریشان نہیں ہوں، کمزور ٹانگوں کے بارے میں فکر مند تھا، جب پہلے روز آتے رہے تو عادی ہو جائیں گے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے، پہلے میں یہاں آنا ہی ناممکن سمجھتا تھا، مگر اب تو دل لگ رہا ہے۔ اگر آپ زیادہ سویرے آئیں اور ہر روز آئیں تو آپ کو بڑا مزہ آنے لگے گا۔ بہت سے لوگ لائبریری کے سامنے شیڈو باکسنگ کی مشق کرتے ہیں۔ آپ شیڈو باکسنگ کھیلتے ہیں؟ ہماری عمر کے لوگوں کو چست چالاک رہنا چاہئے۔''

اترنا آسان تھا، خصوصاً جب کوئی باتیں کرنے اور سننے والا بھی ہو۔ مسٹر فو نے محسوس کیا کہ اترنا تو اور بھی تیزی سے ہوا اور آرام دہ بھی تھا۔ وہ جلدی ہی نیچے پہنچ گئے اور جب وہ ایک دوسرے

کوالوداع کہہ رہے تھے، سسٹر چانگ نے اسے کہا کہ وہ کل سے اور بھی سویرے آیا کرے۔

اس دن سے مسٹر فو نے صبح کی سیر کا پروگرام پکا کر لیا۔ صبح وہ جلدی جلدی اٹھ کر پہاڑ پر سیر کرنے والوں کے ساتھ جا ملتا پھر سیر کر کے لوٹتا اور بچوں کو سکول بھجوانے میں مدد دیتا۔ سہ پہر کو اپنی توانائی کو بحال رکھنے کے لئے لمبا قیلولہ کرتا۔ پہاڑ چونکہ بہت ہی قریب تھا، اس لئے وہ کبھی کبھار شام کے وقت بھی سیر کے لئے چلا جاتا۔

اب سسٹر چانگ سے مسٹر فو کی ہر صبح ملاقات ہونے لگی۔ ہفتے میں کئی دن ایسے بھی ہوتے کہ سسٹر چانگ کے بہت سے دوسرے ساتھی سیر پر آنے کی بجائے کام پر چلے جاتے، صرف اتوار کے روز سب اکٹھے ہوئے، اس طرح کام والے دنوں میں بعض اوقات وہ دونوں ہی ہوتے۔ کچھ عرصہ بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ راز و نیاز کی باتیں بھی کرنے لگے۔ مسٹر فو کو خیال تھا کہ سسٹر چانگ بوڑھی عورت ہے۔

بیٹی اور داماد کے ساتھ رہتی تھی تو یقیناً اس کے بھی کچھ مسائل ہوں گے۔ وہ کھلے دل کی عورت تھی، وہ اکثر فو کو ہدایت کرتی، میرا نہیں خیال کہ تمہارے بیٹے کا یہی مطلب تھا، اس کے تو دماغ میں ہوگا بھی نہیں کہ اس بات سے آپ کا دل دکھے گا۔''

''بہن، میں کہتا ہوں، ٹی وی دیکھنے کے بھلا میرے کتنے دن رہ گئے ہیں، جب وہ ٹیلی ویژن پر فلم دیکھ رہے ہوتے ہیں، میں شکایت نہیں کرتا کہ میری نیند خراب ہو رہی ہے۔ مگر جب میں پینگ و پیرار کھ رہا ہوتا ہوں تو پھر مجھے کیوں الزام دیا جاتا ہے کہ میری وجہ سے بچوں کی پیانو کی مشق خراب ہو رہی ہے یا ہوم ورک میں رخنہ پڑ رہا ہے۔'' فو نے آہ بھری۔

''یہ بھی اچھا ہوا کہ میں ان کا محتاج نہیں ہوں اگر مجھے ان سے پیسہ مانگنے پڑتے تو خدا جانے کیا حشر ہوتا۔''

لگتا تھا کہ اس کی باتوں نے سسٹر چانگ کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بڑی دیر تک وہ سر جھکا کے اور اپنے پیروں پر نظریں جما کر سوچتی رہی پھر اچانک وہ تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی:

''میری بیٹی اور داماد خصوصاً بیٹی کا میرے ساتھ سلوک اچھا ہے، مجھے خرچ کرنے کے لیے کچھ سوڈالر دیتی رہتی ہے۔ جب انہوں نے یہ مکان خریدنے کا فیصلہ کیا، میں پریشان تھی کہ ان کے پاس تو اتنے پیسے نہیں تھے۔ پھر انہوں نے اپنی اپنی بچت کے علاوہ کمیٹیاں بھی ڈالیں اور پیسے اکٹھے کر لئے مگر اب وہ مالی لحاظ سے تنگ ہیں۔ مجھے ان پر ترس آیا اور کچھ میری جمع جتھہ تھی، میں نے وہ بھی ان کو مکان خریدنے کے لئے دے دی اب میرے پاس باقی کچھ بھی نہیں۔ میرا داماد اپنے گھر میں خوش نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں تنگ کرنے والی عورت نہیں ہوں۔ میری بیٹی اور میرا داماد میرے ساتھ مہربان ہیں اور جب بھی کوئی موقع آ جائے میں ان کی مدد کرتی ہوں۔ اگر کل

کلاں وہ بچے پیدا کریں تو میں ان بچوں کی نگہداشت کروں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھے حقارت سے دیکھیں۔''

''ہر خاندان کے اپنے اپنے مسئلے ہیں۔'' مسٹر فو نے اس سے اتفاق کیا۔

اس وقت کچھ رنگا رنگ تتلیاں ہوا میں بلکہ عین ان کے چہروں کیسامنے اڑ رہی تھیں۔ مسٹر فو اپنی چھڑی سے ان تتلیوں کو دور کرتا ہے۔

وہ دونوں صرف گلوں شکووں کے تبادلے کے لیے ہی نہیں ملتے۔ بوڑھے لوگوں کی زندگی مجموعی طور پر تو بے رنگ ہوتی ہے مگر اس عمر میں بات کرنے اور سننے کے لئے کوئی ساتھ ہو تو زندگی معمول والی دلچسپی واپس آ جاتی ہے۔

ایک روز مسٹر فو دیر سے پہنچا، سسٹر چانگ اسے نہیں ملی، لیکن جب وہ پلیئر پارک پہنچا تو وہاں ایک بزرگ آدمی سے باتیں کر رہی تھی۔ مضبوط قسم والے اس آدمی کے سر پر برف ایسے سفید مگر گھنے بال تھے۔ مسٹر فو سے بھی زیادہ۔ اس کا رنگ گلابی اور چہرہ دمک رہا تھا۔ اس نے رائل بلیو سویت سوٹ پہن رکھا تھا، جس میں کوئی کالا سا کپڑا تھا۔ آواز اس کی گونج دار اور تحکمانہ تھی اور کہہ رہا تھا:

''نہیں تم اس طرح نہیں کر سکتیں، جلد یا بدیر مشکل میں پڑ جاؤ گی۔ میں نے تمہیں جو ورزش پچھلی بار سکھائی تھی، تم ہر روز کرتی رہو۔''

''جب خود کو ٹھیک سمجھتی ہوں تو کرتی ہوں۔'' سسٹر چانگ نے جواب دیا اور فو پر نظر پڑی، وہ مسکرا دی۔

''آئی یا آپ کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں؟ آپ کو تو خود ہر روز یہ کرنا چاہئے۔''

''دراصل اس سے مجھے پسینہ بڑا آتا ہے، جسم پچ پچ کرنے لگتا ہے، برا لگتا ہے۔''

''اگر چربی مساموں سے نکل رہی ہو تو یہ پسینہ واقعی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ تمہارا پسینہ ایسا ہی ہے، مگر میرا پسینہ صاف ہوتا ہے۔

مسٹر فو ان کے پیچھے ایک پٹڑی پر بیٹھ گیا اور اس نے اندازہ کر لیا کہ یہ خودی کا مارا شخص تعریف کے قابل ہے اور اس کا پائینگ لب ولہجہ ایسا ہے جیسے سرراہ دوائیں بیچنے والوں کا ہوتا ہے۔

''دیکھو میں تمہیں کچھ گر بھی سکھاؤں گا۔ سادا مگر بڑے مفید، باقاعدگی سے کرنا ہوں گے؟ اگر تم یہاں روز آؤ اور چند دن یہ مشقیں کرتے رہی تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارا بلڈ پریشر کم ہو جائے گا اور تمہاری ہڈیاں بھی ٹھیک سخت ہو جائیں گی۔ بس غور سے دیکھتے رہنا۔''

اس نے پنجرہ درخت کے ساتھ لٹکا دیا، اس کی پشت مسٹر فو کی طرف تھی، اس نے ایک آسن

لیااور سسٹر چانگ سے کہاوہ بھی ایسا ہی آسن لے۔مسٹر فو دیکھ رہا تھا، چنانچہ سسٹر چانگ اس لمحے کچھ پریشان ہوگئی۔ پھر اس نے مڑ مڑ کر مسکرانا بھی شروع کر دیا۔

''نہیں نہیں، اس طرح نہیں، تمہاری آنکھیں صرف ہاتھوں کے ساتھ ساتھ حرکت کریں۔''

وہ شخص زور سے چیخا، تب مسٹر فو کو اس شخص کی طبیعت پر تعجب ہوا کہ کیا مزاج پایا ہے۔

''بائیں دائیں اس طرح جھک کر، جیسے پرندے کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔'' فو بھی بول اٹھا۔

اس شخص کو یہ توقع نہ تھی کہ کوئی مداخلت کرے گا۔ چنانچہ اس کی کڑواہٹ میں تھوڑی سی کمی آ گئی، اس نے مسٹر فو کو دیکھا۔ مسٹر فو کو خیال آیا کہ شاید اس کے لہجے کے سبب اس کی بات سمجھی نہیں گئی، اس لیے اس نے اپنا جملہ دہرایا:

''بازو کی اس حرکت کو دائیں بائیں جھک کر پرندے کے شکار کرنے سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

اس شخص نے ایک اور پوزیشن بتائی اور سسٹر چانگ سے کہا:

''اپنا سر ہلاؤ، جس طرح کتورا ہلاتا ہے۔''

پیچھے سے مسٹر فو پھر بولا: ''سر ہلاؤ، تاکہ دل کی آگ سے چھٹکارہ ملے۔''

اس شخص نے کہا:

''بالکل ٹھیک، سر ہلانا، پھر دم چلانا اور دل کی تپش سے نجات حاصل کرنا اور ورزش کا نام ہے۔اس نے مسٹر فو کے بیان کا آخری حصہ درست کیا اور دہرایا، دل کی تپش سے نجات ملے۔ پھر بات جاری رکھی: ''یہ بہترین مشق ہے اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں، لیکن یہ آسان ورزش نہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد نے صدیوں میں یہ ورزش بنائی ہے۔

یہ پرانی ورزش ہے، اسے سیری ورزش کے آٹھ حصے کہا جاتا ہے۔فو نے اپنے آپ کہہ دیا۔

''ساٹھ سال کے اوپر کے لوگوں کو جیسا کہ میں ہوں، جھگڑالو نہیں ہونا چاہیے، مگر یہاں تو ہر شخص بھرا پڑا ہے۔''

''گویا آپ بھی یہ ورزش جانتے ہیں؟'' سسٹر چانگ نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں نے یہ ورزش اور مشقیں ہائی سکول میں سیکھی تھیں، کئی سال گزرے اب بھول بھال گیا ہوں، مسٹر فو نے اپنی بات جاری رکھی، دراصل پہاڑ پر چڑھنا بذات خود ایک مکمل ورزش ہے۔ادھر اتنی دور اوپر کرنا ضروری نہیں، ٹھیک؟'' سسٹر چانگ عادتاً مسکرائی اور اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

دوسرے آدمی نے محسوس کیا کہ اس کی سبکی ہوئی ہے، اس نے الوداع کے لئے ہاتھ ملایا، اپنا پنجرہ اٹھایا اور چلا گیا۔

واپسی پر سسٹر چانگ نے مسٹر فو کو بتایا: ''یہ مسٹر ٹیچ تھا، وہ ہر روز یہاں سیر آتا ہے، زیادہ تر

MashalBooks.org

ادھر اپنے کام میں مصروف رہتا ہے، جب بھی وہ مجھے مل جاتا ہے، دو چار باتیں سکھاتا ہے۔ اونچی آواز لگانا یعنی سدبھی اسی نے سکھایا تھا۔ کہتا تھا کہ اس طرح دل کا غبار نکل جاتا ہے۔ مسٹر فو کو مسکراتے دیکھ اس نے بات جاری رکھی:

''اس شخص کا باپ ہمارے قصبے میں بہت بڑا زمیندار تھا، لوگ اسے ہاف بلاک کہا کرتے تھے، کیوں کہ ایک بلاک کے آدھے گھر اس کے اور اس کے عزیزوں کی ملکیت تھے۔ اب وہ نیو سنٹرل ولیج میں رہتا ہے، اب بھی دولت منداور بااثر آدمی ہے۔''

دریں اثنا مسٹر فو مسکراتا رہا اور اپنے اندر ہی اندر سوچتا رہا۔ اس مسٹر ہاف بلاک کے اثر کا دائرہ اس ہنسٹن کی پہاڑی تک تو نہیں پھیلا ہوا؟''

جب وہ پہاڑی سے نیچے آئے، انہوں نے دور سے دیکھا کہ چنگ یو بچوں کے ساتھ گھر باہر آرہی تھی۔ یو آن نے سب سے پہلے انہیں دیکھا اور چلائی: ''دادا ابا۔''

مسٹر فو نے اب سیر جلدی شروع کر دی۔ گھڑی کو دیکھ کر سسٹر چانگ سے کہنے لگا:

''آج تو میں کچھ لیٹ ہو گیا۔''

بچوں نے سسٹر چانگ کو سلام کیا، پھر فو اس کا تعارف اپنی بہو سے کرایا۔ چنگ یو نے بڑی خوش دلی سے سسٹر چانگ کو گھر آنے کی دعوت دی، مگر فو نے کہا کہ وہ جائے گھر میں کام کرے اور وہ اور سسٹر چانگ بچوں کو جا کر بس سٹاپ پر چھوڑ آتے ہیں۔ دونوں بچوں کو لے کر چل پڑے، کچھ آگے جا کر مسٹر فو نے مڑ کر دیکھا تو چنگ یو اب بھی دروازے میں کھڑے مسکرا مسکرا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ مسٹر فو نے سسٹر چانگ کو دیکھا اور پھر تھوڑا پریشان ہوا۔

اس برس برسات کا موسم ذرا جلدی شروع ہو گیا اور بارش کئی دن تک مسلسل ہوتی رہی۔ روز کے سیر کرنے والوں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا تھا۔ مسٹر فو کا گھٹیا کا درد جاگ پڑا، کمر میں سخت درد شروع ہوا، طبیعت میں ایک اضطرار ہمیشہ سے تھا، اس لیے اب اسے کچھ بھی نہیں سوجھتی تھی۔

ایک بار بارش کچھ دیر کے لئے رکی مگر پھر شروع ہو گئی۔ بارش کے قطرے چھوٹے مگر گھنے تھے، اس لیے نظر آئیں یا نہ آئیں مگر جب کھڑے پانی پر گرتے تو لہروں پتہ چلتا تھا۔ مسٹر فو نے بڑی مشکل سے کرسی کھڑکی کے پاس گھسیٹی اور اس پر بیٹھ گیا۔ بارش کے دنوں میں پہاڑی زیادہ سرسبز لگتی تھی۔ اسے دیکھ کر آدمی کو بھی بے بسی کا احساس ہوتا۔ وہ کھڑکی سے پہاڑ کے دامن کو کسی کی امید پر دیکھتا رہا مگر مسلسل تیز بارش کے ہوتے ہوئے کسی کے بھی نظر نہ آنے کے امکانات مخدوش ہو چکے تھے۔

''مسٹر فو۔۔۔۔۔ مسٹر فو۔''

MashalBooks.org

''کوئی اسے بلا رہا تھا۔

''سسٹر چانگ۔'' ایک منٹ، میں دروازہ کھولتا ہوں، وہ ساری پہاڑی کو تو بڑے اہتمام سے دیکھتا رہا مگر اس کی نظر کھڑکی کے نیچے نہیں گئی کہ وہاں کوئی تھا۔ وہ فوراً دروازہ کھولنا چاہتا تھا مگر گھٹیا کے درد نے مشکل پیدا کر دی، بڑی مشکل سے کھڑا ہوا۔ نیچے سیڑھیوں کا دروازہ کھولنے کے لئے بٹن دبایا اور پھر کمرے کا دروازہ کھول کر مہمان کا انتظار کرنے لگا۔

''مجھے دیکھو، جب گھر سے چلی تھی، بارش رکی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں جلدی ہی واپس چلی جاؤں گی، اس لئے چھتری بھی نہیں لی۔ وہ بارش میں تھوڑی بھیگی ہوئی تھی اور ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

مسٹر فو نے اسے کرسی پیش کی اور کہنے لگا: ''واقعی یہ موسم قابل اعتبار نہیں ہے۔'' وہ اس کے لئے چائے بنانے کے لئے اٹھا مگر سسٹر چانگ نے تیزی سے اٹھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''پرانا روگ ہے؟'' مسٹر فو نے کہا جو دہرا ہو گیا تھا اور اب بھی چائے بنانے پر مصر تھا۔

''اب میں واقعی بوڑھا لگتا ہوں؟'' اس نے ہلکا سا مذاق کرتے ہوئے کہا۔

''اس کا علاج تو کوئی نہیں، آپ کو آرام کرنا چاہئے، یہ موسم تو انسان کو ڈھا دیتا ہے۔

کچھ دنوں سے مجھے بھی زکام رہا۔''

''خ خیا۔۔۔۔۔ خیال رکھو اپنا، تمہیں تو خود ہی سب کچھ کرنا ہے، بچے تو تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔''

''کبھی آکوپنکچر کے ذریعے علاج کروایا؟'' لوگ کہتے ہیں جوڑوں کے درد کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔''

تم زکام کے بعد ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔ بوڑھے لوگوں کے ایسے کام ملتوی نہیں کرنے چاہئیں، میرا خیال تھا کہ تم بارش کی وجہ سے نہیں آ رہیں، اب پتہ چلا کہ تم بیمار تھیں۔''

''گھر میں دم گھٹنے لگا تھا۔ آج صبح موسم کچھ لگا۔ میں جیل ندی کے لئے نکلتی، میں صرف لائبریری تک جانا چاہتی تھی مگر ابھی یہیں پہنچی تھی کہ باریش شروع۔ میں نے کہا آپ سے مل لوں، میں نے گھنٹی پر انگلی رکھی ہی تھی اوپر دیکھا تو آپ نظر آ گئے۔ سسٹر چانگ نے مزے لے لے کر یہ بات سنائی۔

''میں یہاں اس جگہ پہلے نہیں آئی، ہمارے مکان کے مقابلے میں تو بہت وسیع اور کھلا ہے۔ کتنا بڑا ہے یہ اپارٹمنٹ؟''

مسٹر فو کی پیٹھ میں اب بھی درد تھا مگر خوشی خوشی اسے گھر دکھاتا رہا، دریں اثنا وہ گھر کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ مسٹر فو کو ایک دم احساس ہوا کہ اس کا پاجامہ بڑا میلا ہے اور یہ بھی

MashalBooks.org

بداطواری بھی جاتی ہے۔ جب واپس اپنی نشستوں پر آئے تب اس نے وضاحت کا ڈھنگ نکالا: ''مجھے دیکھو، کتنا موٹا ہو گیا ہوں، کوئی پاجامہ بھی پورا نہیں آتا۔ آج کل ایسے درزی بھی نہیں ملتے جو اتنے بڑے پاجامے سی دیں۔ مجبوراً اپنا پرانا پاجامہ پہنے بیٹھا ہوں، گھر میں اس قسم کا لباس پہننے سے آدمی آرام میں رہتا ہے۔''

سسٹر چانگ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا: ''بعض آسان کام میں اب بھی کرتی ہوں، مجھے کپڑا دے دیں، آپ کے پاجامے سینے سے مجھے خوشی ہوگی اگر فالتو پاجامہ ہے تو وہ نمونے کے طور پر دے دیں۔''

مسٹر فو کو تعجب بھی ہوا اور پھول بھی گیا۔ جلدی سے کہنے لگا: ''یہ تو بڑی زحمت ہوگی؟''

''نہیں کوئی زحمت نہیں، کچھ زیادہ کام تو نہیں، تین ساڑھے تین گز کپڑے کی ضرورت ہو گی۔''

''میں کپڑا وغیرہ خریدنا نہیں جانتا۔ میری خاطر تم یہ کام بھی خود ہی کر لو۔'' مسٹر فو کمر کی درد اب کم ہو گئی تھی اور وہ اب شگفتہ ہو رہا تھا۔

''نہیں۔۔۔۔۔ بہتر تو یہ ہے کہ خود ہی کپڑا وغیرہ لے آئیں۔ اگر تھوڑا سا وقت نکالیں اور یہ بارش تھمے تو دونوں مارکیٹ چلتے ہیں۔ قریب ہی ایک کپڑے کی دکان ہے، زیادہ دور نہیں، آنے جانے میں صرف 15 منٹ لگیں گے۔ آپ کپڑا خریدنا میں گھر لے جاؤں گی۔ آئی ہا، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا کہ آپ کی تو کمر میں درد ہے۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تھوڑا سا چلنا اچھا ہوگا۔'' مسٹر فو نے جواب دیا۔

چند دنوں میں پاجامے مل جائیں گئے مگر جب سسٹر چانگ پاجامے لے کر آئی تو اس نے سلائی کے عوضانہ وصول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر مسٹر فو نے کہا کہ وہ دوپہر کا کھانا کھا کر جائے۔ اپنے علاقے کی بعض ڈشیں بہت اچھی بنا لیتا تھا مگر اتفاق سے اس روز ریفریجیٹر میں کھانے پکانے کی اشیاء ہی کم تھیں، اس نے اپنے تھوڑے سے ہی جوہر دکھائے تھے۔

سسٹر چانگ نے نئے ذائقے والی چیزیں کھائی تھیں، اس لیے وہ تعریفیں کرتی نہیں تھکتی تھی۔ ہر روز تنہا کھانا کھانے کے باعث اس کا ذوق شوق ختم ہو چکا تھا۔ مگر اب جب اسے مداح بھی مل گیا تھا، تو وہ یہ موقع گنوا نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے سسٹر چانگ کو ایک بار پھر کھانے کی دعوت دے دی، جواب میں سسٹر چانگ نے اسے شمالی علاقے کے کھانوں کی دعوت دی۔

یوں موسم برسات میں اب ان میں ایک قدر مشترک پیدا ہو گئی۔ مہینے میں ایک آدھ بار وہ دوپہر کا کھانا ایک دوسرے کے ہاں کھاتے، وہ کھانوں کی تیاری کے بارے میں بھی ایک دوسرے سے تبادلہ معلومات بھی کرتے اور ایک دوسرے سے کچھ سیکھ کر بڑے خوش بھی ہوتے۔ شروع میں

MashalBooks.org

مسز فو اپنی دوپہر کی ملاقاتوں کے بارے میں اپنے خاندان کو تفصیلات سے آگاہ کرتا رہا، پھر اس نے آہستہ آہستہ ان کا ذکر تک چھوڑ دیا۔۔۔۔۔اسے کچھ یقین نہ تھا اور یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ وہ ہر وقت ان ملاقاتوں کا ذکر کرتا رہے۔

ایک رات مسٹر فو کی نیند کھل گئی۔ رات دیر ہو چکی تھی، اس نے سنا اس کا بیٹا اور بہو باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتیں سنی جا سکتی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسٹر فو گہری نیند سو رہا ہے۔

''او جی آپ کے والد صاحب کی گرل فرینڈ آج پھر آئی تھی۔'' چنگ یو نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''بڑی سیدھی سی بات ہے، جس دن آپ کے والد صاحب بڑے خوش ہوں اور جس روز باورچی خانے میں برتن فرائی پان نیچے اوپر پڑے ہوں، اس دن۔''

''تو پھر کیا ہوا؟ تمہیں کوئی پریشانی ہوتی ہے؟''

''بکواس، اگر وہ اس طرح خوش ہوتے ہیں تو مجھے باورچی خانہ ٹھیک کرنے میں بھی بڑی خوشی ہوگی، آئی یہ دونوں بڑے دلچسپ کردار ہیں۔''

''کیسے؟''

''آپ کو خبر ہے آپ کے والد صاحب کر برتن دھونے سے کتنی نفرت ہے؟ مجھے پتہ چلا کہ برتن دھونے کا کام چانگ یو کرتی ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ ہے؟''

''تمام پلیٹیں غلط جگہوں پر پڑی ہوتی ہیں۔''

''باہر والے کمرے میں۔'' وہ زور سے ہنسا اور مسٹر فو بھی ہنس دیا۔ اسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ اپنے پیچھے نشانات چھوڑ جاتے ہیں۔

''کیا خیال ہے ہماری ایک نئی ماں آ رہی ہے؟'' چنگ یو نے پوچھا۔

''خیال اچھا ہے۔۔۔۔۔تمہیں بھی ایک سخت گیر ساس کی ضرورت ہے جو ہمیشہ روک ٹوک کرتی رہے۔''

''چھوڑو، میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔''

''میں بھی اس کے حق میں ہوں مگر میرے والد تو یہ خیال قریب بھی نہیں پھٹکنے دیں گے۔''

''آپ کو کیسے خبر؟''

''اگر میں نہیں جانتا تو پھر اور کون جانتا ہے؟ ایک بیٹا کسی دوسرے کے مقابلے میں اپنے باپ کو کہیں زیادہ جانتا ہے۔''

''اگر وہ بات نہیں کرتے تو آپ ہی ان سے بات کر لیں۔''

MashalBooks.org

''بھول جاؤ، میں نے صرف ذکر ہی کیا تو وہ پاگل ہو جائیں گے، مگر تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو، بڑی اماں چانگ یو نے تو تم سے بات چلانے کو نہیں کہا۔''

''آپ یہ باتیں کیوں کہتے ہیں، بس میں محسوس کرتی ہوں کہ وہ ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں، ایک دوسرے کے لیے بڑے اچھے، یاد ہے جب انہوں نے نیا پاجامہ پہنا تھا، کیسے گھوم گھوم کر ہمیں دکھاتے تھے اور بچوں کو ایسے دکھا رہے تھے جیسے ماڈل سٹیج پر نمائش کرتے ہیں۔ بعض اوقات آپ کے والد میں بڑی اچھی حس مزاح عود کر آتی ہے۔

''تو مطلب یہ ہوا کہ میں بھی مذاق کر رہا ہوں۔''

''بہت زیادہ، اگر بڑی اماں چانگ اور ان کے خاندان کو اتوار کے روز ڈنر پر بلا لیں تو کیسا رہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو، انہیں ہم جانتے تو ہیں نہیں؟''

''میں تو صرف ان کے ردعمل جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کے والد سارا دن گھر پر تنہا ہوتے ہیں، اندازہ لگائیں خود کو کتنا تنہا اور بیزار محسوس کرتے ہوں گے، مجھے یقین ہے کہ اب وہ سمجھتے ہیں کہ اگر چانگ یو کے ساتھ ملاقاتوں کا ذکر کیا، اسے بلایا تو ہم لوگ ان کا مذاق اڑائیں گے۔ چنانچہ پہلے وہ اس کے بارے میں باتیں کرتے تھے اب بالکل نہیں کرتے۔ بوڑھے لوگوں کے لئے ایک ساتھ ہونا اچھا ہوتا ہے۔ ہم ان پر پوری توجہ دیتے ہیں، دیکھ بھال کرتے ہیں مگر جس پہلو پر ہم توجہ نہیں دے سکتے کوئی اور یہ کمی پوری کر دیتا ہے۔''

''چھوڑو، چھوڑو لگتا ہے، کہ تم کچھ اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا چاہتی ہو۔''

''کتنی بدسلوکی کر رہے ہیں آپ، میں تو آپ کی فلاح کا سوچ رہی ہوں۔''

''خدا کے واسطے، تم تو دن میں خواب دیکھتی ہو، تم خواہ مخواہ زیادہ جذباتی ہو کر ملوث ہو رہی ہو، تم چانگ یو سے اس موضوع پر کوئی بات کی، وہ کیا محسوس کرتی ہے۔

میرے باپ کے بارے میں کیا سوچتی ہے۔ اب جاؤ، سو جاؤ، ورنہ صبح دیر سے اٹھو گی اور کام پر بھی نہیں جا سکو گی۔

وہ دونوں اس کے دروازے کے پاس سے گزر کر گئے، وہ مایوس ہوا اور لگا کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے۔ اس نے تو کبھی عورتوں سے آنکھ مٹکا بھی نہیں کرے گا، لیو کی تو دور کی باتیں ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی گفتگو ختم کیسے کی ہے، بے نتیجہ، بے روح سا ہو گیا وہ بھی۔ مسٹر فو کے دل میں اب تک سسٹر چانگ سے شادی کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ اب وہ ستر برس کا ہو گیا تھا اور اس عمر میں شادی کی ایک اور صورت پیدا ہو رہی ہے؟ تو پھر کیا؟ تو پھر کیا ہوا؟ ستر برس کی عمر میں آدمی ایک خاص حد کے اندر جو چاہے کرنے میں آزاد ہے۔ زندگی تو شروع ہی ستر برس سے۔۔۔۔۔۔ اس

کے خیالات کی لہر آئی اور بہت دیر سو نہ سکا۔

برسات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ لنچ پر ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب باری سسٹر چانگ کی تھی کہ وہ بلاتی مگر اس نے نہیں بلایا۔ اب وہ اپنے ہی خیالات کے بوجھ تلے دب چکا تھا اور اس سے ملنے کے لئے بھی خود کو تیار نہ کر سکا۔ اس نے سسٹر چانگ سے رابطہ کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔

ایک سہ پہر کو وہ پھر بیزار ہو رہا تھا، وہ پھر کھڑکی کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور باہر تنہائی میں دیکھنے لگا۔ لگتا تھا اب درد کی ریڑھ کی ہڈی میں چلا گیا ہے۔ کیا یہ وہی گٹھیا کا درد ہے؟ اسے خبر نہ تھی کہ بارش رک گئی ہے اور پھر ایک دم چاروں طرف چمکتی دھوپ پھیل گئی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ سسٹر چانگ آنے والوں سے نہیں ملتی، کہیں بیمار نہ ہو گئی ہو۔ پھر بے خیال میں ہی اس نے ٹیلی فون کر دیا۔

''ہیلو۔''

''اوہ، آپ ہیں، مسٹر فو۔'' سسٹر چانگ نے فوراً ہی اس کی آواز پہچان لی۔

''اوہو۔'' اب اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ ''عمریں گزر گئیں تمہیں ملے۔ کیسی ہو؟''

اس نے پوچھا اور پھر اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ زندگی کے اتنے لمبے تجربے کے بعد تجدید ملاقات کے لیے اتنا عرصہ اسے اس معمولی سے وسیلے یعنی ٹیلی فون کا خیال کیوں نہیں آیا؟

''ٹھیک۔۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟ گنٹھیا کیسا ہے؟ امید ہے پھر حملہ آور نہیں ہوا ہو گا۔ کیا موسم ہے، دیکھیں سورج پھر نکل آیا۔''

''یہاں لوگ پھر پہاڑی پر چڑھ رہے ہیں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''تم سد کے لیے نہیں آؤ گی؟'' وہ یہ کہنا تو نہیں چاہتا تھا مگر لفظ اس کے منہ سے نکل پڑے۔ اس نے کہا کہ اس نے کبھی شام کو پہاڑ کی سیر نہیں کی اور ابھی صرف پانچ بجے ہیں اور سورج چمک رہا ہے۔ پھر یہ کہ بچے آنے والے ہیں اور اسے دن کے لیے کھانا تیار کرنا ہے۔

اس نے ہکلاتے ہوئے ہمدردی کے کچھ الفاظ کہے جو خود اس کے اپنے کانوں کے بے ڈھنگے لگے، لیکن لفظوں نے کام دکھا دیا اور اس نے آنے کا وعدہ کر لیا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد وہ باتھ روم میں شیو کرنے چلا گیا۔ آئینے میں دیکھا تو اپنے آپ کو بے وقوف لگا۔ ستر برس کا ہو گیا ہے مگر اب بھی جوش میں آ جاتا ہے۔

سورج پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا، راستے سایہ دار اور ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ پتھر کے زینے اب بھی پھسلن والے تھے، ایسے بھی نہیں کہ چلنے میں کوئی خاص احتیاط کرنی پڑے۔ اس وقت کوئی بھی سیر کرنے والا نہیں تھا۔ پرندے خوشی سے چہچہا رہے تھے۔ بارش ختم ہونے کے بعد جب ہوا چلتی تو لگتا کہ دھوپ پتوں کے درمیان رقص کر رہی ہے۔ سلام دعا کے بعد کسی نے کسی سے کوئی بات

MashalBooks.org

نہیں کی حالانکہ دونوں کو احساس تھا کہ دوسرا تھوڑا سا کمزور ہو گیا ہے۔ بہر طور مسٹر فو کو خیریت کا ایک خاص قسم کا احساس ہوا۔ اگر چہ وہ خاموشی سے چلتے رہے مگر اسے کہیں بھی خفت کا احساس نہیں ہوا۔

اچانک سسٹر چانگ نے ٹھوکر کھائی۔ فو نے اسے فوراً سنبھال لیا اور خبردار کیا: ''احتیاط کرو، پھسلن ہے۔''

سسٹر چانگ پھر پاؤں پر کھڑی ہو گئی اور معذرت خواہانہ انداز میں ہنسنے لگی۔ زمین اب بھی گیلی ہے اور میں نے سنیکرز بھی نہیں پہنے۔ اس نے دیکھا کہ چانگ نے سیدھے تلوے والے گہرے سنہری جوتے پہن رکھے ہیں، ہر جوتے پر اسی رنگ کا پھول بھی ہے۔ اسے یاد آیا کہ ہسیو چیہ اسے اسی قسم کے جوتے پہنا کرتی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سسٹر چانگ اسے اپنی بیوی یاد لائی۔

سسٹر چانگ نے محسوس کیا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے مسٹر فو کو اپنے جوتے کا تلوا دکھایا اور کہا: ''میرا خیال تھا کہ یہ واٹر پروف ہیں، میں محتاط نہ تھی، اس لیے پھسل گئی۔''

اس کی بیوی کے برعکس چانگ کھلی طبیعت کی راست گو قسم کی خاتون تھی۔ اس کی بیوی نے ساری زندگی بڑی ہی نرمی سے اس کے رویے کو نظر انداز کیا۔ ہمیشہ خاموش گھریلو مگر مسٹر فو نے ساری زندگی اس لئے اس سے نفرت کی کہ انہوں نے کس طرح اسے پھانسا تھا۔ جب وہ مر گئی تو وہ اکیلا رہ گیا، کہاں جائے۔

''لو یہ چھڑی لو۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔ ''پاؤں دیکھ بھال کر رکھنا، پھر اسے بے تعلقی سے چلتے دیکھتا رہا، چھڑی نہیں تھی، اس لیے کمزور محسوس کیا، اس کی کمر کا درد بھی شروع ہو گیا۔ اس نے جذبات میں آہ بھری، ''بوڑھا ہوں۔۔۔۔۔ ایک ساتھی کے بغیر بوڑھا ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

سسٹر چانگ نے اس پر نگاہ ڈالی اور سر جھکا لیا۔ جیسے ہی وہ غلطی سے نکلے الفاظ کی تلافی کرنے والا تھا، سسٹر چانگ بول پڑی ''سوتم بھی وہی کچھ کہتے ہو۔'' اس نے چھڑی کی ربڑ کی نوک زمین میں گاڑنی شروع کر دی اور چھوٹے چھوٹے گول گول نشان بناتی گئی۔ کہنے لگی: ''اگلے روز بالکل یہی الفاظ میری بیٹی نے مجھ سے کہے تھے۔''

''سسٹر چانگ۔۔۔۔۔'' وہ وضاحت کرنا چاہتا تھا مگر مناسب الفاظ کی تلاش کی کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی اس کی آواز دب گئی۔

اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا: ''میں ایک کھرا انسان ہوں، آپ کی طرح نہ زیادہ پڑھی لکھی، نہ تجربہ کار، مگر میں جو کہوں گی اس کا مذاق نہ اڑانا۔ گزشتہ چند دنوں میں نے اپنی بیٹی کی

اسی قسم کی گفتگو سن کر خود کو مجرم اور خود غرض سمجھنا شروع کر دیا ہے، اسی لئے میں آپ کی طرف نہیں آئی۔''

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی بیٹی نے کیا کہا، لیکن یہ باتیں بھی تقریباً اسی قسم کی ہوں گی، جیسی چنگ کائی کی تھیں۔ وہ اچانک ناراض ہو گیا۔ ''یہ نوجوان لوگ! انہیں ایسی گستاخیوں کی جرأت کیسے ہوئی، انہیں اپنے والدین کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے۔'' اس نے اپنے خیال کو بھی مسخ کر دیا، برے الفاظ استعمال کیے، کیوں کہ وہ غصے میں تھا اور اس نے مزید دریافت کی زحمت نہیں کی۔

سسٹر چانگ اطمینان سے بیٹھی بڑے رسان سے کہنے لگی: ''آپ ہمارے نچلے والی ہمسائی مسز وانگ کو جانتے ہیں؟ وہ کبھی ان کے ساتھ پہاڑ پر سیر کے لیے جایا کرتی تھی۔ مسٹر وانگ نے آپ کے اور میرے بارے میں میری بیٹی کو بتایا ہے۔ ہائے ہائے میں نے ساری زندگی بڑی احتیاط اور صاف ستھری گزاری ہے۔ خاوند کی وفات کے بعد میں نے پرچون کی دکان ڈال لی۔ تاکہ اپنی کمائی سے اپنے بیٹی کو کالج میں پڑھاؤں اور پھر اس کی شادی کر سکوں۔ ان دنوں میں کوئی ایسی حرکت نہیں کی کہ لوگ میرے بارے میں باتیں بنائیں۔ میری تعلیم معمولی تھی مگر میں معاملات کی سمجھ بوجھ رکھتی ہوں۔''

''ان لوگوں کو کس بات کا پتہ ہے؟ ہم دونوں ستر کے قریب ہیں، اس کے باوجود ہم اتنا بھی نہیں جانتے؟'' مسٹر فو نے غصے میں یہ الفاظ منہ سے نکالے۔ پھر اپنا مدعا واضح کرنے کے لیے کہنے لگا: ''مجھے کوئی پرواہ نہیں، انہیں زبان چلانے دو، اگر ہم اکٹھے ہو کر خوش ہیں تو پھر بڑی ہمدہ بات ہے۔ وہ ہمیں ہدایات نہیں دے سکتے۔''

اس کا غصہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونے لگا۔ وہ یہ سب کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن موقع پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے بات جاری رکھی: ''سسٹر چانگ آپ میرے بارے میں جو کچھ بھی جان گئی ہو، اس کی بنا پر تمہارا کیا خیال ہے، میں کیسا آدمی ہوں؟'' چانگ سر ہلایا اور وہ بے باکانہ کہنے لگا:

میری مرحومہ بیوی کے ساتھ شادی میرے والدین نے کرائی تھی اور شادی شدہ زندگی میں، میں نے اسے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ یوں میں کوئی غیر ذمہ دار فرد نہیں ہوں۔ جس طرح میں تمہیں سسٹر چانگ کہہ کر دراصل تمہارے لیے تعظیم کا مظاہرہ کرتا ہوں۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کا دل جذبہ تشکر سے بھر گیا۔ ''بیٹے یا پوتے پوتیاں بے شک میرا ہی گوشت پوشت اور خون ہیں، مگر عمروں کا فاصلہ اوقات خاص قسم کی باتیں کرنے میں حائل ہو جاتا ہے اور پھر وہ بلاشبہ مجھے ایک بوڑھا اپنے سے جدا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ تم اور میں اکٹھے باتیں بھی کر سکتے ہیں اور ہنس بھی سکتے ہیں، جن دنوں ہم اکٹھے کھانے کھایا کرتے تھے،

MashalBooks.org

وقت کیسے خوش خوش گزرتا تھا، ہم سب دراصل ایک پرسکون خاموش زندگی کے متلاشی ہیں۔ آئندہ اگست میں، میں سٹر سٹھ سال کا ہو جاؤں گا۔ ہماری زندگی کے اور کتنے سال باقی رہ گئے ہیں؟ تو کیا ہمیں ایک دوسرے کے ساتھی بننے کی ضرورت نہیں؟ ایسے ساتھی کی جس سے باتیں کر سکیں، مختلف جگہوں کی سیر کر سکیں اور بیمار ہوں تو ایک دوسرے کی بیمار پرسی کر سکیں۔ ہم نوجوانوں کی طرح نہیں ہیں، جو عشق کرتے پھرتے ہیں اور محبت کے سوا کوئی اور بات ہی نہیں کرتے۔''

''وہ جذبات میں آ گیا تھا اور پھر چلتے چلتے رک گیا، اسی وقت سسٹر چانگ بھی رک گئی اور بڑی نرمی سے کہنے لگی: ''میں سمجھتی ہوں۔۔۔۔۔صرف لوگ باتیں۔۔۔۔''

''کس سے کے بارے میں باتیں؟ اگر ہم اپنے معاملات خود ہی ٹھیک نہیں رکھتے تو دوسرا کون یہ ہمارا کام کرے گا؟ سسٹر چانگ تم میرے خاندان کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو، ریٹائر ہوں ے کے بعد میری معقول پنشن ہے، لیو چانگ لی میں میرا اپنا گھر ہے۔ اگر تم ماں جاؤ تو ہم دونوں اچھی اندگی گزار سکتے ہیں۔''

جب اس نے اس رات چنگ یو کی باتیں سنی تھیں تو تقریباً یہی نتیجہ نکال سکا تھا کہ شروع میں یہ سب مقصد بے معنی نظر آیا تھا اور اسے یقین نہیں آیا تھا کہ وہی اس ساری صورت حال ذمہ دار ہے۔ مگر اب اس نے یہ قصہ بیان کر دیا اور بڑے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔

''آپ کو ٹھیک ٹھیک بتاتی ہوں کہ میں جو فیصلہ کروں گی، میری بیٹی اس پر اعتراض نہیں کرے گی، اسے آپ سے ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ وہ آپ کے خاندان کو دعوت پر بلانا چاہتی تھی، تا کہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے بارے میں جان سکیں مگر پھر بڑی خفت محسوس کرنے لگی۔ اگر چہ آپ سے باتیں کر کے مجھے راحت حاصل ہوتی تھی، مگر یہ خبر نہ تھی کہ کشاں کشاں اس مقام پر پہنچ جائیں گے۔ میں ستر کے قریب ہوں، میں کیوں لوگوں کی ہنسی کا نشانہ بنوں؟ سو کئی سال گزر گئے ہیں اور اب اس مرحلہ پر ہوں میں اپنا نام تبدیل کر لوں۔۔۔۔۔

اس نے باتیں کرتے کرتے پھر پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ ''سسٹر چانگ، وہ اس کے پیچھے پیچھے اسے قائل کرتا رہا، اس کا دل بہلانے لگا۔ ''سسٹر چانگ۔''

''میرا ایک اور نام بھی ہے۔'' ایک مسکراہٹ کے ساتھ وہ مڑی اور کہہ گئی۔

''وہ کیا ہے؟''

میں آپ کو نہیں بتاؤں گی، اس نے چھیڑا، رکی اور ابھی تک مسکرا رہی تھی۔

اب وہ اس جگہ پہنچ چکے تھے، جہاں عام حالات میں اپنے سانس درست کرنے کے لئے رکا کرتے تھے۔ منظر بھی اچھا تھا اور بیٹھنے کے لئے یہی جگہ اچھی تھی۔ آج انہوں نے دیکھا، دو بڑی چٹانوں کے درمیان خالی جگہ پر کسی نے عبادت گاہ سی بنا دی ہے، جہاں چھ سات بت رکھ دیئے

ہیں۔ان میں رحم کی دیوی، جیڈ ایمپرر، کوان کنگ، مہاتما بدھ اور دوسرے زاؤسٹ دیوتاؤں کے مجسمے تھے۔ یہ جو عبادت گاہ یا مجسمے رکھنے کی جگہ تھی، یہ فطری تھی اور بارش سے محفوظ ایک طرف دیا سلائی کی ڈبیاں، موم بتیاں اور اگر بتیاں رکھی تھیں کہ زائر آ کر موم بتی جلا لیں۔

''یہ چھوٹی سی عبادت گاہ کتنی عمدہ ہے۔'' سسٹر چانگ نے کہا اور مسٹر فو نے اس کی آواز میں خاص گرمی محسوس کی۔ابھی امید باقی تھی، اس نے بھی خود کو زیادہ پرامید محسوس کیا۔

وہ عبادت گاہ کے قریب گیا اور غور سے سب کچھ دیکھا۔

''انہوں نے یہاں سب کو رکھ دیا ہے، صرف عیسیٰ کو نہیں رکھا۔'' وہ ہنس پڑا۔

''سسٹر چانگ نے اسے چھڑی واپس کی اور بڑے احترام کے ساتھ عبادت گاہ کی طرف بڑھی اور اگر بتیاں جلانے لگی، وہ لبوں پر مسکراہٹ لئے دیا سلائی جلاتی چانگ کو دیکھا رہا، جس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور بڑے ادب کے ساتھ جھک گئی۔

''تم ان پر ایمان رکھتی ہو؟ اس چھوٹے سے مندر میں تو اتنے دیوتا اکٹھے کر دیئے گئے ہیں۔''

اگر بتی کو جلا کر ہیرئر میں رکھتے ہوئے اس نے کہا: ''سوال ایمان یا غیر ایمان کا نہیں، اگر بتی جلانے کا مطلب ہے تعظیم کرنا، اگر یہاں دیوتا ہیں تو میں ان کی مدد کی امیدوار ہوں۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹی، پھر بڑے خلوص اور عزت و احترام کے ساتھ جھکی۔

مسٹر فو کو پتہ نہیں اس نے کیا دعا مانگی، مگر اس کے انداز میں خلوص دیکھ کر وہ بھی پگھل گیا اور نرمی سے کہنے لگا: ''ایمان میں معجزے ظہور میں آتے ہیں۔'' اب اس کے خیالات زیادہ واضح ہو رہے تھے۔ سچی ساٹھ برس کی عمر کے بعد وہ بھلا بے معنی قسم کی گفتگو میں کیوں بہہ جائیں۔

اس کی آواز سن کر سسٹر چانگ مڑی اور اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا۔ جواب میں مسٹر فو ہنس پڑا۔ تمہاری حالت دیکھ کر مجھے ایک شعر یاد آ گیا ہے، جو اس صورت حال پر ٹھیک بیٹھتا ہے۔ یہ شعر کے لُو ہسئن پیویلین میں لکھا دیکھا تھا۔ وہ شعر کچھ یوں تھا:

''مہاتما بدھ کو ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے لئے مشہور و معروف مندروں میں جانے کی ضرورت نہیں۔''

''جن کا ایمان سلامت ہے، ان کی یہاں جلائی خوشبو یا مقدس پہاڑ پر جلائی خوشبو برابر ہے۔''

اس نے شعر کے الفاظ اپنی چھڑی کی مدد سے زمین پر لکھے اور سسٹر چانگ کو اس کی شرح بھی سنا دی۔

بہت اچھا، جب گھر جاؤ تو اسے لکھ لینا اور جب اگلی بار ہم آئیں تو اسے اپنے ساتھ لائیں، سسٹر چانگ بڑی مشتاق تھی۔

MashalBooks.org

''پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے کندھے اچکائے۔

کیوں نہیں؟ اس پہاڑ پر بہت سی ایسی تحریریں ہیں جو یہاں پر آنے والوں نے لکھ کر رکھ دی ہیں۔ صبح بخیر، جلدی اٹھو۔ تمہارا طرز تحریر اچھا ہوگا۔ تم یہ شعر لکھ لانا، یہاں کہیں لگا دینا اس طرح کچھ ثواب بھی ملے گا، بھلا بھی ہوگا۔

اس وقت وہ ضد نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے وعدہ کر لیا۔ کوئی تمہارا ساتھی ہوگا، زندگی زیادہ بھرپور ہو جائے گی۔ اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور چانگ نے بھی معاملہ جانتے ہوئے مسکراہٹ میں ہی جواب دیا:

اس پہاڑی راستے کے موڑ پر درختوں پر پتے نہیں تھے اس لئے ان کے چہروں پر سورج کی سنہری کرنیں پڑنے لگیں۔ مسٹر فو نے چانگ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دیکھے اور پوچھا: ''تھک گئی ہو؟'' اس نے سر ہلایا۔

''تمہارے لئے ان جوتوں میں چلنا مشکل ہے اس لئے آج اوپر نہ جائیں۔'' اس نے چانگ کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

ساتھ ساتھ کھڑے بزرگ جوڑے نے سامنے والی چوٹی پر دیکھا۔ آسمان رنگ برنگ سے بھرا پڑا ہے اور لگتا ہے سورج کے چاروں طرف سنہری پلیٹیں جڑی ہیں۔ سورج کی تمازت تو ختم ہو چکی تھی، مگر اس کا جلال اب بھی دیکھنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org